قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (قرآن مجید)

بوارق الغیب

تالیف

حامی توحید و سنت ماحی شرک و بدعت

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ
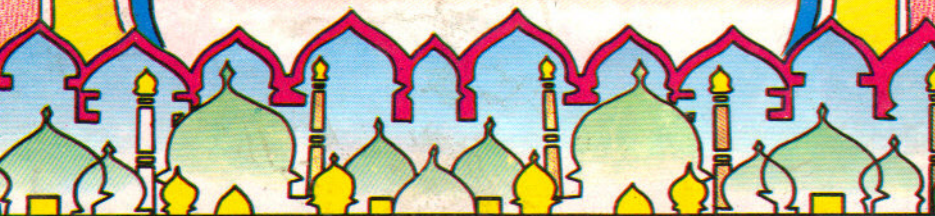
قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (قرآن مجید)

(اے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہدو کہ جو بھی زمین و آسمان میں (بسنے والے) ہیں (جن وانس ہوں یا فرشتے)، وہ غیب کا علم نہیں رکھتے' سوائے اللہ کے،

علم غیبی کس نمیداند بجز پروردگار
ہر کسے گوید کہ میدانم ازو باور مدار،
مصطفےٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل
جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار
(کلیات سعدیؒ)

الحمد للہ عالم الغیب کہ حصہ اول از کتاب ہدایت نصاب بلا ریب مسمّی

باسم تاریخی

بوارق الغیب

علٰی من یدّعی

لغیر اللہ علم الغیب

۱۳ ــــ ھ ــــ ۹۹

(سنہ ۱۳۹۹ھ)

مصنّف،
حامئ توحید وسنت ماحئ شرک وبدعت
حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ

ناشر،
کتبخانہ مجیدیہ ملتان شہر،
(پاکستان)

ملنے کا پتہ؛ مولانا عبدالکریم رحمانی دار العلوم رحمانیہ، جن پور تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان

عرضِ ناشر

برصغیر پاک و ہند اور عالم اسلام کی بلند پایہ شخصیت
فخر الاماثل حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

زیرِ نظر کتاب "بوارق الغیب" ان کی تصنیف ہے۔ جو کہ مولینا کے مشہور رسالہ "الفرقان" میں قسط وار ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوئی تھی، مسئلہ علم غیب پر نہایت عدل و انصاف اور متانت کے ساتھ مولانا موصوف نے قلم اُٹھایا ہے۔

کتبخانہ مجیدیہ نے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے جس کے دو حصے ہیں۔
حصہ اوّل میں آیات قرآنی مع تشریح و توضیح ترتیب وار درج کی گئی ہیں، اور حصہ دوم میں احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ مع تشریح جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب اہلِ علم کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ سے اہلِ انصاف حضرات کو حقیقت تک رسائی حاصل ہوگی
اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ او سبحانہ ہمیں حق و باطل میں امتیاز کرنے اور اتباعِ حق کی توفیق نصیب فرمادیں۔

آمین ثم آمین

فقط
بلال احمد شاہد
کتبخانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

یوں تو اسلامی ہند میں اہل سنت و اہل بدعت کی جنگ بہت قدیم سے جاری ہے لیکن تیرہویں صدی کے نصف آخر میں بعض فضلائے بدایوں کی تصنیفی کوششوں نے اس کو خاص فروغ دیا۔ اور پھر فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب کی "مجددانہ" سرگرمیوں نے اس میں اور زیادہ شدت اور ہمہ گیری پیدا کی۔ اور اس طرح یہ خانہ جنگی برابر ترقی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب ترکوں کی مصیبت نے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور خلافت کی تحریک اٹھی تو کچھ دنوں کے لئے یہ خانہ جنگی سرد پڑ گئی۔

اور الحمد للہ کہ چند سال تک عوام مسلمانوں کے کان ان مباحث سے ناآشنا رہے۔ تاآنکہ ۱۳۴۲ھ میں حجاز کا غیر متوقع انقلاب پیش آیا۔ اور حکومت عرب کی باگ شریف حسین کے ہاتھوں سے نکل کر سلطان نجد ابن سعود کے ہاتھوں میں پہنچی۔ اور انہوں نے اپنے خیالات و عقائد کے مطابق وہاں اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا۔ تو یہاں کے اہل بدعت کو پھر اپنی مردہ تحریک کے زندہ کرنے کا ایک موقع مل گیا۔ اور "بناء علی القبور" تخصیص قبور" عرس، فاتحہ، نذر غیر اللہ، علم غیب، وغیرہ مباحث پر پھر یہاں معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ حجاز میں تو چند ہی روز کے بعد کامل امن و امان ہو گیا۔ مگر ہندوستان میں جو مذہبی جنگ اس سلسلہ میں چھڑی اس کے شرارے برابر بلند ہی ہوتے رہے۔

یہاں تک کہ فریقین کے "علمار کرام" کے علاوہ عام اہلِ قلم اور مدیرانِ اخبار و جرائد نے بھی ان مباحث کی تحقیق۔ اور اثبات وانکار میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور کچھ دنوں کے لئے بہت سے اسلامی اخبارات کے صفحات اسی موضوع کے لئے وقف ہو گئے۔

اسی دور میں بعض اخباری مضامین دیکھ کر "مسئلہ علم غیب" پر ایک مختصر رسالہ لکھنے کا ارادہ ہوا۔ یہ زمانہ میری طالبِ علمی کا تھا۔ اور میں مرکز علوم اسلامیہ "دارالعلوم دیوبند" میں اپنی تعلیم کے آخری درجات پورے کر رہا تھا۔

حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب سے میں نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔ مولانا نے فرمایا۔ کہ اہلِ سنت کی طرف سے اب تک جو رسالے اس مسئلہ پر لکھے گئے ہیں۔ ان سب میں قدرِ ضرورت پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور مخالفین نے غلط مبحث کرنے کے لئے بڑے بڑے رسالے لکھ ڈالے ہیں۔ لہٰذا اگر اس موضوع پر کچھ لکھنا ہے تو ہمت کرا ور ایک مبسوط رسالہ لکھ دے۔ جس میں اپنے دلائل بھی کافی وشافی ہوں۔ اور مخالفین کے دلائل کا جواب بھی بالاستیعاب ہو۔ کام بڑا تھا۔ اور حکم بھی بڑے کا۔ اللہ کا نام لے کر قلم اٹھایا اور اسی طالبِ علمی کے زمانہ میں اس رسالہ "بوارق الغیب" کی تالیف کی بنیاد ڈال دی۔ مگر اس سال دورہَ حدیث کی مشغولیت کی وجہ سے بہت تھوڑا سا وقت مل سکا۔ تاہم اتنا ہوا کہ جو خالی وقت ملتا۔ میں اس میں دارالعلوم کے کتب خانہ میں جا بیٹھتا اور کتابوں سے عبارتیں نقل کر لاتا۔ اسی سال تعلیم کے ختم ہونے کے ساتھ دارالعلوم کے قیام کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور میں اپنے وطن سنبھل چلا آیا۔ یہاں آکر تدریس کا کام شروع کر دیا۔ اس کی مصروفیت اور کسی وسیع کتب خانہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اس عرصہ میں "بوارق" کا کام بالکل بند رہا۔

اس کے بعد تقریباً تین سال میرا قیام امروہہ میں رہا۔ وہاں کے مدارس کے کتب خانوں میں دینی کتابوں کا ذخیرہ اگرچہ کچھ کم نہ تھا۔ لیکن تعلیم کی غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے تالیف کے لئے وقت نہیں ملتا تھا۔ اس لئے میں نے اپنا ایک سال صرف اس کام کی تکمیل کے لئے خالی کرلیا۔ اور اِدھر اُدھر سے کتابیں جمع کر کے ہمہ تن اس کی

طرف متوجہ ہوگیا۔ چار پانچ مہینے کی مسلسل محنت اور جانکاہی نے کام کو قریب ختم کے پہنچا دیا۔ اور میں کتاب کے اکثر حصہ کی ترتیب اور تشکیل سے بھی فارغ ہوگیا۔

۱۹۳۱ء ستمبر کا مہینہ تھا کہ ایک مناظرہ کے سلسلہ میں مجھے ضلع گجرات (پنجاب) جانا پڑا۔ اور میری غیبت میں میرے مکان سے کتاب کا پورا مسودہ غائب ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مجھے اس کا کس قدر صدمہ ہوا۔ اور میرے دل پر کیا گذری اس کا تحریر میں آنا دشوار ہے ہمت نے اس قدر شکست کھائی کہ اس کے بعد میں نے بار بار اس کو از سر نو لکھنا چاہا۔ لیکن دل و دماغ نے صاف جواب دے دیا۔ اور میں ایک عرصہ تک قلم نہ اٹھا سکا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اعادہ تصنیف سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ حضرت مولانا محمد مرتضیٰ حسن صاحب کو جب اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے اس کو پھر از سر نو لکھنے کا حکم فرمایا۔ میں نے اسی ہمت شکنی اور حوصلہ فگنی کا عذر کیا۔ لیکن ممدوح نے ایک نہ سنی۔ اور فرمایا اللہ کے بھروسہ پر لکھنا شروع کر۔ امتثالاً للامر ۱۳۵۱ھ میں میں نے پھر اس کو لکھنا شروع کیا۔ اور الحمد للہ تعالیٰ کہ اس کے فضل و کرم سے ۱۳۵۲ھ میں وہ دوبارہ مکمل ہوگئی۔ اس مرتبہ مضامین میں کچھ اضافہ بھی ہوگیا۔ اور پوری کتاب کا مسودہ فلس کیپ سائز کے قریباً آٹھ سو صفحات پر ختم ہوا۔ اللہ کی شان ہے کہ ۱۳۴۴ھ میں دار العلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ میں جب پہلی مرتبہ میں نے اس کو لکھنا شروع کیا تھا۔ تو اسی وقت اس کا نام "بوارق الغیب" تجویز کیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۴۷ھ کی بعض مطبوعہ تحریروں میں بھی میں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان تمام حوادث کے بعد ۱۳۵۲ھ میں جب دوبارہ کتاب تکمیل کو پہنچی اور میں نے بحساب جمل "بوارق الغیب" کے اعداد شمار کئے۔ تو ۱۳۵۲ھ ہی آئے اس حسن اتفاق پر مسرت ہوئی اور دل نے کہا۔

الاسماء تنزل من السماء۔

تکمیل تالیف کے بعد طباعت کا مرحلہ سامنے آیا اور اندازہ کیا گیا کہ کم از کم ڈیڑھ ہزار روپیہ اس کی طباعت کے لئے چاہیئے۔ اس تخمینہ کے بعد اس کی طباعت

اور اشاعت سے قطعی مایوس ہو گیا۔ اور میں نے سمجھا کہ میری یہ ساری محنت بس میرے ہی پاس رہے گی۔

یہاں تک کہ اسی سال کے آخر میں الفرقان کے اجراء کا خیال پیدا ہوا۔ اور محرم ۵۳ھ سے متوکلاً علی اللہ اس کو جاری بھی کر دیا گیا۔ اور یہ ارادہ کیا گیا کہ "بوارق الغیب" قسط وار اسی میں شائع کی جائے۔ بعض احباب نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ اور یہ رائے دی کہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ اس کو علیحدہ مستقل کتاب ہی کی شکل میں شائع کیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ مناسب یہی تھا۔ چنانچہ اسی کش مکش میں ایک سال سے بھی کچھ زیادہ نکل گیا۔ اور پھر بھی اس کی علیحدہ طباعت کی کوئی صورت نہیں پیدا ہو سکی۔ مجبوراً اپنی پہلی ہی تجویز کے مطابق جمادی الاولیٰ ۵۴ھ سے اس کو "الفرقان" ہی میں باقساط شائع کرنا شروع کر دیا گیا۔ اور ذیقعدہ ۵۶ھ میں اس کا یہ پہلا حصہ بعونہٖ تعالیٰ مکمل ہوا۔

رسالے کے ساتھ ساتھ کچھ علیحدہ بھی فرمے اٹھوا لیئے گئے تھے۔ اس وقت وہی یکجا کر کے کتابی شکل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ اسی لئے جا بجا آپ عنوان میں "بوارق الغیب" کی تکرار دیکھیں گے۔ لیکن مضمون بالکل مسلسل ہے۔ آپ عنوان سے قطع نظر کر کے بس مضمون کو مسلسل ملاحظہ فرماتے جائیے۔!

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔
محرم ۵۷ھ

راقم۔ قاری عبد السلام قاسمی دار الخطاطی ملتان شہر

دسمبر ۱۹۷۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ المتعزز بالعزۃ والعظمۃ والجلال۔ المتوحد باحدیۃ الذات المتفرد بصفات الکمال۔ المنزہ عن سمات العجز والنقص وامارات الزوال۔ المتعالی عن الاشباہ والاکفاء والامثال۔ ھو الذی یصرف الاحوال ویخفف الاثقال۔ بیدہ ملکوت السموٰت والارض ینزل الارزاق ویقدر الآجال۔ ویرسل الصواعق فیصیب بھا من یشاء وھم یجادلون فی اللہ وھو شدید المحال۔ یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ عالم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال۔ نشھد انہ لا الٰہ الا ھو۔ ولا یعلم الغیب الا ھو۔ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد ولا نستعین الا ایاہ۔ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ المشرکون۔ ونشھد ان سیدنا ونبینا وحبیبنا وحبیب ربنا ومولٰنا محمدًا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالحق الی کافۃ الناس بشیرا ونذیرا وداعیا الیہ باذنہ وسراجا منیرا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا) اللّٰھم انا نسئلک حبک وحب رسولک وحب عمل یبلغنا الی حبک۔ اللّٰھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالین ولا مضلین سلما لاولیائک

عدو الاعدائك نحبّ بحبك من احبك ونعادی بعداوتك من خالفك۔ اللّٰهم هذا الدعاء وعلیك الاجابة ومنی الجهد وعلیك التکلان وانت المستعان۔

تمہید

اب سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس پہلے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے متعلق فرمایا تھا۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع الحدیث۔ (رواہ البخاری و مسلم عن ابی سعید رضی اللہ عنہ)

تم لوگ ضرور بالضرور پیروی کرو گے اگلی امتوں (یعنی یہود و نصاریٰ) کی بالشت برابر بالشت اور ہاتھ برابر ہاتھ (یعنی بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے۔)

جس ماحول میں زبان وحی ترجمان سے یہ پیشین گوئی صادر ہوئی تھی۔ اس وقت بظاہر حالات یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کہ کبھی امت محمدیہ میں بھی وہ گمراہیاں راہ پا سکیں گی جن کا شکار یہود و نصاریٰ ہوئے۔ لیکن گردشِ ایام نے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد اس پیشین گوئی کے دونوں رُخ دنیا کے سامنے پیش کر دیئے۔ خیر القرون کے گزرتے ہی امت میں فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے کسی نے تفریط میں یہودیوں کی روش اختیار کی اور کوئی غلو اور افراط میں نصاریٰ کے قدم بقدم چلا۔ پھر جوں جوں عہدِ رسالت سے دوری ہوتی گئی ان نئے فتنوں نے کی پیداوار بھی بڑھتی گئی۔ اور آج تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے کہیں بہاء اور باب ایرانی کی جھوٹی نبوت کے چرچے ہیں۔ تو کہیں مسیلمہ پنجاب مرزا قادیانی کی رسالت کے بلند بانگ دعوے۔ اگر ایک طرف عبد اللہ چکڑالوی اور اس کے کمترین چیلے سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی خصائص اور نفس الامری فضائل سے انکار[1] کر کے آپ کی عصمت اور وجوب اطاعت سے انکار کر رہے ہیں۔ اور معاذ اللہ آپ کو اپنا جیسا خطا کار اور معمولی انسان بتلا رہے ہیں تو دوسری طرف بعض گمراہ آپ کو

[1] (حاشیہ صہ ۸ پر دیکھئے)

مسندِ کن فیکون پر بٹھا کر خدائی اختیارات سونپ رہے[1] ہیں۔ کھلے لفظوں میں آپ کی بشریت سے انکار کیا جا رہا ہے۔ آپ کو خزائن الٰہی کا مالک و مختار متصرف فی الاکوان اور عالم الغیب بتلایا جا رہا ہے اور بعض کورنجتوں نے تو آپ کو بعینہٖ خدا بنا دیا - اور یہاں تک کہہ گزرے کہ۔

۵ وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

اور پھر غضب یہ ہے کہ ان اختراعیات کو (جو سراسر تعلیمات اسلام کے مزاحم اور مناقض ہیں) ضروریات دین کا درجہ دے کر اور ان پر محبت حضرت رسالت کا رنگ

صفحہ نمبر۷ سے [1] چکڑالوی صاحب کے نئے چیلے کمترین امرتسری اپنے اشتہار "خالق اور مخلوق کی اطاعت میں فرق" محررہ یکم نومبر ۱۹۳۰ء میں لکھتے ہیں۔ کہ "نبی کو اصل مطاع بالغیر کہنا بھی شرک ہے" (معاذ اللہ) اسی طرح اس فرقہ کے بانی اوّل عبداللہ چکڑالوی نے لکھا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اعتقاد کفر و شرک ہے (العیاذ باللہ) اخبار بلاغ امرتسر جو اس گمراہ فرقہ کا آرگن ہے اس میں آئے دن حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت اور وجوب اطاعت کے خلاف مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جنہیں زور شور سے بیان کیا جاتا ہے کہ "معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام میں یہ یہ کوتاہیاں اور کمزوریاں تھیں۔" (والعیاذ باللہ رب العالمین) ۱۲

[1] مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے رسالہ برکات الامداد میں لکھتے ہیں۔ کہ حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی مرادیں سب حضورؐ کے اختیار میں ہیں۔ ص۸

ناظرین خانصاحب کی اس عبارت کو دیکھیں اور اُسی کے ساتھ قرآن کریم کی ان تصریحات کا مطالعہ کریں۔

قل انی لا املك لكم ضرا ولا رشدا قل لا اقول لكم عندی خزائن الله قل لا املك لنفسی	اے رسولؐ آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نقصان اور فائدہ کا مالک و مختار نہیں ہوں اے رسول آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے

چڑھا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور نہ ماننے والوں کو کافر و ملحد و دشمن رسول بتلایا جا رہا ہے۔ گویا ان ہی باتوں پر محبت نبوی کا مدار ہے۔ اور یہی وہ اصول دین و ارکان اسلام اور مہمات عقائد ہیں۔ جن کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے۔ فیالیتنی مت قبل ھٰذا وکنت نسیا منسیاط

یوں تو ان فتنوں کی فہرست بہت طویل ہے اور ان میں سے ہر ایک فتنہ بجائے خود دین الٰہی میں عظیم الشان رخنہ ہے۔ لیکن بعض حیثیات سے فتنۂ علم غیب کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ وہ نہایت خطرناک ہے۔

اس مسئلہ کے ظاہری عنوان میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے اور آپ کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کے کمال کا اعتراف ہے۔ اس لئے عوام مسلمین اپنی والہانہ عقیدت اور غیر آئینی جوشِ محبت کے باعث جلدی اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور ناواقفی کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتے۔ کہ جس کو وہ اعترافِ عظمت اور انتہائے عقیدت سمجھتے ہیں۔ فی الحقیقت وہ معصیت اور بغاوت ہے۔ اور جس کو انہوں نے بارگاہِ رسالت کے تقرب کا ذریعہ سمجھا ہے۔ وہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری اور آپ کے دامنِ رحمت سے دوری کا سبب ہے۔

نصاریٰ نے ایسی ہی غیر آئینی محبت کے جذبہ میں اللہ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کو صفاتِ خداوندی میں شریک فرمان لیا۔ اور سمجھے کہ ہم نے خدا کے لاڈلے پیغمبر کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور اس کی وجہ سے مسیح اور ان کا خدا ہم سے بہت زیادہ راضی ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۸)

نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ۔ پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اے رسول آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات خاص کے لئے (بھی) نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو خدا چاہے (وہی ہوتا ہے۔)

لیکن خدا کی آخری کتاب قرآن مجید شاہد ہے۔ کہ ان کی یہی گمراہیاں (جس کی بنیاد بظاہر جذبہ محبت پر تھی) اُن کے مبغوض اور مردود ہونے کا باعث بنی۔

اسی طرح غلاۃ روافض نے اسی جوشِ محبت کے ماتحت ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمیع ماکان ومایکون کا عالم[1] اور اختیارات کن فیکون کا مالک مانا۔ اور بعض بدبختوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خدائی کے مرتبہ تک پہنچا دیا اور اسی کو انہوں نے محبت اہل بیت کا مقتضا اور تعظیم وتکریم کا منتہا سمجھا۔ لیکن اسلامی تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ان مدعیان محبت کو آگ کے بھڑکتے شعلوں میں ڈلوا کر دنیا کو بتلا دیا کہ ہماری جو محبت خدا کی بغاوت پر مبنی ہو اس کی سزا آگ کے بھڑکتے شعلے ہیں۔

ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔

بہر حال جس طرح محبت عیسوی کے پردہ میں الوہیت مسیح کے عقیدہ نے نشو ونما پایا اور جیسے کہ حب اہل بیت کے نام پر رفض کو ترقی ہوئی اسی طرح حب نبوی اور عشق رسالت کا رنگ دے کر مسئلہ علم غیب کو بھی فروغ دیا جا رہا ہے۔ اور بیچارے عوام محبت کا ظاہری عنوان دیکھ کر برابر اس پر ایمان لا رہے ہیں ایسی ہی گمراہیوں کے سدباب کے لئے حضور نے فرمایا تھا۔

---

[1] سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی روافض کے عقائد باطلہ کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں۔ ومن ذلک ان الامام یعلم کل شئ ماکان ومایکون من امر الدنیا والدین حتی عدد الحصی وقطر الامطار وورق الاشجار۔ غنیۃ الطالبین۔ ص۱۹۹۔

ترجمہ۔ اور ان کے عقائد باطلہ میں سے یہ ہے کہ۔ جو کچھ ہو چکا یا آئندہ ہوگا۔ اس سب کو ائمہ جانتے ہیں خواہ وہ دنیا کے متعلق ہو یا دین کے۔ حتی کہ زمین کی کنکریوں، بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد بھی جانتے ہیں۔ درحقیقت رضاخانیوں کا عقیدۂ علم غیب بھی رافضیت کے اسی عقیدہ کی صدائے بازگشت ہے۔ ۱۲ غفرلہٗ

لا تطروني كما اطرأت[عه] النصارى عيسى بن مريم الحديث — تم مجھ کو حد سے نہ بڑھانا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ کیا۔

ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

لا ترفعوني[۱] فوق حقي فان الله تعالیٰ قد اتخذني عبدا قبل ان يتخذني رسولا۔ — تم مجھ کو میرے اصلی مرتبہ سے مت بڑھاؤ۔ حق تعالیٰ نے مجھے رسول قرار دینے سے پہلے اپنا بندہ بنایا ہے۔

اور ایک موقع پر جب کہ بعض صحابہؓ سے آپ کی شان میں کچھ بے اعتدالی ہوگئی تو ارشاد فرمایا۔

لا يستهوينكم الشيطٰن انا محمد بن عبد الله ورسوله۔ ما احب ان ترفعوني فوق منزلتي التي انزلني[۲] الله — لوگو! تمہیں شیطان گمراہ نہ کردے میں محمد ابن عبداللہ ہوں۔ خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ کو میرے اس مرتبہ سے اوپر اٹھاؤ جہاں خدا نے مجھ کو رکھا ہے۔

ایک دفعہ بعض بچیوں نے آپ کی شان پاک میں یہ کلمات کہہ دیئے۔

وفينا نبي يعلم ما في غد — اور ہم میں ایک ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتیں جانتے ہیں۔

تو فوراً آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

عہ۔ مجمع الفوائد۔ صنہ ۱۵۰۔

۱ رواه الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن علی بن الحسین عن ابیہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ کنز العمال جلد دوم صہ ۱۳۲

۲ رواه احمد وعبد بن حمید وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ عنہ کنز العمال صہ ۱۳۲ ج ۲۔

دعی هذا او قولی ماکنت تقولین لایعلم مافی غدالا اللّٰه[1]۔ (ابن ماجہ)	یہ نہ کہو بلکہ جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو۔ آیندہ باتوں کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ذات شریف کے متعلق کبھی ایسے الفاظ بھی پسند نہیں فرمائے جن میں افراط کا شائبہ بھی ہو بلکہ اس کے متعلق آپ نے پوری پوری روک تھام فرمائی۔ لیکن اللہ کی شان ہے کہ آج آپ ہی کے امتی اور آپ ہی کی محبّت کے مدعی آپ کی مقرر کردہ حدود کو توڑ رہے ہیں۔ اور کھلے بندوں آپ کو عالم الغیب کہہ رہے ہیں اور نصاریٰ کی طرح اسی غلو اور افراط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رضامندی اور قرب خصوصی کا باعث سمجھ رہے ہیں۔ انہیں اسیران جہالت اور گرفتاران ضلالت کے متعلق علاّمہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے ارقام فرمایا ہے۔

ولا ریب[2] انہ الجاھم علی هذا الغلو اعتقاد ھم انہ یکفر عنھم سیأتھم ویدخلھم الجنۃ وکلما غلوا کانوا اقرب الیہ فھم اعصی الناس لامرہ واشد ھم مخالفۃ لسنتہ فیھم شبہ ظاھر من	اور بے شک ان لوگوں کو اس گمراہی پر ان کے اس خیال نے مجبور کیا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ان کے سامنے کفارہ سیّات بن جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ جنت میں پہنچ جائیں گے اور جس قدر بھی وہ حضور کی شان بڑھائیں گے اُسی قدر آپ کا تقرب حاصل ہو گا۔ درحقیقت یہ لوگ حضور کے سب سے زیادہ

[1] رواہ ابن ماجہ۔ ۱۲

[2] علاّمہ علی قاری کی یہ عبارت خاص انہیں لوگوں کے حق میں ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط مانتے ہیں۔ پوری عبارت کئی صفحوں میں ہے جو آئندہ اپنے موقع پر انشاءاللہ نقل کی جاوے گی۔ ۱۲ منہ۔

النصارىٰ غلوا على المسيح اعظم الغلو فخالفوا شرعه ودينه اعظم المخالفة۔
موضوعات کبیر صد ۱۱۹، ۱۲۰

نافرمان ہیں اور آپ کی سنت کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ ان میں نصاریٰ کی ظاہر باہر مشابہت ہے۔ انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بڑے غلو سے کام لیا اور ان کی شریعت اور اُن کے دین کے بالکل خلاف عقیدے قائم کر لئے۔ (اسی طرح یہ لوگ بھی کر رہے ہیں)

بہرحال چونکہ عقیدہ علم غیب کا یہ زہر محبّت کے دودھ میں ملا کر امت کے حلق سے اتارا جا رہا ہے۔ اس لئے یہ اُن تمام گمراہانہ اعتقادات سے زیادہ خطرناک اور توجہ کا محتاج ہے۔ جن پر محبّت اور عقیدت کا ملمع نہیں کیا گیا۔ پھر اس کی حمایت میں حامیان بدعت اور داعیان ضلالت کے لاتعداد رسالوں نے مطلع کو اور بھی زیادہ تاریک کر دیا ہے۔ اس وقت تک میری نظر سے اس موضوع پر ان لوگوں کے جو رسالے گذر چکے ہیں۔ ان کی تعداد غالباً پچاس ساٹھ سے کم نہ ہوگی۔ اِدھر علمائے اہل سنت نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مسئلہ بالکل ظاہر البطلان ہے۔ اس کی طرف بہت کم توجہ فرمائی اور اگر کسی نے لکھا بھی تو قدر ضرورت پر اکتفا کیا۔ اور کبھی اُس کے اطراف وجوانب کے احاطہ کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ جس سے عوام الناس کے مغالطہ کو اور بھی زیادہ تقویت ہوئی۔

اب بعض اکابر امت کے ایما سے اس ناچیز نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ حق تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ انصاف اور حق پرستی کی توفیق عطا فرمائے اور اعتساف وتعصب سے بچائے۔

انه على كل شئ قدير وبالاجابة جدير. اللّٰهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه آمين۔

اس کتاب (بوارق الغیب) کی دو۲ جلدیں ہوں گی۔ پہلی جلد میں اہل سنت

کے دلائل ہوں گے اور دوسری جلد میں مخالفین کے دلائل پر تنقید. پہلی جلد میں ایک مقدمہ ہوگا۔ اور تین باب، مقدمہ میں کچھ اہم اور ضروری انتباہات کے علاوہ موضوع بحث کی تنقیح اور منشاء نزاع کی تعیین کی جائے گی۔ پہلے میں صرف قرآن مجید سے غیبیہ عقیدہ کے خلاف ثبوت پیش کیا جاوے گا اور دوسرے باب میں صرف احادیث نبویہ سے اور تیسرے باب میں صحابہ وتابعین ودیگر سلف صالحین، ائمہ عظام اور صوفیائے کرام کے اقوال سے مسلک کی تائید پیش کی جائے گی۔ اسی طرح دوسری جلد میں بھی انشاء اللہ تین باب ہوں گے۔ اور ایک خاتمہ۔ والامر بید اللہ تعالیٰ وھوالموفق۔

مقدمہ

جس شخص نے صرف قرآن عزیز کا سرسری نظر سے مطالعہ بھی کیا ہو گا۔ وہ اس حقیقت سے ناواقف نہ ہو گا۔ کہ جس طرح مقبولین بارگاہِ خداوندی (حضرات انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام) کی شان میں گستاخی اور ان کی عداوت باعثِ شقاوت و ہلاکت ہے۔ اسی طرح ان حضرات کے بارہ میں غلو اور افراط یعنی ان کو ان کے منصب اصلی سے اٹھا کر صفات خداوندی میں شریک کرنا اور اُن کے لئے وہ اوصاف و کمالات ثابت کرنا جو درحقیقت ان کو عطا نہیں فرمائے گئے تھے یہ بھی ضلالت اور گمراہی ہے۔

یہود اگر اس وجہ سے مستحق لعنت ہوئے کہ انہوں نے اللہ کے ایک اولوالعزم رسول (حضرت مسیح علیہ السلام) اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ مریم کی شان پاک میں گستاخیاں کیں اور اُن پر ناپاک بہتان باندھے تو نصاریٰ صرف اس وجہ سے مردود ہوئے کہ انہوں نے اللہ کے اس رسول کو اس کے حقیقی منصب سے اٹھا کر بعینہٖ خدا یا خدا کا شریک بنا دیا۔ قرآن حکیم نے ان کی اس بے راہ روی پر نہایت عتاب آمیز انداز میں کفر کی فردِ جرم لگائی ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ هو المسیح ابن مریم۔	یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے مسیح ابن مریم کو خدا مانا۔
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثة وما من الٰہ الا الٰہ واحد۔ وان لم	بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے تین خدا ماننے حالانکہ ایک اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اگر وہ لوگ

ينتهوا عما يقولون ليمسن	اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے۔ تو ان
الذين كفروا منهم عذاب	کافروں کو نہایت دردناک عذاب
اليم (پ ٦)	پہنچے گا۔

پس ارباب ضلالت کا یہ خیال کہ مقبولین بارگاہِ الٰہ کی شان میں ہر وہ عقیدہ قائم کرنا درست ہے۔ جس سے ان کا مرتبہ بڑھتا ہو۔ (اگرچہ اس کے لئے کوئی نص شرعی موجود نہ ہو) اور جس قدر بھی ان کا مرتبہ بڑھایا جائے گا۔ اسی قدر ہم کو ان کی اور ان کے خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ (غرض یہ خیال) سراسر جہالت اور ضلالت ہے۔

مقربین بارگاہِ خداوندی کے حق میں مومن کا طرزِ عمل نہایت محتاطانہ اور معتدلانہ رہنا چاہیئے۔ کہ اُن کے حق میں افراط و تفریط دونوں باعث ہلاکت ہیں۔

یار کا پاسِ ادب اور دل ناشاد ہے نالہ تھمتا ہوا رکتی ہوئی فریاد رہے

پس جب کہ افراط بھی تفریط کی طرح گمراہی ہے۔ تو جس طرح تفریط کے سدباب کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ مقربین بارگاہِ خداوندی کے حقیقی اور واقعی کمالات کی نشر و اشاعت کر کے دنیا کو ان کے فضائل اور مراتب عظیمہ سے واقف کیا جائے اور ان کی اطاعت و محبت کی دعوت دی جائے۔ اسی طرح فتنہ افراط کے انسداد کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے۔ کہ خاصانِ خدا کے بارہ میں حدود اللہ سے جو تعدیاں غالین اور مفرطین نے کی ہوں۔ ان کی بھی اصلاح کی جائے اور مقربین کا حقیقی منصب اور واقعی مرتبہ دنیا کو بتلایا جائے۔ اسی لئے قرآن عزیز نے یہود کی تفریط اور حضرت مسیح کے بارہ میں ان کی گستاخیوں کی تردید کے لئے جہاں حضرت مسیح ابن مریم کا مقرب نبی اور ذی عزت رسول ہونا بیان فرمایا ہے وہیں نصاریٰ کی افراط کی اصلاح کے لئے حضرت مسیح کا عبداللہ اور مملوک و مخلوق خدا ہونا بھی ظاہر کیا ہے۔ وہ اگر ایک طرف یہ کہتا ہے کہ۔

حضرت عیسےٰ ہمارے سچے رسول ہیں اور ان کی ذات ہماری قدرت کی

نشانیوں میں سے ایک زبردست نشانی ہے۔ اور ان کو ہم نے بن باپ کے محض اپنے حکم سے پیدا کیا تھا۔ اور ان کو بڑے بڑے معجزے دیئے تھے۔ اور یہود ان کی شان میں گستاخیاں کر کے لعنتی ہو گئے۔

تو دوسری طرف وہ صاف صاف یہ بھی کہتا ہے۔ کہ
مسیح ابن مریم کو خدا یا شریک خدا کہنے والے کافر ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مسیح اور ان کی ماں کو (جن کو یہ گمراہ شریک خدائی سمجھتے ہیں) ہلاک کرنا چاہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ وہ جس طرح ساری کائنات کا مالک ہے۔ اسی طرح مسیح اور مریم کا بھی، اور یہ اُس کے مملوک و مخلوق ہیں۔

کبھی وہ حضرت مسیح کی عبدیت پر اس طرح صاف صاف تصریح کرتا ہے۔

لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ۔	مسیح کو خدا کے بندے بننے سے ہرگز عار نہیں۔

اور کبھی وہ نصاریٰ کی گمراہی بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح اور ان کی والدہ ماجدہ کا حقیقی منصب اس طرح بیان کرتا ہے۔

ماالمسیح ابن مریم الارسول قدخلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانایاکلان الطعام۔	مسیح ابن مریم بس خدا کے ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں۔ وہ دونوں تو کھانا کھایا کرتے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ جو کھانا کھا دے گا وہ کھانے کا اور پھر اس کی وجہ سے تمام ان چیزوں کا محتاج ہو گا۔ جن کی ضرورت کھانے کے مہیا کرنے میں ہوتی ہے۔ وہ زمین کا محتاج ہو گا۔ کہ زمین اس کے لئے غلہ اگائے۔ وہ پانی کا محتاج ہو گا۔ کہ پیداوار ہو سکے۔ وہ ہوا کا محتاج ہو گا کہ غلہ کو تیار کر سکے۔ وہ آگ کا محتاج ہو گا۔ کہ کھانا پک سکے۔ پس جو شخص کھانا کھاتا ہو وہ کبھی الٰہ نہیں ہو سکتا کہ الوہیت کا اجتماع احتیاج کے ساتھ محال ہے۔

بہرحال قرآن کریم نے جس طرح تفریط کے مٹانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح اس نے افراط کے فنا کرنے کے لئے بھی پورا اہتمام کیا ہے۔

پس ناآشنایان حقیقت کی یہ کتنی بڑی گمراہی ہے کہ وہ خاصان خدا (انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام) کے بارے میں ہر قسم کی افراط کو محمود اور موجب تقرب سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی حق پرست اس کے خلاف کوئی لفظ منہ سے نکالے اور ان کے غالیانہ عقائد کا رد کرتے ہوئے اُن مقدسین کے حقیقی منصب کو بیان کرے تو یہ کوربخت اس کے اس فعل کو توہین اور تنقیص کہتے ہیں حالانکہ بیان منصب اور توہین میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ قرآن کریم جابجا انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ ان کا حقیقی منصب بھی بیان کرتا ہے۔ اور گمراہ امتوں نے اُن کے بارہ میں غلو کرکے جو ٹھوکریں کھائی ہیں وہ اُن کا بدانجام بھی بتلاتا ہے۔

پس اگر یہ بیان منصب ہی توہین ہے تو کیا (عیاذاً باللہ) قرآن کریم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو "عبد" "مخلوق و مملوکِ خداوندی" "آکل طعام" (یعنی کھانے پینے والے انسان) بتلاکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر مثلکم کہہ کر خدا کے ان باعظمت اور ذی عزت رسولوں کی توہین کررہا ہے ؟ معاذ اللہ منہ۔ افسوس یہ گمراہی اس امت میں ہے جس کو قرآن عزیز نے امت وسط کہا تھا۔ اور جو دنیا میں اسی لئے آئی تھی کہ افراط و تفریط کو مٹاکر سارے عالم کو اعتدال کے راستہ پر لائے :

كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله (پ ۴)

(۲)

اللہ تعالیٰ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے ہمارے اسلاف پر انہوں نے امت کو اس فتنۂ افراط سے بچانے کے لئے جدوجہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور جب کبھی اس مرض کا خطرہ محسوس کیا فوراً احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ اگر خدانخواستہ وہ بھی اس معاملہ میں تساہل اور تغافل سے کام لیتے تو یقیناً آج امت مرحومہ کا وہی حال ہوتا جو دوسری امتوں کا ہو چکا ہے۔

اُف، وہ کیسا نازک وقت تھا کہ آقائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے رحلت فرمائی۔ فرط حزن اور شدت غم سے بہت سے صحابہؓ کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ یہاں تک کہ بعض جلیل القدر صحابہ کرام سرے سے وفات نبوی ہی کے منکر ہو گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ "اگر کوئی کہے گا کہ حضورؐ کی وفات ہوگئی تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا" افضل امت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ حال دیکھا فوراً مسجد نبوی میں تشریف لائے لوگوں کو جمع کیا۔ اور ممبر پر کھڑے ہو کر حمد وصلوٰۃ کے بعد اس طرح خطبہ دینا شروع کیا۔

من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی	لوگو۔! جو تم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا ہو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضور وفات پا گئے اور جو خدائے واحد کے پرستار ہیں وہ یقین رکھیں کہ خدا ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور اس کو کبھی فنا نہیں۔ دیکھو! قرآن عزیز صاف صاف کہہ رہا ہے۔ محمد بس ایک رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائیں

اللہ الشاکرین۔ یا شہید کر دیئے جائیں تو تم کیا اِن کے دین
(بخاری) سے) لوٹ جاؤ گے؟۔ اور جو ان کی
ملت سے پھر کر) مرتد ہو جائے تو وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اللہ
تعالیٰ شکر گذاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔)

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خطبہ دیا ہے
ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

یہ کیا تھا۔؟ درحقیقت یہ بیانِ منصب ہی تھا۔ جس کے ذریعہ سے حضرت
صدیق اکبر نے بہت سے گرتوں کو تھام لیا۔ اور لوگوں کو بتلا دیا کہ سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی خدا کی طرح دائمی اور ابدی نہیں۔ بلکہ دوسرے انبیاء علیہم
السلام کی طرح آپ بھی وفات پا گئے۔

پس جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ کے اس خطبہ کے متعلق اعداءِ صحابہ کا یہ کہنا
کہ (معاذ اللہ) اس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور آپ کے
منصبِ عظیم کی تنقیص ہے۔ ایک کھلی شیطنت ہے۔ اسی طرح حضور اقدس
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علمِ غیب محیط یا علمِ جمیع ماکان ومایکون کے انکار اور آپ
کی بشریت کے اثبات کی وجہ سے علماءِ اہل سنت کے متعلق اہل بدعت کا یہ
پروپیگنڈہ کہ (معاذ اللہ) یہ لوگ حضور کی توہین و تنقیص کرتے ہیں۔ ایک کھلی
ضلالت بلکہ نہایت ذلیل شرارت ہے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

حضور آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف اور واقعی کمالات کا
انکار بے شک آپ کی تنقیص اور انتہا درجہ کی بے ایمانی ہے۔ اور آپ کی اہانت بلکہ
آپ کی شانِ اقدس میں ادنیٰ گستاخی کفر اور اشد کفر ہے۔ لیکن تصریحاتِ کتاب و
سنت کے خلاف اربابِ ضلالت آپ کی شان میں جو افراط اور غلو کریں۔ اس
کا رد و انکار عینِ ایمان اور فریضۂ اسلام ہے۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیشین گوئی ہے۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين۔	ہر قرن کے عادل اور ثقہ لوگ اس علم دین کے حامل ہوں گے جو غالیوں کی تحریفات، اہل باطل کے غلط دعاوی اور جاہلوں کی بے جا تاویلات کو اس سے رد کریں گے

(رواہ البیہقی فی المدخل مرسلاً)

پس اہل بدعت کے غالیانہ عقائد کے استیصال کے لئے علمار اہل سنت کی جدوجہد اسی پیشین گوئی کی عملی تفسیر اور اسی ارشاد نبوی کی تعمیل ہے۔ اور یہ ناچیز اس موقعہ پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہے اس کا منشا اور مقصد بھی صرف یہی ہے کہ اس بارہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی صحیح تعلیمات دنیا کو پہنچا دی جائیں اور ارباب ضلالت نے اس باب میں جو غلو اور افراط کیا ہے اس سے بھی امت کو آگاہ کر دیا جائے۔

ان اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله و هو حسبي و نعم الوكيل۔

منشار نزاع کی تعیین

اس مسئلہ کے معروف و مشہور دو عنوان ہیں۔ "علم غیب" اور "علم جمیع ماکان و مایکون" اور دونوں اپنی جگہ پر مبہم ہیں۔

چنانچہ لفظ "علم غیب" کے تقریباً تین محامل خود فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی کتاب "تمہید ایمان" میں بیان کئے ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی معنے ہو سکتے ہیں۔ جن میں سے بعض کا اعتقاد سب کے نزدیک کفر ہے۔ اور بعض کا سب کے نزدیک واجب اور ضروری، اور بعض کا مختلف فیہ، علی ہذا "ماکان و مایکون" کے الفاظ بھی اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے دنیا اور آخرت کی تمام کائنات کو شامل ہیں۔ حالانکہ سب مدعیان علم غیب بھی اس عموم کے قائل نہیں،

جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مفصل معروض ہوگا۔

بہرحال یہ دونوں عنوان مبہم ہیں اور بیان مراد میں ناکافی، اور ان عنوانوں کے اسی ابہام کی وجہ سے خود مدعیان علم غیب کے بیانات میں بھی تعارض اور تناقض ہوگیا۔

۱۔ ان میں سے بہت سے جاہل واعظ تو اپنے وعظوں میں بلا استثنا تمام غیوب کا علم حضورؐ کے لئے ثابت کرتے ہیںؑ۔

۲۔ بعض صرف ذات وصفات خداوندی کا استثناء کر دیتے ہیں۔

۳۔ اور بعض تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کے علم محیط کے مدعی ہیںؑ۔

۴۔ اور جو زیادہ تجربہ کار اور ہوشیار ہیں۔ وہ صرف ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک کا علم محیط مانتے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب جو اس طبقہ میں یقیناً علمی برتری رکھتے ہیں۔ انہوں نے جہاں کہیں اس مسئلہ کی تقریر فرمائی ہے۔ وہاں ان دونوں حدود کو بصراحت ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ "انباء المصطفے" ص۳ پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حق تعالےٰ نے "روز اول سے روز آخر تک کا سب" ماکان ومایکون" انہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

نیز۔ اسی انباء المصطفےٰ ص۴ پر بھی انہوں نے "ماکان ومایکون" کے ساتھ "الی یوم القیٰمۃ" کی قید لگا دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

> ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الیٰ یوم القیٰمۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔

ع۔ اسی اثر سے عوام مبتدعین بھی عام طور پر یہی اعتقاد رکھتے ہیں ۱۲ع مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی غالباً اسی کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ الکلمۃ العلیا ص۳ ۱۲۔

"جمیع مندرجات لوح محفوظ" درحقیقت " ماکان و مایکون" الیٰ یوم القیمۃ" ہی کی تفسیر ہے چنانچہ خود فاضل موصوف الدولۃ المکیۃ ص۳۳ پر فرماتے ہیں۔

وقد بین صحاح الاحادیث ان اللوح مکتوب فیہ کل کائن من اول یوم الی الیوم الآخر بل الی دخول اھل الدارین منازلھم وھو المعبر عنہ بماکان وما یکون۔

اور یہ بات صحیح حدیثوں نے بیان کردی ہے کہ لوح محفوظ میں تمام وہ باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ جو روز اول سے روز آخر تک ہونے والی ہیں بلکہ اہل جنت کے داخلہ جنت اور اہل نار کے داخلہ نار تک کے واقعات لکھے ہوئے ہیں اور اسی کو ماکان ومایکون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نیز۔ اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

وقد علمت ان مقصودنا احاطۃ ماکان ومایکون المثبت فی اللوح المحفوظ وھو شیٔ متناہ۔

تم کو ہمارے پہلے بیان سے معلوم ہوچکا ہے کہ ہمارا مقصد صرف اس ماکان و مایکون کا احاطہ ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ اور وہ ایک محدود چیز ہے۔

بہرحال ان کا دعویٰ صرف قیامت تک کے علم محیط کا ہے۔ اس کے بعد آخرت میں جو کچھ ہونے والا ہے اور جنت و دوزخ میں ابدالآباد تک جو کچھ ہو گا۔ وہ ان کے اس اصطلاحی ماکان ومایکون سے خارج ہے۔ اور اس کے متعلق ان کا یہ دعوی نہیں کہ وہ سب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہے، چنانچہ یہی فاضل بریلوی الدولۃ المکیۃ ص۲۷ پر تصریح فرماتے ہیں۔

ومعلوم ان ماکان ومایکون بالمعنی المذکور المثبت کلہ فردا فردا تفصیلا تاما فی اللوح المحفوظ لیس الا

کہ ماکان ومایکون بمعنی مذکور جو پوری تفصیل کے ساتھ فرداً فرداً لوح محفوظ میں ثبت ہے وہ صرف دنیا ہی ہے کیونکہ آخرت تو قیامت کے بعد ہے۔

الدنیا فان الآخرۃ بعد الیوم الآخر۔

فاضل بریلوی کی ان تمام تصریحات سے ان کا جو مسلک منقح ہوا وہ یہ ہے۔ کہ "ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر ہنگامہ محشر (حساب وکتاب وغیرہ) کے اختتام یا بالفاظ دیگر داخلہ جنت ونار تک کے تمام واقعات جزئیہ وکلیہ دینیہ ودنیویہ کا علم تفصیلی محیط حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔"

اور ظاہر ہے کہ یہ مجموعہ محدود بین الحدین اور محصور بین الحاصرین ہے۔ آفرینش عالم سے پہلے حق تعالیٰ کی ذات اس کی شیون وصفات اور اس کے غیر متناہی جلوے موجود تھے۔ ان کے متعلق ان حضرات کا یہ دعویٰ نہیں ہے۔ کہ ان سب کا علم محیط بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ علیٰ ہذا قیامت کے بعد جنت اور دوزخ باذن اللہ تعالیٰ ابدالآباد تک جو کچھ آباد رہیں گی۔ نہ جنتی فنا ہوں گے نہ جنت، نہ ناریوں کا خاتمہ ہوگا نہ نار کا۔ پس وہاں ابدالآباد تک جو کچھ ہوگا۔ اس کے متعلق بھی ان کا یہ دعویٰ نہیں ہے۔ کہ وہ سب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے۔ بلکہ ان کا دعویٰ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ صرف ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر قیامت تک کے معلومات کا ہے۔

اس کے بعد ایک چیز اور تنقیح طلب رہ جاتی ہے۔ کہ وہ اس علم کا حصول حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کس وقت ملتے ہیں۔؟ اس میں بھی مثبتین علم غیب نے عجیب خبط کیا ہے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور جس وقت شکم مادر میں تھے۔ اسی وقت ہی آپ کو یہ ماکان ومایکون کا علم حاصل ہو چکا تھا۔ چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی نے اپنی کتاب "انوار آفتاب صداقت" کے ص ۱۳۷ پر ایک مولوی روایت یہ نقل کی ہے۔ کہ "حضور نے فرمایا کہ لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا۔ اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ میں شکم مادر میں تھا۔ الخ"

اور پھر اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ۔

ص ۲۵ پر دیکھیں

اس سے ظاہر ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے خلق سے علم غیب حاصل ہے۔ لوح محفوظ ان کے روبرو لکھی گئی شکم مادر ہی میں علم غیب حاصل تھا۔"

اور بعض دیگر حضرات کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس علم کان ومایکون کا حصول شب معراج میں مانتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کا غالباً یہی مسلک ہے جیسا کہ الکلمۃ العلیا صـ۴۳ وصـ۶۳ کی بعض نقول سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہاں بھی نہایت ہوشیاری اور مناظرانہ دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ آپ کو یہ علم (ماکان ومایکون) تدریجی طور پر آغاز نبوت سے بذریعہ قرآن پاک وقتاً فوقتاً عطا ہوتا رہا۔ اور جس روز قرآن عزیز کا نزول ختم ہوا۔ اسی دن اس علم کی تکمیل ہوئی۔ چنانچہ فاضل موصوف انباء المصطفےٰ صـ۴ پر فرماتے ہیں۔

اور جب کہ یہ علم (علم ماکان ومایکون الیٰ یوم القیمۃ) قرآن عظیم کے "تبیاناً لکل شئ" ہونے دیا پھر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے۔ نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمع قرآن سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو" لم نقصص علیك" یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے" لا تعلمہم" ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطہ علم مصطفوی کا نافی نہیں۔"

صفحہ نمبر ۴۲ اس کتاب پر ہندوستان کے اکثر مشاہیر علماء اہل بدعت کی تقریظات ثبت ہیں چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی اس پر ایک زوردار تقریظ لکھی ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اس کتاب کا ذکر یہاں کر دیا ہے ورنہ خود کتاب کے مصنف اس جماعت کے کوئی بڑے شخص نہیں ہیں اور ہم اس کتاب میں ہر کس وناکس کے خیالات سے تعرض نہیں کریں گے۔ ۱۲

نیز یہی فاضل الدولۃ المکیہ صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں۔

ان تعلیم اللہ تعالیٰ لہ صلی اللہ علیہ وسلم کان بالقرآن والقرآن نزل بخما بخما ولم یکن ینزل کل وقت فصدق البعض فی الاوقات وفی المعلومات جمیعًا۔

کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی تعلیم قرآن کے ذریعہ سے تھی۔ اور قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے وقتاً فوقتاً نازل ہوا ہے اور اس کا نزول ہر وقت نہیں ہوتا تھا۔ پس یہ کہنا صحیح ہے کہ حق تعالیٰ نے (آپ کو) بعض علوم غیب بعض اوقات میں عطا فرمائے۔

فاضل موصوف کی ان دونوں کو عبارتوں سے ظاہر ہے۔ کہ وہ اس علم ماکان و مایکون کی تکمیل نزول قرآن سے پہلے نہیں مانتے بلکہ بعد نزول قرآن اس کے مدعی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت کی طرف سے اب تک جو آیات اور احادیث اہل بدعت کے اس غیبیہ عقیدہ کے خلاف پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا جواب مولوی احمد رضا خان صاحب نے یہی دیا ہے۔ کہ یہ تمام نزول قرآن سے پہلے ہیں۔ اور اس وقت کے لئے ہم بھی اس علم محیط کے مدعی نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ "الفیوض الملکیۃ حواشی الدولۃ المکیۃ" از مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی۔

اس تمام تحقیق و تنقیح سے معلوم ہوا کہ عوام مبتدعین اور ان کے جاہل واعظوں کو چھوڑ کر مدعیان علم غیب میں جو حضرات مذہبی اور علمی ذمہ داریاں رکھتے ہیں۔ وہ خود تین قسم کے ہیں۔

۱۔ ایک وہ جو پیدائش سے بھی پہلے شکم مادر ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "ماکان ومایکون" جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم ثابت کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ جو شب معراج میں اس علم کے حصول کے مدعی ہیں۔

۳۔ تیسرے وہ جو بعد ختم نزول قرآن حضورؐ کے لئے اس علم کی تکمیل مانتے ہیں۔

چونکہ تیسرا قول فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کا ہے اور وہ اس جماعت کے امام و مقتدیٰ اور مجدد و پیشوا مانے جاتے ہیں۔ اس لیئے ہم انہی کے مسلک کی طرف زیادہ توجہ کریں گے۔ نیز۔ اسی کے ردّ و ابطال سے پہلے دونوں قول خود بخود باطل ہو جائیں گے۔ اس لئے بھی ان کی طرف براہ راست توجہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تاہم چونکہ یہاں مسئلہ کا استیعاب مقصود ہے اس لئے بالکل نظر انداز ان کو بھی نہیں کیا جائے گا۔ واللہ الموفق۔

اس کے بعد ہم مختصر الفاظ میں اس مسئلہ کے متعلق اہل سنّت کا نظریہ بھی پیش کرتے ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ

الف:۔ علم ذاتی اور علم محیط تفصیلی جو بلا استثنار تمام معلومات کو حاوی ہو۔ خواص باری تعالیٰ سے ہے۔ اس میں نہ کوئی رسول شریک ہے نہ غیر رسول اور اس پر فریقین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی "الدولۃ المکیہ" کی نظر ثالث میں فرماتے ہیں۔

العلم الذاتی والمطلق المحیط التفصیلی مختص باللہ تعالےٰ۔	علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزّ و جل کے ساتھ خاص ہے۔

نیز۔ اسی کی نظر خامس میں ہے۔

لانقول بمساواۃ علم اللہ تعالیٰ ولا بحصولہ بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ تعالیٰ ایضاً الا البعض۔	ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لیئے علم بالذات جانیں اور عطا الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں۔ نہ کہ جمیع خالص الاعتقاد ص ۲۳۔

بہر حال علم ذاتی اور علم محیط کل تفصیلی کا کسی مخلوق کے لیئے حاصل نہ ہونا مسلمہ فریقین ہے۔

ب۔ حق تعالیٰ کی عطا سے بذریعہ وحی یا الہام عالم شہادت کی طرح عالم غیب کی بھی بہت سی چیزیں حق تعالیٰ کے مقرب بندوں کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور اس میں انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور جماعت انبیاء میں بھی خاص کر سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس کمال میں سب سے زیادہ بلند ہے اور آپ ہی حق تعالیٰ کے بعد "فوق کل ذی علم علیم" کے مصداق ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم وشرف وکرم۔

لیکن با اینہمہ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ آپ کو۔

"تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کا علم عطا فرما دیا گیا" الکلمۃ العلیا ص۳۔

اور یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

"تمام ماکان ومایکون الیٰ یوم القیمۃ کا علم حاصل تھا اور ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر جنت ونار کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضورؐ کے علم سے باہر نہیں۔ (انباء المصطفیٰ ص۲ ملخصاً)

کیونکہ لبعض ماکان ومایکون کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہونا۔ نصوص کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اس سے اختلاف کرنا محبت نہیں بلکہ بغاوت اور ضلالت ہے۔

اہل سنت کے اس عقیدے کا جزو اول جو ثبوتی ہے وہ تو کسی دلیل کا محتاج نہیں اور نہ کسی مسلمان کو اس سے انکار ہے۔ لہٰذا یہاں ہماری بحث صرف سلبی جزو پر ہوگی۔ اور اسی پر ہم اپنی کتاب کے اس حصہ میں تین بابوں کے ماتحت دلائل پیش کریں گے۔

والمسئول من اللہ تعالیٰ توفیق الصدق والصواب۔

باب اوّل

قرآنی دلائل وبراہین

قرآن مجید خدا کا وہ مکمل اور آخری پیغام ہے جو قیامت تک کے لئے بنی آدم کی ہدایت ورہنمائی کا کفیل بن کر آیا ہے۔ اس کے نازل کرنے والے حکیم وخبیر نے خود اسی کے دیباچہ میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

الٓـمٓ۔ ذالك الكتاب لاريب فيه. هدى للمتقين۔ — یہ کتاب مقدس اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ متقیوں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔

ایک دوسری جگہ اس کا منشاء نزول یہ بتلایا گیا ہے۔

كتاب انزلناه اليك لتخرج الناس من الظلمت الى النور۔ — یہ مقدس کتاب ہے اس کو ہم نے آپکی طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔

ایک اور موقع پر اس کی تنزیل کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ

وما انزلنا عليك الكتاب الا لتبين لهم الذى اختلفوا فيه وهدى ورحمة لقوم يؤمنون۔ — اے رسول ہم نے تم پر اپنی یہ کتاب اسی لئے نازل کی ہے کہ تم ان حقائق کو کھول دو جن میں لوگوں کا اختلاف ہے اور ہماری یہ کتاب تو سراپا ہدایت اور رحمت ہے ماننے والی قوم کے لئے۔

پس اب قرآن ہی وہ کلام ربانی اور صحیفہ آسمانی ہے جو ہمارے تمام اختلاف ونزاعات کا ناطق فیصلہ دے سکتا ہے اور اسی پر اب اہل زمین کی نجات کا مدار رہے اور وہی ہدایت کا مخزن اور مرکز ہے۔ اس کے لانے والے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم نے صاف الفاظ میں اعلان کردیا ہے۔

من ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم۔ (الحدیث)

جس نے قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور ہدایت تلاش کی وہ گمراہ ہو جائے گا۔ قرآن خدا کا مضبوط اور مستحکم عہد ہے اس میں حکمت والی نصیحت ہے اور وہی صراط مستقیم اور راہِ نجات ہے۔

پس اگر آج امت مسلمہ کے کسی فرد کو کسی مسئلہ میں تردد ہو تو چاہیئے کہ سب سے پہلے اس کا حل قرآن پاک سے تلاش کیا جائے۔ پھر اگر خدا کی اس مقدس کتاب سے ہمارے سوال کا جواب مل جائے۔ (خواہ وہ اشارۃً و کنایۃً ہی کیوں نہ ہو) تو اُسی پر ایمان و اعتقاد کی بنیاد رکھ دی جائے۔ کہ اس کا جو فیصلہ ہے وہ خالق ارض و سما کا فیصلہ ہے اور اس سے سرتابی انسان کی انتہائی شقاوت ہے۔

انہ لقول فصل، وما ھو بالھزل۔

وہ قول فاصل اور فارق بین الحق والباطل ہے۔ وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔

بہر حال انسان کی سعادت یہی ہے کہ وہ اپنے اعتقادات اور نظریات کو قرآن کے ماتحت کر دے اور اس کے ہر ہر اشارے پر سو جان سے قربان ہونے کے لئے تیار رہے۔ نہ یہ کہ اس کو اپنا محکوم بنائے اور اس کی تصریحات کو اپنے اعتقادات کے موافق بنانے کے لئے اس میں ملحدانہ تحریفیں اور رکیک تاویلیں کرے۔ کہ یہ اہل ہوی اور مغضوبین کا دستور ہے۔

پس اگر ہمارا ایمان سالم ہے تو ہمارے لئے قرآن حکیم کا ایک ہلکا اشارہ ہی کافی ہونا چاہیئے۔ لیکن اللہ علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے کہ کون چیز زیادہ اہم ہے؟ اور کون سا مسئلہ توضیح و تشریح کا زیادہ محتاج ہے۔؟ وہ جانتا تھا کہ کسی وقت امت میں "علم غیب" کا یہ فتنہ بھی اٹھے گا۔ اس لئے اس نے اپنی مقدس کتاب میں اس کے متعلق نہایت صاف اور واضح تصریحات فرمائیں اور اس بارہ میں بیان و تبیان کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ حتی کہ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ اگر اہل بدعت کے

رسائل اور ان کے صریح اقوال و دعاوی ہمارے سامنے نہ ہوتے تو بخدا ہم کو یہ یقین آنا بھی مشکل تھا۔ کہ کوئی شخص قرآن پر ایمان رکھنے اور اس کو خدائی کتاب اور الہامی صحیفہ ماننے کے بعد ایسا اعتقاد بھی رکھ سکتا ہے۔

ایں ہمہ ہا گفتن ودین پیمبر داشتن ہرگزم باور نمی آید زروئے اعتقاد

لیکن جس طرح معتزلہ اور مرجیہ، خوارج اور روافض نے ایمان با لقرآن کے ادعا کے ساتھ قرآن سے بغاوت کی۔ اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ایک گروہ نے تصریحات قرآن سے بے پرواہ ہو کر اپنے اوہام وظنون کا اتباع کیا۔ اور اپنے دل کو سمجھانے کے لئے نصوص قرآنیہ میں معنوی تحریفیں بھی کر لیں۔ اور ان کو اپنے حسب منشاء معانی پر ڈھال بھی لیا۔ لیکن درحقیقت اُن کا یہ فریب خود اپنے نفسوں کے ساتھ ہے۔ وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون۔ جن لوگوں نے دانستہ قرآن حکیم سے بغاوت کی ان کا معاملہ تو ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ لیکن جو بھولے بھالے مسلمان ان مبتدعین کے دام فریب میں آگئے ہیں۔ اور اپنی ناواقفی کی وجہ سے اس غیبیہ عقیدہ کو موافق تعلیم اسلام سمجھنے لگے ہیں۔ ان کے سامنے ہم اس مسئلہ کا ناطق فیصلہ پہلے قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں۔ (بعد ازاں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ احادیث نبویہ و آثار صحابہ و اقوال سلف سے بھی اس مسئلہ پر سیر حاصل روشنی ڈالی جائے گی۔)

اگرچہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایمان والوں کی تسلی اور تشفی کے لئے قرآن عزیز کی ایک آیت بلکہ اس کا ایک ہلکا سا اشارہ ہی کافی ہے۔ لیکن چونکہ یہاں مسئلہ کا استیعاب اور پورے طور سے اہل باطل پر اتمام حجت مقصود ہے۔ اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ ہم اس مسئلہ کے متعلق قرآن کریم سے اتنا وافر ثبوت پیش کریں گے۔ کہ اس سے پہلے کسی ایسے اختلافی مسئلہ کا ایسا ثبوت پیش نہ کیا گیا ہوگا۔

واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

ایک شبہ کا جواب

ممکن ہے یہاں کسی سادہ لوح کو یہ شبہ ہو کہ مدعیان علم غیب بھی قرآنی آیات ہی پیش کرتے ہیں اور ان کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں۔ یہی قرآنی تعلیم ہے۔ پھر یہ کس طرح معلوم ہو کہ فریقین میں کس کا کہنا صحیح اور کس کا غلط ہے؟ اس لئے ہم پہلے ہی عرض کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیشہ سے قرآن پاک اہل باطل کا بھی تختۂ مشق رہا ہے۔ معتزلہ اور خوارج نے بھی اپنے معتقدات کے ثبوت میں قرآنی آیات پیش کیں اور نواصب و روافض نے بھی اسی قرآن کی آیتوں سے استشہاد کیا اور آج قادیانی اور چکڑالوی بھی اسی سے استناد کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن ہم کامل وثوق اور پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر فہم صحیح اور نظر انصاف ہو تو قرآن مجید میں اہل باطل کے مزعومات کے لئے کوئی گنجائش نہیں وہ (ہندوؤں کے مجہول المعنے ویدوں کی طرح) ساکت و صامت نہیں بلکہ وہ ناطق کتاب ہے اس کی شان ہے۔ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید۔ لیکن ہاں اس شقاوت اور بدبختی کا کوئی علاج نہیں کہ کوئی ناخدا ترس اس کے معانی میں کتر بیونت کر کے اس سے اپنا غلط دعویٰ ثابت کرنا چاہے اور بیچارے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کہہ دے کہ ھذا من عند اللہ (یہ خدا کا حکم ہے) لیکن پھر بھی تلاش اور جستجو کرنے والے کے لئے حق و باطل اور صحیح و سقم میں امتیاز کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ خدا رحمتیں نازل فرمائے۔ ہمارے اسلاف متقدمین پر وہ امت کو ان پُر خطر وادیوں سے بچانے کے لئے ایسے اصول بھی ضبط فرما گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکے۔ کہ قرآن کی تفسیر کون سی قابل قبول ہے۔ اور کون سی قابل رد۔

یوں تو اس موضوع پر مستقل اور مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن یہاں ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث علامہ عماد الدین ابن کثیر دمشقی کے ایک کلام کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ علامہ موصوف اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

فان قال قائل فما احسن طرق التفسیر؟ فالجواب ان اصح الطریق فی ذالك ان یفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مکان فانه قد بسط فی موضع اٰخر فان اعیاك ذالك فعلیك بالسنة فانها شارحة للقرآن وموضحة له ....

وحینئذ اذا لم نجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنة رجعنا فی ذالك الی اقوال الصحابةؓ فانهم ادری بذالك لما شاهدوا من القرائن والاحوال التی اختصوا بها و لما لهم من الفهم التام والعلم الصحیح والعمل الصالح لاسیما علمائهم وکبرائهم کالائمة الاربعة الخلفاء الراشدین والائمة المهتدین المهدیین وعبد الله ابن مسعود رضی الله عنهم ......

ومنهم الحبر البحر عبد الله بن عباس ابن عم رسول الله صلی الله علیه وسلم وترجمان القرآن ببرکة دعاء رسول الله صلی الله علیه وسلم له حیث قال اللّٰهم فقهه فی الدین وعلمه التاویل۔ الخ۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۔۵

علامہ موصوف کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱-) تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی سے تلاش کی جائے۔ کیونکہ اس کلام الٰہی میں اگر ایک مسئلہ کو کسی جگہ اجمال کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ تو اکثر دوسری جگہ اس کی تفصیل بھی کر دی گئی ہے۔

(چنانچہ بعض علماء متقدمین و متاخرین نے تفسیر القرآن بالقرآن کے موضوع پر مستقل اور ضخیم کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ خود حافظ ابن کثیر کا بھی یہ دستور ہے کہ وہ پہلے آیات قرآنی کی شرح دوسری آیات سے کرتے ہیں۔ اور اسی چیز نے بھی ان کی تفسیر کو دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں زیادہ ممتاز کر دیا ہے۔)

(۲-) اگر کسی آیت کی تفسیر ہم خود قرآن سے نہ نکال سکیں تو حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ قرآن کی تشریح اور توضیح کرتی ہے اور قرآن مجید میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ بتلائی گئی ہے کہ۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ — آپ کتاب اللہ اور امور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ — ہم نے آپ پر قرآن کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے واسطے اس چیز کو بیان کر دیں جو ان کی ہدایت کیلئے نازل کی گئی ہے۔

بہر حال قرآن کریم میں اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا گیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی کے معلم اور مبین ہیں۔ پس اگر کسی آیت کی تفسیر خود آپ سے ثابت ہو جائے۔ تو وہ ضرور واجب القبول ہے۔

(۳-) اور اگر بفرض ہم اس کوشش میں بھی ناکام رہیں۔ اور کسی آیت کی تفسیر ہم کو نہ قرآن میں ملے نہ احادیث نبویہ میں تو پھر ہم کو اقوال صحابہ دیکھنے چاہئیں۔ پس تیسرے درجہ میں وہ تفسیر قابل وثوق اور قابل اعتماد ہو گی۔ جو کسی صحابی سے ثابت ہو جائے۔ بالخصوص وہ صحابہ کرامؓ جو قرآن فہمی میں خصوصیت رکھتے تھے۔ جیسے کہ حضرات خلفاء راشدین اور حضرت عبداللہ بن مسعود و عبداللہ ابن عباس و ابی بن کعب و معاذ ابن جبل و سالم و زید ابن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس اگر ان حضرات سے کسی آیت کی تفسیر ثابت ہو جائے

کسی تو وہ بھی حضورؐ کی تفسیر کے بعد قابل اعتماد ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے قرآن مجید کو سبقاً سبقاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا اور جس ماحول میں قرآن مجید کا نزول ہوا وہ ان حضرات کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اور یہ حضرات ان وقائع سے بھی پوری واقفیت رکھتے تھے جن کے بارہ میں قرآن مجید نازل ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ ان کو حق تعالیٰ نے دین اور احکام دین کے سمجھنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ کیونکہ انہیں کے ذریعہ سے اقطار عالم میں دین الٰہی کی تبلیغ ہونے والی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جماعت کے متعلق کس قدر جامع کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔

کانوا افضل ھذہ الامۃ	یہ حضرات امت کے افضل ترین افراد
ابرھا قلوبًا واعمقھا علمًا	تھے۔ ان کے دل نہایت پاکیزہ ان کا
واقلھا تکلفا اختارھم اللہ	علم نہایت گہرا۔ تکلف اور بناوٹ سے
لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ	بہت دور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو
دینہ فاعرفوا لھم	اپنے نبی اکرمؐ کی صحبت اور اپنے دین
فضلھم واتبعوھم علیٰ	کی خدمت کے لئے پسند کیا تھا۔ پس ان
اثرھم وتمسکوا بما استطعتم	کی فضیلت پہچانو۔ اور ان کے نقش قدم
من اخلاقھم وسیرھم	پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق
فانھم کانوا علی الھدیٰ	اور ان کی طرز زندگی کو اختیار کرو۔ کیونکہ
المستقیم۔	وہ راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن تھے۔

بہر حال تیسرے درجہ میں وہ تفسیر معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو۔ اور یہ تینوں درجے جمہور امت کے متفق علیہ ہیں۔ ان کے بعد حضرات تابعین کی تفسیر کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا ہے۔ جس کا فیصلہ حافظ ابن کثیرؒ نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے۔

اما اذا اجمعوا علی الشئ فلا یرتاب فی کونہ حجۃ فان اختلفوا

فلا یکون قول بعضھم حجۃ علی قول بعض ولا علیٰ
من بعدھم ویرجع فی ذلک الی لغۃ القرآن و
السنۃ او عموم لغۃ العرب واقوال الصحابۃ فی ذلک۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مفسرین تابعین کسی آیت کی تفسیر میں متحد اور متفق ہو جائیں تو وہی صحیح اور قابل قبول ہے۔ ورنہ قواعد عربیت اور دیگر دلائل سے کسی ایک قول کو ترجیح دی جاوے۔ اس کے بعد پانچواں درجہ اُن ائمہ کی تفاسیر کا ہے۔ جنہوں نے اسی میدان کی سیاحت میں اپنی عمریں ختم کر دیں۔ اور مذکورہ بالا چاروں اصول کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی تفسیریں لکھیں۔ پس اگر یہ حضرات کسی تفسیر پہ متفق ہو جاویں تو صحابہ وتابعین کی تفاسیر کے بعد وہ بھی قابل قبول ہو گی۔ اور بصورت اختلاف دلائل سے کسی ایک کو ترجیح دی جاوے گی۔ اس قسم کی تفسیروں میں

تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر لباب التاویل (خازن) تفسیر مدارک، تفسیر ابو السعود، تفسیر کبیر، تفسیر سراج منیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین، تفسیر جامع البیان، تفسیر روح المعانی، تفسیر نیشاپوری۔

آیات کی تفاسیر میں جو احادیث یا اقوال صحابہ وتابعین نقل کئے جائیں گے۔ وہ اکثر و بیشتر " در منثور"، کنز العمال، مسند احمد، فتح الباری، یا دیگر کتب متداولہ حدیث وشروح حدیث سے ماخوذ ہوں گے۔

حاصل کلام یہ کہ

طالبان تحقیق کے لئے قرآن پاک کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کے یہ پانچ اصول ہیں۔ جن کی صحت اور مقبولیت کسی دلیل کی بھی محتاج نہیں۔ اور آیات قرآنیہ سے ہمارا استدلال بھی انہی اصول کے ماتحت ہوگا۔ ہم جس آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کریں گے۔ اس کی تفسیر بھی اپنی طرف سے نہیں کریں گے۔ بلکہ

اس کام کے لئے بھی حتی الامکان قرآن حکیم اور احادیث نبی کریم و ارشادات صحابہ وتابعین واقوال ائمہ مفسرین بھی نقل کریں گے۔ بہرحال ہماری حیثیت صرف ناقل اور ترجمان کی ہوگی اور ہم محض مؤلف ہوں گے نہ کہ مصنف ۔ ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — انچہ استاد ازل گفت ہمہ می گویم

اس کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مسئلہ علم غیب کے متعلق قرآن مجید کے ناطق فیصلے اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان ۔

پہلی آیت

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۔

(سورہ طٰہٰ رکوع ۱)

قرآن مجید کے پہلے مترجم حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں

بدرستیکہ قیامت آئندہ است میخواہم کہ پنہاں دارم آں وقت را تاجزا دہند ہر تنے را بانچہ می کند

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن میں فرماتے ہیں

ہر آئینہ قیامت آمدنی است میخواہم کہ پنہاں دارم وقت آں را تاجزا دادہ شود ہر شخصے بمقابلہ آنچہ می کند۔

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ میں ارشاد فرماتے ہیں

قیامت مقرر آنی ہے۔ میں چھپا رکھتا ہوں اس کو کہ بدلہ ملے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے

حضرات علمائے معتبرین کے یہ وہ تراجم ہیں جو دنیائے اسلام میں اعتماد اور مقبولیت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ان سب ترجموں کا حاصل یہ ہے کہ قانون جزاً و سزاً کے بر روے کار آنے کے لئے قیامت ایک وقت ضرور آنی ہے اور ہم اس کے وقت خاص کو مخفی ہی رکھنا چاہتے ہیں

اس آیت سے صراحتہً معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ کا ارادہ ہو چکا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کو تمام بندوں سے مخفی رکھا جائے اور کسی کو اطلاع نہ دی جائے۔

پھر قرآن مجید میں تقریباً پندرہ سولہ مقامات پر مختلف انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ قیامت کے وقت کا علم حق سبحانہ وتعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ پس وہ تمام آیتیں اس آیت کریمہ کی مفسر ہیں اور اسی لئے عمدۃ المفسرین حافظ ابن کثیر نے (جو حتی الوسع تفسیر القرآن بالقرآن کا عملی التزام رکھتے ہیں) اس آیت کی تفسیر میں ان میں سے بعض آیات درج بھی کی ہیں۔ لیکن چونکہ ہم اُن تمام آیات کریمہ کو آئندہ مستقل طور پر استدلال میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں درج کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ناظرین یہ بات اپنے خیال میں رکھیں کہ آئندہ نمبروں میں علم قیامت کے متعلق جس قدر آیات پیش کی جائیں گی وہ سب ایک دوسرے کیلئے مفسر ہوں گی۔ علیٰ ہذا جو احادیث ان آیات کریمہ کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں۔ اُن کو بھی ہم ان تمام آیات کے پیش کرنے کے بعد اخیر ہی میں درج کریں گے۔ سردست آیت مذکورۃ الصدر کے متعلق حضرات صحابہ وتابعین وائمہ مفسرین کے زرّین اقوال ملاحظہ ہوں۔

آیت مذکورہ کے متعلق

حضراتِ صحابہؓ وتابعینؒ ودیگر ائمہ مفسرین کے ارشادات۔

فقیہ الامت سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنے اس دعوے میں یقیناً صادق ہیں کہ۔

واللہ الذی لا الٰہ غیرہ ما انزلت سورۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم این انزلت ولا انزلت اٰیۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم فیما انزلت ولو اعلم احدًا اعلم منی بکتاب اللہ تبلغہ الابل لرکبت الیہ۔ (صحیح البخاری)

قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود حق نہیں قرآن کی کوئی سورۃ ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے متعلق میں نہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی ہے اور نہ کوئی ایسی آیت کتاب اللہ میں ہے جس کے متعلق مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ کس معاملہ میں نازل ہوئی ہے اور اگر کسی ایسے شخص کا مجھے علم ہوتا جو کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا اور میں اونٹ پر سوار ہو کر بھی اُن تک پہنچ سکتا تو ضرور میں اونٹوں پر ہی وہاں تک کا سفر طے کر کے اُن کی خدمت میں پہنچتا۔)

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے علم قرآن پر اس قدر اعتماد فرمایا کہ معلمین قرآن کی فہرست میں سب سے پہلے انہی کا نام لیا۔ اور امت کو ان سے قرآن حاصل کرنے کی ترغیب دی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ۔

خذوا القرآن من اربعۃ عبد اللہ بن مسعود وسالم ومعاذ وابی بن کعب

علم قرآن حاصل کرو عبد اللہ بن مسعود سے اور سالم سے اور معاذ سے اور ابی بن کعب سے

(رواہ البخاری)

بہر حال وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو علم قرآن میں ان خصوصیات کے حامل تھے ان کی قرأت ہی اس آیۂ کریمہ میں یہ منقول ہے۔

۱۔ ان الساعة اتية اكاد اخفيها من نفسى۔ درمنثور ص ۲۹۴ ج ۴ وابن کثیر ص ۲۲۹ ج ۶ وجامع البیان ص ۲۵۹۔

اور اس قرأت کے ناقلین ساتھ ہی اس کی توضیح وتشریح بھی بایں الفاظ نقل کرتے ہیں۔

۲۔ یقول اکتمها من الخلائق حتیٰ لو استطعت ان اکتمها من نفسی لفعلت — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں اس کو پوشیدہ رکھوں گا تمام مخلوقات سے حتیٰ کہ اگر میں اس کو اپنے سے بھی مخفی رکھ سکتا تو ضرور ایسا کرتا۔

درمنثور ص ۲۹۴ ج ۴۔ وابن کثیر ص ۲۲۹ ج ۶۔

۳۔ اور اقراء امۃ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (کہ وہ بھی علم قرآن میں دیگر صحابہ کرام پر خاص فوقیت رکھتے تھے اور ان کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کی اجازت دی تھی) ان کی قرأت بھی اس آیت میں وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ملاحظہ ہو درمنثور، وابن کثیر وجامع البیان۔ اور بنا بر۔ قول محقق اس قسم کی قرأتِ شاذہ کا اقل درجہ یہ ہے کہ اُن کو (مدرج فی الحدیث کی طرح) تفسیر سمجھا جائے۔ پس کم از کم یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ کے نزدیک اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اور حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کے لئے خاص طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن فہمی کی دعا فرمائی تھی۔ انہوں نے بھی اس آیت کی تفسیر انہی الفاظ میں کی ہے۔

۴۔ قال اکاد اخفیها من نفسی۔ رواہ ابن جریر بسندہ عن سعید بن جبیر

عہ۔ کمافی الاتقان للسیوطی۔ ص ۷۹، ۸۴۔ ۱۲

عن ابن عباس۔ تفسیر ابن جریر صـ ۹۸ ج ۲۶ و ایضاً۔ رواہ سعید بن منصور، وعبد بن حمید وابن المنذر، وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، درمنثور صـ ۲۹۴ ج ۴۔

بہرحال ان تینوں جلیل القدر صحابیوں کے نزدیک جنہوں نے علم قرآن براہِ راست صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلّم سے حاصل کیا تھا۔ اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ۔

حق تعالیٰ قیامت کے وقت کو بے حد مخفی رکھنا چاہتا ہے حتیٰ کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ اس کو اپنے سے بھی مخفی رکھتا پھر بھلا وہ اس کی اطلاع کسی مخلوق کو کیوں دینے لگا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ممکن ہے کہ کسی سطحی النظر ناقص الفکر کو اس جگہ یہ شبہ ہو کہ کسی شے کا حق تعالیٰ سے مخفی رہنا امر محال ہے تو پھر اس آیت کی تفسیر میں "اکاد اخفیہا من نفسی" کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم اس موقعہ پر امام المفسرین حافظ الحدیث ابو جعفر ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کلام نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو امام موصوف نے اسی شبہ کے ازالہ کے لیے ارقام فرمایا ہے۔ وھو ھذا۔

اما وجہ صحۃ القول فی ذلک فھو ان اللہ تعالیٰ ذکرہ خاطب بالقرآن العرب علی ما یعرفونہ من کلامھم وجری بہ خطابھم بینھم فلما کان معروفاً فی کلامھم ان یقول احدھم اذا اراد المبالغۃ فی الخبر عن اخفائہ شیئًا ھو لہ مسر قد کدت ان اخفی ھذا الامر عن نفسی من شدۃ استراری

بہ ولو قدرت اخفیہ عن نفسی۔ خاطبہم علی حسب ما قد جری بہ استعمالہم فی ذٰلک من الکلام بینہم وما قد عرفوہم فی منطقہم۔ تفسیر ابن جریر ص ۹۹ ج ۶

امام ممدوح کے اس جواب کا حاصل صرف یہ ہے کہ۔

چونکہ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی چیز کو زیادہ مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ تو مبالغہ کے طور پر کہا کرتے تھے۔ قد کدت ان اخفی ھٰذا الامر عن نفسی' قریب ہے کہ میں چھپالوں اس بات کو اپنے نفس سے بھی۔

پس چونکہ قرآن بھی انہی کی زبان اور انہی کے محاورات میں نازل ہوا اس لئے انہی کے محاورے کے مطابق شدتِ ارادۂ اخفار کو یہاں اس عنوان سے تعبیر کر دیا گیا ہے اور حاصل آیۃ کریمہ کا صرف یہ ہے کہ۔

"حق تعالےٰ اپنے سوا کسی دوسرے کو قیامت کا وقت بتلانا نہیں چاہتا"

اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقعہ پر اسی آیت کی تفسیر میں صرف یہ الفاظ بھی فرمائے ہیں۔

۵۔ ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیھا۔ یقول لا اظہر علیھا احدا غیری۔ — یعنی آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں اپنے سوا کسی کو اس (قیامت کے وقت) کی اطلاع نہ دوں گا۔

رواہ ابن جریر بسندہ عن علی بن طلحہ عن ابن عباس (تفسیر ابن جریر ص ۹۸ ج ۶

واخرجہ ایضاً ابن ابی حاتم کما فی الدر المنثور ص ۲۹۴ ج ۴ وابن کثیر ص ۲۲۹ ج ۶)

نیز۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی اسی آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔

۶۔ ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیھا" قال لا تاتیکم الا بغتۃ" (یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ) قیامت تم پر اچانک اور بے خبری ہی میں قائم ہو جائے گی۔" رواہ ابن جریر بسندہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تفسیر ابن جریر ص ۹۸ ج ۶)

اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ان دونوں تفسیروں کے الفاظ ان کی پہلی تفسیر سے مختلف ہیں۔ مگر درحقیقت یہ اختلاف صرف الفاظ اور تعبیر کا ہے۔ معنوں اور مطلب سب کا ایک ہی ہے یعنی یہ کہ۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے وقت خاص کو سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہے اور کسی کو اس سے خبردار کرنا نہیں چاہتا۔"

حضرت قتادہ نے (جو طبقۂ تابعین میں امام تفسیر ہیں) اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

۷۔ "اکاد اخفیہا" وھی فی بعض القراءت اکاد اخفیہا من نفسی ولعمری لقد اخفاہا اللہ من الملئکۃ المقربین ومن الانبیاء المرسلین۔

اس آیۃ میں ایک قرارت یہ بھی ہے۔ "اکاد اخفیہا من نفسی" اور میری جان کے مالک کی قسم اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقت کو مخفی ہی رکھا ہے۔ ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین سے (یعنی کسی پر بھی اس کو ظاہر نہیں کیا ہے)

اخرجہ ابن جریر بسندہ عن سعید عن قتادہ (تفسیر ابن جریر صـ ۹۸ ج ۶) واخرجہ ایضاً عبدالرزاق وابن المنذر وابن ابی حاتم (درمنثور صـ ۲۹۴ ج ۴) وابن کثیر صـ ۲۲۹ ج ۶)

اور سدی کبیر رضی اللہ عنہ (کہ وہ بھی ائمہ تابعین مفسرین میں سے ہیں) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

۸۔ لیس من اھل السمٰوٰت والارض احد الا وقد اخفی اللہ عنہ علم الساعۃ۔

زمین و آسمان میں جس قدر بھی مخلوق ہے (یعنی جن وانس اور فرشتے) ان سب سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم مخفی رکھا ہے۔

اخرجہ ابن ابی حاتم عن السدی (درمنثور صـ ۲۹۴ ج ۴ وابن کثیر صـ ۲۲۹)

علماء طبقۂ تابعین کے دیگر مفسرین مثلاً۔ مجاہد۔ وابوصالح وسعید بن جبیر وغیرہ

حضرات سے بھی اس آیت کی تفسیر میں "اکاد اخفیہا من نفسی" ہی مروی ہے۔ (کما فی تفسیر ابن کثیر ص۱۲۹ ج ۶ مجملا) و فی تفسیر ابن جریر ص۹۹ ج ۶ مفصلاً) اور چونکہ عامہ صحابہ وتابعین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ اس لئے بعد کے ائمہ مفسرین نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ امام ابوجعفر ابن جریر طبری اسی آیت کی تفسیر میں کلام فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

یقول تعالیٰ ذکرہ ان الساعۃ التی یبعث فیھا الخلائق من قبورھم لموقف القیٰمۃ جائیۃ اکاد اخفیھا۔ فعلی ضم الالف من اخفیھا قراءت جمیع قراء امصار الاسلام بمعنی اکاد اخفیھا من نفسی لئلا یطلع علیھا احد وبذلک جاء تاویل اکثر اھل العلم۔ الخ (تفسیر ابن جریر ص۹۸ ج ۶)	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خاص گھڑی جس میں تمام مخلوقات کو قبروں سے میدانِ قیامت کے لئے اٹھایا جائے گا۔ آنے والی ہے (اکاد اخفیہا) پس الف کے پیش ساتھ تمام اسلامی شہروں کے قراء کی قرارت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "میں قیامت کی اُس خاص گھڑی کو قریب ہے کہ اپنے آپ سے بھی پوشیدہ کردوں تاکہ اس کی اطلاع کسی کو نہ ہو جائے۔ اور اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ اکثر اہلِ علم (صحابہ وتابعین وغیرہم) نے۔

پھر اخیر میں اس تفسیر کی تائید مزید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وانما اخترنا ھذا القول من الاقوال لموافقۃ اھل العلم من الصحابۃ والتابعین اذ کنا لا یستجیز الخلاف علیھم فی ما استفاض القول بہ منھم وجاء عنھم	اور اختیار کیا ہم نے دوسرے اقوال کے مقابلہ میں اس قول کو علماء و فقہا صحابہ و تابعین کی موافقت کے واسطے اس لئے کہ ہم جائز نہیں سمجھتے اُن سے اختلاف کرنا اس چیز میں جو ان سے شہرت کے ساتھ منقول ہوا اور ایسے روشن ثبوت کے ساتھ

مجیئاً یقطع العذر	ہم تک پہنچی ہو۔ جس کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔
(تفسیر ابن جریر طبری ص۹۹ ج۶)	

اور اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ومجاہدؒ وابو صالحؒ، وسدی وقتادہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد قرآن کریم سے ان کی تائید پیش کرکے دوسرے اقوال کے مقابلہ میں اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وھذا کقولہ تعالیٰ لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون. وقال تعالیٰ ثقلت فی السمٰوٰت والارض لا تاتیکم الا بغتۃ۔ ای ثقل علمھا علی اھل السمٰوٰت والارض۔	اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اُس فرمان کی طرح ہے کہ زمین و آسمان کے بسنے والوں میں سے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا سوائے اللہ کے۔ اور ان کو خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ دوسری جگہ اسی قیامت کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ بھاری ہے۔ آسمانوں اور زمین میں وہ تم پر اچانک ہی آئے گی۔ یعنی اس کا علم بھاری ہے آسمانوں اور زمین کی بسنے والی مخلوق پر۔
(تفسیر ابن کثیر ص۲۳۰ ج۶)	

گویا حافظ علیہ الرحمۃ نے کتاب مبین کی روشنی میں متعین کرکے بتلا دیا کہ آیت کی صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے۔ جو اوپر صحابہ کرام وتابعین عظام سے منقول ہوئی اور قرآن عزیز بھی اسی کا مؤید ہے۔

اور امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں اُسی تفسیر کو اکثر مفسرین کا قول قرار دے کر ترجیح دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

واكثر المفسرين قالوا
معناه اكاد اخفيها من نفسي
وكذالك هو في مصحف
ابي بن كعب وفي مصحف
عبد الله بن مسعود۔ اكاد
اخفيها من نفسي فكيف
يعلمها مخلوق۔ وفي بعض
القراءة فكيف اظهرها
لكم وذكر ذالك على
عادة العرب اذا بالغوا في
كتمان الشئ يقولون كتمت
سرك من نفسي اي اخفيته
غاية الاخفاء والله تعالىٰ
لا يخفى عليه شئ۔
(تفسیر معالم التنزیل برہامش خازن
مصری ص۲۱۵ ج ۴)

اور اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر
اکاد اخفیہا من نفسی، سے کی ہے۔
اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں
تو یہ آیت اسی طرح یعنی من نفسی کے
لفظ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے اور حضرت
ابن مسعود کی مصحف میں اس کے ساتھ
فکیف یعلمہا مخلوق" کے الفاظ
بھی ہیں۔ اور ایک قرارت میں "فکیف
اظہرھا لکم" ہے۔ اور یہ چیز اہلِ
عرب کی عادت کے مطابق ذکر کی گئی ہے
وہ جب کسی چیز کا زیادہ اخفا کرتے ہیں
تو کہتے ہیں کہ میں نے تمہارے راز کو
اپنے دل سے بھی چھپا لیا ہے۔ یعنی اس
کو بہت زیادہ پوشیدہ رکھا ہے۔
(ورنہ) اللہ تعالےٰ سے کوئی چیز
پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

اور علامہ علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ خازن نے بھی اپنی تفسیر "لباب التاویل" میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ارقام فرماتے ہیں۔

ان الساعة اتية اكاد
اخفيها۔ قال اكثر المفسرين
اكاد اخفيها من نفسي فكيف
يعلمها من مخلوق وكيف
اظهرها لكم وذكر ذالك

اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت کے
معنیٰ یہ ہیں کہ قیامت کی گھڑی آنے والی
ہے، قریب ہے کہ میں اس کو اپنے سے
بھی چھپا لوں۔ پھر کسی مخلوق کو تو اس کا علم
کیونکر ہو سکتا ہے اور کیوں میں تم کو بتلائے

على عادة العرب اذا بالغوا فى الكتمان للشئ يقولون كتمت سرك فى نفسى اى اخفيته غاية الاخفاء و الله تعالىٰ لا يخفى عليه شئ۔	لگا ہوں۔ یہ بات اہل عرب کے محاورہ کے مطابق کہی گئی ہے۔ جب وہ کسی بات کو بہت زیادہ چھپاتے ہیں تو کہا کرتے ہیں۔ کہ میں نے تمہارے راز کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھا ہے یعنی بے حد چھپایا ہے (ورنہ) حق تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔

(تفسیر خازن صـــ۲۱۵ـــ ج ۴)

اور خطیب شربینی کی تفسیر السراج المنیر میں بھی اس موقعہ پر بعینہ یہی خازن کی عبارت مرقوم ہے۔ (سراج منیر) مطبوعہ ہند صـــ۴۵۲ـــ ج ۲۔

اور علامہ معین بن صفی اپنی مختصر مگر نہایت جامع اور معتبر تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں۔

اکاد اخفیھا من نفسى اى وقتھا فھو مبالغة فى الاخفاء۔	قریب ہے کہ میں (قیامت) کی اس گھڑی کو چھپا ڈالوں۔ اپنے نفس سے پس یہ مبالغہ ہے۔ (تعبیر) اخفاء میں۔

تفسیر جامع البیان صـــ۲۵۹ـــ

یہاں تک جس قدر صحابہ و تابعین و دیگر ائمہ مفسرین کے اسماء گرامی آئے۔ وہ سب حضرات سورہ طٰہٰ کی اس آیت کی تفسیر۔ اکاد اخفیھا من نفسى" سے کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ مبالغہ فی الاخفاء کی ایک بلیغ ترین تعبیر ہے اور ان تمام حضرات کے نزدیک آیت کا مفہوم یہی ہے کہ۔

حق تعالیٰ قیامت کی گھڑی کو بہت زیادہ مخفی رکھنا چاہتا ہے (حتیٰ کہ اگر ممکن ہوتا تو اپنے سے بھی اس کو پوشیدہ رکھتا۔) پھر بھلا کسی دوسرے کو تو کیوں اس کا علم دینے لگا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں اور وہ بھی ہمارے مؤید ہیں۔ مگر چونکہ ثبوت اور قوت کے لحاظ سے وہ اس پلہ کے نہیں۔ اس لئے یہاں ہم

صرف اجمالاً ان کا ذکر کرتے ہیں۔

من جملہ ان کے ایک قول یہ ہے کہ "اکاد" ارید کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ اس کو پوشیدہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور کسی کو بتلانا نہیں چاہتا۔

اخفش نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (کما فی المعالم صہ ۲۱۵ ج ۴۔ والمدارک صہ ۳۹ ج ۳) اور ابو مسلم اصفہانی کا قول بھی یہی ہے۔ (کما فی السراج المنیر صہ ۲۵۲ ج ۲ والکبیر صہ ۱۵ ج ۶) اور بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں سب سے پہلے اسی قول کو نقل کیا ہے (بیضاوی صہ ۳۲ ج ۲) اور علامہ معین بن صفی نے بھی اس قول کو بطور احتمال کے نقل کیا ہے۔ (جامع البیان صہ ۲۵۹)

اور حضرت حسن بصری سے نقل کیا جاتا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

ان اکاد من اللہ واجب فمعنی قولہ تعالیٰ اکاد اخفیہا ای انا اخفیہا عن الخلق۔ (سراج منیر صہ ۲۵۲ وکبیر صہ ۱۵ ج ۶)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر کی بنا پر بھی آیت کا مفاد یہی ہوگا۔ کہ قیامت کے وقت کو اللہ تعالےٰ تمام مخلوق سے مخفی رکھے گا۔

بعض مفسرین نے "اکاد" کو محض صلہ مانا ہے۔ اُن کے نزدیک بھی آیت کا مفاد یہی ہے (حکاہ البغوی فی المعالم صہ ۲۱۵ والنسفی فی المدارک صہ ۳۹ والخطیب الشربینی فی سراج المنیر صہ ۲۵۲ والفخر الرازی فی الکبیر صہ ۱۵ من غیر ان یعزوہ الیٰ شخص معین۔

نیز۔ ایک تفسیر اس آیت کی یہ بھی کی گئی ہے۔ (اکاد اخفیہا) ای اقرب ان اخفیہا فلا اقول ھی اتیۃ لفرط ارادتی اخفائہا (حکاہ البیضاوی فی تفسیرہ صہ ۳۲ والنسفی فی المدارک صہ ۳۹ والمعین بن صفی فی جامع البیان صہ ۲۵۹) اس تفسیر کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

کہ میں قیامت کو اس قدر راز میں رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مصالح کا اقتضاء نہ ہوتا تو میں اس کے آنے کی بھی خبر نہ دیتا۔

اور "اکاد اخفیھا" کی ایک تفسیر "اکاد اظھرھا" سے بھی کی گئی ہے عـہ (احکام البیضاوی صـ۳۲ج ۲ والرازی صـ۱۵ج ۶ والمعین بن صفی صـ۲۵۹) اور اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ "قیامت قریب آنے والی ہے۔ میں عنقریب ہی اس کو ظاہر کروں گا۔ یعنی وہ جلدی ہی آئے گی" اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ دوسرے موقعہ پر فرمایا گیا ہے۔ اقتربت الساعة "قیامت قریب آگئی یا فرمایا گیا ہے۔" اقترب للناس حسابھم " لوگوں کے حساب کتاب کا وقت قریب آگیا۔

مگر یہ آخری تفسیر بہت ہی مرجوح ہے۔ کیونکہ اخفار کے معروف معنی پوشیدہ رکھنے کے ہی ہیں۔ اور اظہار کے معنی میں اس کا استعمال محاوراتِ عرب سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ پس یہ آخری قول نہایت کمزور بلکہ بقول امام ابن جریر طبری بالکل ہی بے بنیاد ہے عـہ۔ مگر تاہم ہمارے مدعا کے مخالف نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے ساکت ہے۔

لیکن بہر حال سب سے پہلی اس تفسیر کی بنا پر جو اکابر صحابہ و تابعین و آئمہ مفسرین کی اختیار کردہ ہے اور اس کے بعد والی چاروں تفسیروں کی رو سے آیتہ کا مفاد یہی ہے کہ۔

حق تعالیٰ قیامت کی خاص گھڑی کا علم اپنے سوا کسی کو ہرگز نہیں دینا چاہتا اور نہ دے گا۔

پس اس آیت میں نہ ذاتی اور عطائی کی تاویل ہی چل سکتی ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد قیامت کے وقت کا علم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا گیا تھا۔ بلکہ ایسا کہنا اس آیت کریمہ کی تکذیب ہو گی۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

عـہ۔ صـ۵۰ پر ملاحظہ فرمایئے۔

بقیہ شرح صفحہ نمبر ۴۹ ؏ علی ان الهمزة للسلب ۱۲۔

عـــہ ۔ اس موقعہ پر امام موصوف کا کلام یہ ہے ۔

ان المعروف من معنی الاخفاء فی کلام العرب الستر یقال قد اخفیت الشئ اذا سترته وان الذین وجهوا معناه الی الاظهار اعتمدوا علی بیت لامرء القیس ابن عابد الکندی حدثت عن معمر بن المثنی انه قال انشدنیه ابو الخطاب عن اهله فی بلده ۔ فان تدفنوا الداء لا نخفه ۔ وان تبعثوا الحرب لا نقعد ۔ بضم النون من لا تخفه و معناه نظهره فکان اعتمادهم فی توجیه الاخفاء الی الاظهار علی ما ذکر ومن سماعهم هذا البیت علی ما وصفت من ضم النون من تخفه وقد انشد فی الثقة عن الفراء ۔ فان تدفنوا الداء لا تخفه ۔ بفتح النون من تخفه خفیة اخفیه وهو اولی بالصواب لانه المعروف من کلام العرب انتهی بقدر الحاجة ۔

تفسیر طبری ص ۹۹ ج ۶ ۔ ۱۲

آیت (۲)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ـ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ـ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ـ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ـ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ـ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ـ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ط

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ترجمہ فارسی زبان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

سوال مے کنند ترا از قیامت کہ کے باشد استقرار او۔ بگو جز ایں نیست کہ علم قیامت نزدیک پروردگار من است۔ پدید نیارد در او وقتِ او مگر خدا۔ گراں شدہ است در آسمانہا و زمین نیاید بہ شما مگر ناگہاں سوال مے کنند ترا از قیامت گوئیا تو کاوش کنندہ ازاں۔ بگو جز ایں نیست کہ دانشِ او نزدیک خدا است ولیکن بسیارے از مردماں نمی دانند (فتح الرحمٰن ترجمہ قرآن از حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کس وقت ہے تو کہہ اس کی خبر تو ہے میرے رب ہی کے پاس۔ وہی کھول دکھا دے گا اس کو اپنے وقت۔ بھاری بات ہے آسمان و زمین میں۔ تم پر آوے گی تو بے خبر آوے گی۔ تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا کہ تو اس کا تلاشی ہے۔ تو کہہ اس کی خبر ہے خاص اللہ کے پاس۔ لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔"

(امام التراجم از حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ)

درِ منثور میں بحوالہ ابن اسحاق وابن جریر وابوالشیخ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ بعض یہود (حمل بن ابی قشیر وسموئل بن زید) نے ازراہِ شرارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز۔ اسی درِ منثور میں بحوالہ ابن جریر حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ یہی سوال قریش مکہ کی جانب سے کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (در منثور ص۱۵۰ و ۱۵۱)

بہرحال سوال خواہ کسی کی جانب سے ہو۔ لیکن اتنا متفق علیہ ہے کہ قیامت کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا۔ کہ وہ کب آئے گی۔؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں بکرّات ومرّات اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم مخصوصاتِ باری تعالیٰ میں سے ہے۔ اور بس اُسی کو معلوم ہے کہ قیامت کب ہوگی۔

اگرچہ اس آیت سے یہ مضمون اور اُس سے ہمارے مدعا کا ثبوت بالکل ظاہر ہے اور کسی توضیح وتشریح کا محتاج نہیں۔ مگر چونکہ ہم یہ التزام کر چکے ہیں کہ آیات کی تفسیر میں ہم صرف اسلاف مفسرین کے ارشادات ہی پیش کریں گے۔ اس لئے یہاں بھی ہم انہیں کے کلمات نقل کرتے ہیں۔

امام الحدیث والتفسیر ابن جریر طبری اسی آیت کے ذیل میں حبر اُمّت ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

قال ابن عباس لما سأل الناس	کہ جب لوگوں نے حضور سے قیامت کے
محمدا عن الساعة سألوه	متعلق سوال کیا تو اس طرح سوال کیا گیا
سوال قوم كانهم يرون	گویا کہ حضورؐ ان کے ساتھ بڑے مہربان
ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم	ہیں۔ پس خدا کی طرف سے آپ پر وحی ہوئی
حفی بهم فاوحی الیه انما	کہ قیامت کا علم بس خدا ہی کو ہے اُس نے

علمها عنده يستاثر بعلمها	اپنے ہی لئے اس کے علم کو خاص کر لیا ہے
فلم يطلع عليها ملكا و	پس اسی واسطے نہ کسی فرشتے کو اس کی
لا رسولا ۔	اطلاع دی ہے نہ کسی رسول کو ۔

تفسیر ابن جریر صـ۸۸ ج ۹

واخرجه ایضا ابن اسحاق و ابو الشیخ کما فی الدر المنثور صـ۱۵۱ ج ۳ و ذکرہ ایضا الامام علی بن محمد الخازن صـ۵۶۵ ج ۲

اور یہی امام ابن جریر اسی آیت کے ذیل میں اپنی سند سے حضرت قتادہ تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ۔

قال (انما علمها عند ربی لا	(انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها
یجلیها لوقتها الا هو) یقول	الا هو) کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے
علمها عند الله هو یجلیها	وقتِ خاص کا علم بس خدا ہی کے پاس
لوقتها لا یعلم ذالك الا	ہے وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے
الله (تفسیر ابن جریر صـ۸۷ ج ۳)	گا۔ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

(اخرجه ایضا ابن ابی حاتم کما فی الدر المنثور صـ۱۵۰ ج ۳)

نیز یہی امام موصوف اسی آیت کے ذیل میں امام تفسیر سدی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ۔

(قوله تعالیٰ ثقلت فی السموٰت	اللہ تعالیٰ کے فرمان ۔ ثقلت فی السموٰت
والارض) یقول خفیت فی	والارض ۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت
السموٰت والارض فلم یعلم	زمین و آسمان میں مخفی ہے (یعنی نہ اس کو
قیامها متی تقوم ملك مقرب	زمینی مخلوق جانے نہ آسمانی) اسی لئے ملائکہ
ولا نبی مرسل ۔	مقربین اور انبیاء مرسلین میں سے بھی کسی
(تفسیر ابن جریر صـ۸۸ ج ۹)	کو اس کی خبر نہیں ۔

اخرجه ابو الشیخ ایضا کما فی الدر المنثور صـ۱۵۰ ج ۳ و ذکرہ الرازی ایضا فی الکبیر صـ۳۳۱ ج ۴

طبقۂ صحابہ و تابعین کے ان تفسیری کلمات کے بعد دیگر ائمہ مفسرین کی تصریحات بھی ملاحظہ ہوں۔ امام ابوجعفر ابن جریر طبری اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما قوله۔ قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو۔ فانه امر من الله تعالیٰ نبیه محمدا ان یجیب سائلیه عن الساعة بانه لا یعلم وقت قیامها الا الله الذی یعلم الغیب وانه لا یظهر لوقتها ولا یعلمها غیره جل ذکره۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ آپ سے قیامت کے وقت کا سوال کرنے والے ہیں۔ اُن کو آپ یہ جواب دیں۔ کہ اس کے وقتِ خاص کا علم خدا عالم الغیب کے سوا کسی کو نہیں اور وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا دوسروں کو اس کی کچھ خبر نہیں۔

پھر آیت کریمہ کے آخری حصہ کی تفسیر فرماتے ہوئے اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اسی مضمون کو اس طرح ارقام فرماتے ہیں کہ۔

اما قوله۔ قل انما علمها عند الله فانّ معناه قل یا محمد لسائلیک عن وقت الساعة وحین مجیئها لا علم لی بذالک ولا یعلم به الا الله الذی یعلم غیب السمٰوٰت والارض ولکن اکثر الناس لا یعلمون ان ذالک لا یعلمه الا الله بل یحسبون ان علم ذٰلک یوجد عند بعض خلقه۔

حق تعالیٰ کے اس فرمان۔ قل انما علمها عند اللہ الآیۃ۔ کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ وقت قیامت کے متعلق سوال کرنے والی اس جماعت سے فرما دیجیے کہ مجھ کو اس کا علم نہیں اور اس کو اس خدائے علیم و خبیر کے سوا کوئی نہیں جانتا جو زمین و آسمان کے تمام غیبوں کو جانتا ہے لیکن بہت سے لوگ اس بات سے ناواقف ہیں اس کا علم صرف خدا ہی کو ہے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ کی

(تفسیر ابن جریر صہ ۸۸ ج ۹) بعض مخلوق کو بھی قیامت کے وقتِ خاص کی خبر ہے۔

یہ جاہل اور نادان جماعت جو نزولِ قرآن کے وقت کفار قریش یا یہود میں سے تھی۔ بدقسمتی سے آج خود مدعیانِ اسلام میں موجود ہے اور وہ نہ صرف گمان بلکہ یقین رکھتی ہے۔ کہ اللہ کی بعض مخلوقات کو بھی قیامت کا علم ہے۔ اور جو مسلمان اس کی اس جہالت میں شریک اور اس ضلالت میں ہمنوا نہ ہو۔ اس کو وہ گمراہ اور بے دین سمجھتی ہے۔ فیا للعجب۔

عماد المفسرین امام المحدثین حافظ ابن کثیر دمشقی اس آیت کریمہ کی تفسیر احادیث و آثار سے فرمانے کے بعد فرماتے ہیں اور کس قدر زور سے فرماتے ہیں۔ کہ۔

فھذا النبی الامی سید الرسل وخاتمھم صلوات اللہ علیہ وسلامہ نبی الرحمہ ونبی التوبہ ونبی الملحمہ والعاقب والمقفی والحاشر الذی یحشر الناس علی قدمیہ مع قولہ فی ماثبت عنہ فی الصحیح من حدیث انس وسھل بن سعد رضی اللہ عنھما بعثت انا والساعۃ کھاتین وقرن بین اصبعیہ السبابہ والتی تلیھا قد امرہ اللہ ان یرد علم وقت الساعۃ الیہ اذا سئل عنھا فقال قل انما

پس یہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم النبیین ہیں جو نبی الرحمہ نبی التوبہ اور نبی الملحمہ ہیں اور جو خدا کے سب سے آخری اور پچھلے نبی ہیں۔ جن کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا وہ باوجود ان خصائص اور فضائل عظمیہ کے اور باوجود اس قرب قیامت کے کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اور قیامت اس طرح قریب ہیں جیسے کہ یہ انگشتِ شہادت اور اس کے قریب والی انگلی۔ جیسا کہ صحیح بخاری، وغیرہ میں حضرت انس وسہل بن سعد سے مروی ہے۔ غرض باینہمہ حق تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ قیامت کے وقت کے بارے میں جب آپ سے یہ سوال کیا جائے

علمها عند الله ولكن اكثر الناس لا يعلمون۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۷۴ و ۲۷۵ ج ۴)

تو ہمیشہ آپ اس کو خدا ہی کے حوالے کریں چنانچہ فرمایا۔ قل انما علمها عند الله ولكن اكثر الناس لا يعلمون۔

اور علامہ علی بن محمد خازن مذکورہ بالا شان نزول نقل فرمانے کے بعد آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں۔

(يسئلونك عن الساعة) اى عن خبر القيامة (ايان مرسٰها) اى متى وقوعها (قل) اى قل لهم يا محمد (انما علمها عند ربى) اى لا يعلم الوقت الذى تقوم فيه الا الله استاثر الله بعلمها فلم يطلع عليه احدًا (لا يجليها لوقتها الا هو۔ ثقلت فى السمٰوٰت والارض) يعنى ثقل امرها وخفى علمها على اهل السمٰوٰت والارض۔ فكل شئ خفى فهو ثقيل وشديد۔ (لا تاتيكم الا بغتة) يعنى فجاءة على حين غفلة من الخلق (يسئلونك كانك حفى عنها۔ قل) يعنى يا محمد (انما علمها عند الله) يعنى

لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے کہ اس کا علم بس میرے پروردگار کے پاس ہے۔ یعنی اس کے وقتِ خاص کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا خدا نے اس کے علم کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے۔ اسی لئے کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے بس خدا ہی بروقت اس پردہ کو ہٹائے گا (یعنی جب اس کا وقت آئے گا اس کو قائم کردے گا) وہ بھاری ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں یعنی اس کا معاملہ گراں ہے۔ اور اس کا علم مخفی ہے آسمان و زمین کی تمام مخلوقات سے (پس ہر مخفی چیز گراں اور سخت ہوتی ہے) وہ قیامت تم پر اچانک یعنی بے خبری ہی میں آجائے گی۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کا اس طرح سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ ان کے ساتھ

استاثر اللہ بعلمھا فلا یعلم	بڑے مہربان ہیں۔ اے محمدؐ آپ اُن سے
متی الساعۃ الا اللہ عزوجل	فرما دیجیے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے
(ولکن اکثر الناس لا	یعنی اللہ نے اس کے علم کو اپنے لئے خاص
یعلمون) یعنی لا یعلمون۔	کر لیا ہے پس اس کے سوا کوئی نہیں جانتا:
ان علمھا عند اللہ وانہ استاثر	کہ کب آئے گی۔ ولیکن بہت سے لوگ اس
بعلم ذالک حتی لا یسئلوا	سے ناواقف ہیں یعنی وہ نہیں جانتے کہ اس
عنہ۔	کا علم بس خدا ہی کو ہے اور اس نے اپنے ہی
(تفسیر خازن صہ ۲۶۵ ج ۲)	لئے اس کو خاص کر لیا ہے۔ تاکہ وہ اس کے متعلق
	سوال نہ کریں۔

اور یہی قریب قریب امام بغوی نے معالم التنزیل میں ارقام فرمایا ہے (تفسیر معالم التنزیل صہ ۳۶۵ ج ۲) اور خطیب شربینی شانِ نزول ذکر فرمانے کے بعد آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ۔

یسئلونک عن الساعۃ ایان	لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت
مرسٰھا (قل) لھم یا محمد	کرتے ہیں۔ اے محمدؐ۔ آپ ان سے فرما دیجیے
(انما علمھا عند ربی) ای	کہ اس کا علم بس میرے پروردگار کے پاس
لا یعلم الوقت الذی تقوم	ہے یعنی اس کے سوا کوئی اس وقت مخصوص
فیہ الساعۃ الا اللہ تعالیٰ	کو نہیں جانتا جس میں قیامت آئے گی اس
استاثر اللہ تعالیٰ بعلمھا فلم	نے اپنے ہی لئے اس کو خاص کر رکھا ہے۔
یطلع علیہ احدًا من خلقہ	اسی لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کی
ولھذا لما سأل جبرئیل	اطلاع نہیں دی ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب
علیہ السلام رسول اللہ صلی	حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم وقال متی	اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بتلائیے قیامت
الساعۃ فقال علیہ الصلوۃ	کب ہوگی۔؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ

والسلام ما لمسئول عنھا باعلم من السائل۔ (تفسیر سراج منیر ص۵۴۴ ج ۱)

اس بارے میں میرا علم تم سے زیادہ نہیں ورنہ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو آپ ضرور بتلا دیتے۔ اور جس طرح کہ اسی مجلس کے باقی سوالات کا آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو صاف صاف جواب دے دیا تھا اس سوال کا بھی صاف جواب دے دیتے کہ فلاں وقت ہو گی۔

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ماقبل سے ربط اور شان نزول بیان فرمانے کے بعد آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

(یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی) ای لایعلم الوقت الذی فیه یحصل قیام القیٰمة الا الله سبحانه ونظیره قوله ان الله عنده علم الساعة وان الساعة اٰتیة لاریب فیھا وقوله ان الساعة اٰتیة اکاد اخفیھا ولما سال جبریل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال متی الساعة؟ فقال علیه الصلوٰة والسلام ما المسؤل عنھا باعلم من السائل (تفسیر کبیر ص۳۲۹ ج ۴)

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ ان سے فرما دیجیئے۔ کہ جس خاص گھڑی میں قیامت قائم ہو گی اس کا علم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے اور اسی کی مثل ان آیات کا مضمون ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا۔ ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیھا۔ اور جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہو گی۔؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کے متعلق میرا علم تم سے زیادہ نہیں ہے۔

اور علامہ نسفی حنفی اپنی مختصر مگر معتبر تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

(یسئلونک عن الساعۃ ایان
مرسٰھا قل انما علمھا عند
ربی) ای علم وقت ارسائھا
عندہ قد استاثر بہ لم
یخبر بہ احدًا من ملک
مقرب ونبی مرسل لیکون
ذالک ادعی الی الطاعۃ و
ازجر عن المعصیۃ کما اخفی
الاجل الخاص وھو وقت
الموت لذالک (لایجلیھا
لوقتھا الاھو) لایظھر امرھا
ولایکشف خفاء علمھا الاھو
وحدہ (ثقلت فی السمٰوٰت
والارض) ای کل من اھلھا
من الملائکۃ والثقلین
اھمہ شان الساعۃ ویتمنٰی
ان یتجلٰی لہ علمھا ویشق
علیہ خفاءھا وثقل علیہ او
ثقلت فیھا لان اھلھا یخافون
شدائدھا واھوالھا۔ (لا
تاتیکم الا بغتۃ) یسئلونک
کانک حفی عنھا) کانک عالم

یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت
کا یعنی اس کے وقوع کے وقت کا ان سے
کہہ دیجیے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس
ہے اس کو اس نے اپنے ہی لیے خاص کر
لیا ہے۔ نہ کسی مقرب فرشتے کو اس کی
اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو تاکہ
یہ چیز طاعت کے لئے زیادہ داعی اور
معصیات سے زیادہ مانع رہے جیسا کہ اسی
مصلحت سے خدا نے ہر شخص کی موت کے
وقت کو بھی مخفی رکھا ہے۔ تاکہ ہر وقت وہ
ڈرتا رہے اور کسی وقت بے خوف و نڈر
نہ ہو۔ بہر حال قیامت کا علم بس خدا ہی
کو ہے کوئی نہیں ظاہر کرے گا اس کے معاملہ
کو اور نہیں کھولے گا۔ اس کے خفا کو۔ مگر
وہی خدا بھاری ہے وہ آسمانوں میں اور
زمین میں یعنی قیامت کے معاملہ نے زمین
و آسمان کی تمام مخلوق یعنی ملائکہ اور جن و انس
غرض سب ہی کو مبتلائے فکر کر رکھا ہے۔
اور ہر ایک اس کا متمنی ہے کہ کسی طرح اس
کو اس کا وقت معلوم ہو جائے اور اس کا مخفی
رہنا ہر ایک پر شاق اور گراں ہے۔ یا یہ کہ
وہ قیامت خود ہی بھاری ہے زمین و آسمان

بها ۔ قل انما علمها	میں اس لئے کائنات سماوی وارضی اس کی
عند اللہ۔ و لکن	سختیوں اور ہولناکیوں سے خائف ہے۔ وہ
اکثر الناس لا یعلمون ؎	قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے
انه المختص بالعلم بها۔	گی۔ وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں
(تفسیر مدارک التنزیل ص ۶۸ ج ۲)	اس طرح سوال کرتے ہیں۔ گویا آپ نے اس

کو معلوم ہی کر لیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے
ولیکن بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ اس کے علم کے ساتھ خدا ہی
مختص ہے۔

اور قاضی بیضاوی رحؒ اپنی تفسیر انوار التنزیل میں فرماتے ہیں۔

یسئلونك عن الساعة ایان	لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال
مرسٰها۔ متیٰ ارسائها	کرتے ہیں کہ کب اس کا وقوع ہوگا، آپ
قل انما علمها عند ربی	فرما دیجئے کہ اس کا علم بس میرے رب ہی کو
استاثر به لم یطلع	ہے اس نے اس کو اپنے ہی لئے خاص کر لیا ہے
علیه ملکا مقربا ولا نبیا	نہ کسی مقرب فرشتے کو اس کی اطلاع دی ہے
مرسلا۔ لا یجلیها لوقتها	نہ کسی نبی مرسل کو وہی اس کو اس کے وقت
الا هو۔ المعنیٰ ان الخفاء	پر ظاہر کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ
بها مستمر علی غیرہ الیٰ	اللہ کے سوا دوسروں پر اس کا پوشیدہ
وقت وقوعها۔ ثقلت فی	رہنا اس کے آنے کے وقت تک مستمر رہے
السمٰوٰت والارض۔ عظمت	گا وہ آسمانوں اور زمین پر گراں ہے یعنی زمین
علی اهلها کانه اشارة الی	و آسمان کی ساری کائنات پر وہ بہت بھاری
الحکمة فی اخفائها۔	اور شاق ہے۔ شاید یہ اس کے اخفاء کی
لا تاتیکم الا بغتة۔ یسئلونك	حکمت (مذکورہ بالا) کی طرف اشارہ ہے
کانك حفی عنها۔ عالم بها	بہرحال وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئیگی۔

قل انما علمها عند الله و لكن اكثر الناس لايعلمون انه العالم بها و انه المختص بالعلم بها۔

تفسیر بیضاوی ص۲۶۷

یہ لوگ آپ سے اس کے متعلق ایسے سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس سے خبردار ہی ہو گئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ صرف خدا ہی اس کا جاننے والا ہے اور وہ اسی کے ساتھ خاص ہے۔

اور تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها قل انما علمها عند ربی لایجلیها یظهرها لوقتها۔ اللام بمعنی فی (الا هو ثقلت) عظمت (فی السمٰوٰت والارض) علی اهلها لهولها (لاتاتیکم الا بغتة) یسئلونك کانك حفی) مبالغ فی السوال (عنها) حتی علمتها (قل انما علمها عند الله)۔ تاکید (ولکن اکثر الناس لایعلمون) انما علمها عنده تعالیٰ۔

(جلالین ص۱۴۳)

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس میرے رب ہی کو ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر ظاہر کر دے گا۔ بھاری ہے وہ آسمانوں اور زمین میں یعنی قیامت اپنی ہولناکی کی وجہ سے اہل ارض وسما پر بہت شاق ہے اور وہ تم پر اچانک اور بے خبری ہی میں آئے گی وہ لوگ آپ سے ایسے سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس کے بہت ہی متلاشی ہیں اور آپ نے تحقیق و تفتیش کر کے گویا اس کو معلوم ہی کر لیا ہے۔ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے (یہ مضمون سابق کی تائید مزید ہے) لیکن بہت سے نا آشنایان حقیقت اس بات کو نہیں جانتے کہ قیامت کا علم خدا ہی کے پاس ہے۔

اور علامہ معین بن صفی اسی آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

(یسئلونك عن الساعة ایان
مرسٰها) متی یکون وای
وقت اثباتها (قل انما
علمها عند ربی لا یجلیها
لوقتها الا هو) ای لا یظهر
امرها فی وقتها الا هو ای
الخفاء به مستمر الی وقت
الوقوع (ثقلت فی السمٰوٰت
والارض. لا تاتیکم الا بغتة.
یسئلونك كانك حفی عنها)
عالم بها من حفی عن الشیٔ
بالغ فی السوال عنه والمبالغة
فی السوال مستلزمه للعلم
اطلق الحفی وارید العالم
او کانك بالغت فی السوال
عنها حتی علمتها. او عنها.
متعلق بیسئلونك ای
یسئلونك عنها كانك شفیق
بهم من الحفاوه بمعنی
الشفقة فان قریشا قالوا یا
محمد بیننا وبینك قرابة
فاسر الینا متی الساعة و

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں
سوال کرتے ہیں کہ کب اس کا وقوع ہوگا۔
یعنی کس وقت وہ قائم کی جائے گی آپ
فرما دیجیے کہ اس کا علم بس میرے پروردگار
ہی کو ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے
وقت پر مگر خود ہی۔ یعنی قیامت کے وقت
خاص کی یہ پوشیدگی اس کے آنے تک
مستمر رہے گی۔ وہ بھاری ہے آسمانوں میں
اور زمین میں۔ وہ تم پر اچانک ہی آئے گی
یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ اس
طرح کہ گویا آپ اس کا یعنی قیامت کے
وقت خاص کا علم رکھتے ہیں۔ یا یہ مطلب
ہے کہ یہ لوگ آپ سے قیامت کا اس
طرح سوال کرتے ہیں۔ کہ گویا آپ
ان پر بڑے مہربان ہیں۔ چنانچہ قریش
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
کہا تھا۔ کہ ہم آپ کے عزیز قریب
ہیں۔ لہذا ہم کو تو بتلا دیجیے۔ کہ
قیامت کب آئے گی۔؟ بہر حال
آپ ان سے فرما دیجیے۔ کہ اس
کا علم بس خدا ہی کو ہے۔ کسی دوسرے
کو اس کی کچھ اطلاع ہی نہیں۔

کانک فی موقع الحال ای	مزید تاکید کے لئے اس جواب کو
مشبہا حالک بحال الحفی	مکرر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن بہت
(قل انما علمہا عند اللہ) لا	سے لوگ نہیں جانتے کہ اس کا علم
یطلع علیہ احد کررہ تاکیداً	بس خدا ہی سے مختص ہے۔
(ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔)	(ملخصاً)
ان علمہا مختص باللہ تعالیٰ۔	(تفسیر جامع البیان ص۱۴۳)

اور علامہ ابوالسعودؒ (قل انما علمہا عند ربی۔) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

معنی کونہ عندہ تعالیٰ	علم قیامت کے صرف خدا ہی کے پاس
خاصۃ انہ تعالیٰ قد	ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے
استاثر بہ بحیث لم یخبر	ہی واسطے اس کو خاص کر رکھا ہے اس
بہ احداً من ملک مقرب	طور پر کہ کسی ملک مقرب اور نبی مرسل
ونبی مرسل (ص۵۴۲ ج ۲)	کو بھی اس کی خبر نہیں دی ہے۔

پھر (لا یجلیہا لوقتہا الا ھو) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ۔

لا یکشف عنہا ولا یظہر امرہا الذی	حق تعالیٰ بذاتِ خود قیامت کے معاملہ کو
تسئلوننی عنہ الا ھو بالذات	ظاہر کرے گا۔ اس طرح پر کہ جب اس کا
من غیر ان یشعر بہ احد من	وقت مقرر آجائے گا تو اس کو قائم کر کے
المخلوقین فیتوسط فی	مشاہدہ کرادے گا تو اسی وقت مخلوقات کو
اظہارہ لہم لکن لا بان	معلوم ہو جائے گا کہ یہ وہی وقت موعود ہے
یخبرہم بوقتہا قبل مجیئہ	ایسا نہیں ہوگا کہ اس کے قائم ہونے سے
کما ھو المسئول بل بان یقیمہا	پہلے حق تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو اس
فیشاھد وھا عیاناً کما یفصح	کی اطلاع دے دیں اور پھر وہ دوسروں کو
عنہ التجلیۃ المنبئۃ عن	بتلادے (جیسا کہ ان سوال کرنے والوں کا
الکشف التام المزیل للابہام	مقصد تھا) بہرحال عام مخلوق کو قیامت کے وقت

بالكلية. وقوله لوقتها قيد للتجلية بعد ورود الاستثناء عليها الا قبله كانه قيل لا يجليها الا هو في وقتها الا انه قدم على الاستثنا للتنبيه من اول الامر على ان تجليتها ليست بطريق الاخبا بوقتها بل باظهار عينها في وقتها الذي يسئلون عنه.

(صہ ۵۴۲ ج ۴)

کا علم اسی وقت ہوگا جب وہ آجائے گی اور بذریعہ مشاہدہ ہوگا نہ بذریعہ اخبار اور یہ بات لا یجلیہا کے لفظ سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ تجلیہ انکشاف تام کو چاہتا ہے۔ جس کے بعد کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ اور یہ چیز مشاہدہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور لوقتہا۔ کی تقدیم سے بھی اسی پر تنبیہہ کرنی مقصود ہے کہ یہ انکشاف بذریعہ اخبار نہیں ہوگا۔ بلکہ عین وقت پر بذریعہ مشاہدہ ہی ہوگا۔ (ملخصاً)

پھر آیت کے آخری حصہ۔ یسئلونک کانک حفی عنہا الایۃ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

والمعنى كانك فرح بالسوال عنها تحبه مع انك كاره له لما انه تعرض لحرم الغيب الذي استاثر الله عز وجل بعلمه. قل انما علمها عند الله. ولكن اكثر الناس لا يعلمون اي لا يعلمون ما ذكر من اختصاص علمها به تعالى فبعضهم ينكرونها راسا فلا يعلمون شيئا مما ذكر قطعا وبعضهم يعلمون انها واقعة البتة ويزعمون انك واقف

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ کو اس سوال سے خوشی ہوتی ہے۔ اور گویا آپ چاہتے ہیں کہ یہ سوال کیا جائے حالانکہ آپ کو یہ سوال سخت ناگوار ہے کیونکہ اس میں اللہ عز وجل کے اُس غیب کے پردہ سے چھیڑ چھاڑ ہے جس کو اس نے اپنے ہی لئے خاص کر لیا ہے آپ صاف فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے یعنی ان کو اس کی خبر نہیں کہ یہ علم مخصوصات باری تعالیٰ میں سے ہے چنانچہ ان میں سے بعض جاہل تو سرے سے

علیٰ وقتها فیسئلونک عنها جهلاً۔ (تفسیر ابو السعودؒ صفحہ نمبر ۵۴۴ و ۵۴۵ ج ۴)

قیامت ہی کے منکر ہیں اور بعضے جاہل وہ ہیں جو یہ تو جانتے ہیں کہ قیامت آئے گی مگر اسی کے ساتھ (از راہِ جہالت) یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ آپ کو اس کے وقت خاص کا پتہ ہے۔ اسی بنا پر وہ آپ سے اس کے متعلق ہی سوال کرتے ہیں۔ ملخصاً۔

افسوس اس جاہل و نادان گروہ کی نسل آج مدعیانِ اسلام میں بھی موجود ہے جو صرف وہم و گمان ہی نہیں بلکہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ دعویٰ کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یقیناً قیامت کے وقتِ خاص کا علم تھا۔

آیتِ کریمہ کے متعلق صحابہ و تابعین کے ارشادات اور دیگر ائمہ مفسرین کی تصریحات ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے جس کے بعد آیت کو اپنے مدعا پر منطبق کرنے کے لئے ہم کسی تقریر کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے لیکن یہاں اربابِ بصیرت کے لئے یہ چیز ضرور قابلِ لحاظ ہے۔ کہ اگرچہ ہم نے اس آیت کو ایک دلیل شمار کیا ہے۔ مگر فی الحقیقت اسی ایک آیت میں ہماری چند مستقل دلیلیں ہیں اور اس آیت کا ہر ہر جز ہمارے دعوے کا روشن ثبوت ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ آیت کا پہلا جز۔ یسئلونك عن الساعة ايان مرسٰها قل انما علمها عند الله۔ ایک مستقل دلیل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی۔ آپ فرما دیجئے۔ کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

دوسرا جز۔ لا یجلیها لوقتها الا هو۔ ایک مستقل دلیل ہے جس کا مطلب حسب تصریحات مفسرین (علامہ ابو السعودؒ، علامہ معین بن صفیؒ، قاضی بیضاویؒ) یہ ہے کہ خدا خود ہی اس کو یعنی قیامت کو۔ اس کے آنے کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ اور اس کے آنے سے پہلے یہ خفا مستمر رہے گا۔

علیٰ ہذا تیسرا جز۔ ثقلت فی السمٰوٰت والارض۔ ایک مستقل دلیل ہے۔ چنانچہ

اکثر مفسرین نے "ثقلت" کی تفسیر "خفیت" سے ہی کی ہے۔ کما مر سابقاً۔

اسی طرح چوتھا جزء۔ لاتاتیکم الا بغتة۔ بھی مستقل دلیل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت اچانک ہی آئے گی۔ یعنی مخلوق کو پہلے سے اس کی اطلاع نہ ہوگی۔

ایسے ہی پانچواں جزء۔ یسئلونك كانك حفی عنها۔ ایک مستقل دلیل ہے جب کہ۔ حفی عنها۔ کی تفسیر۔ عالم بها۔ سے کی جائے جیسے کہ بہت سے مفسرین نے کی ہے۔

اور چھٹا جزء۔ قل انما علمها عند ربی۔ بھی ایک مستقل دلیل ہے جس میں علم قیامت کے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا نہایت صفائی سے اعلان کیا گیا ہے۔

بہرحال اس ایک آیت میں چھ دفعہ مختلف انداز اور مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ کہ قیامت کے وقت کا علم حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور کسی آسمانی یا زمینی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں۔ پس اس کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ کی کسی مخلوق کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ ان کو بھی قیامت کے وقتِ خاص کا علم ہے۔ تو یقیناً وہ قرآن سے جنگ اور حق جل جلالہٗ سے بغاوت کرتے ہیں۔

واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم۔

آیت (۳)

یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ وَ مَا یُدْرِیكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا۔ سورہ احزاب۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

سوال مے کنند مردماں از قیامت۔ بگو جز ایں نیست کہ معرفت آں نزدیک خدا است وچہ چیز خبر داد ترا۔ شاید کہ قیامت موجود شود در زمانِ نزدیک۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کو۔ تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو۔ (امام التراجم)

چونکہ اس آیت کا مضمون قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی آیت کا ہے اس لئے اس کے متعلق حضرات مفسرین کی عبارات نقل کرنے میں ہم زیادہ اختصار سے کام لیں گے۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

یقول تعالٰی مخبرًا لرسوله	اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول
صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ	(صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کو بتلایا ہے۔
انه لاعلم له بالساعة وان	کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں ہے۔ اگرچہ
سألہ الناس عن ذالك و	لوگ پوچھا کریں اور آپ کو ہدایت کی ہے
ارشدہٗ ان یرد علمہا الی اللہ	کہ اس کے علم کو خدا ہی کے سپرد کریں جیسا
عزوجل کما قال تعالٰی فی سورۃ	کہ سورۂ اعراف (کی مذکورہ بالا آیت)
الاعراف وھی مکیۃ و	میں بھی یہی حکم دیا ہے اور وہ آیت مکی ہے

هٰذا مدنیۃ فاستمر الحال	اور یہ مدنی ہے۔ پس علم قیامت کو اس کے
فی رد علمها الی الذی یقیمها	قائم کرنے والے ہی کے حوالے کرنا مستمر
لکن اخبره انها قریبة	رہا۔ البتہ۔ وما یدریك لعل الساعة
بقوله وما یدریك لعل	تکون قریبا۔ فرما کر آپ کو یہ بتلا دیا
الساعة تکون قریبا۔	گیا کہ فی الجملہ وہ قریب ہی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص۱۳۵ ج ۸)

اور امام علی بن محمد خازن تفسیر "لباب التاویل" میں فرماتے ہیں۔

ان المشرکین کانوا یسألون	مشرکین تو از راہِ شرارت عجلت خواہی کے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم	طور پر قیامت کے وقت کے متعلق حضورؐ
عن وقت قیام الساعة استعجالا	سے سوال کرتے تھے اور یہودی امتحان کے
علی سبیل الهزء وکان الیهود	طور پر کیونکہ اللہ تعالےٰ نے تورات میں
یسئلونه امتحانا لان الله	قیامت کے علم کو پوشیدہ رکھا تھا۔ پس
عمیٰ علیهم علم وقتها فی	اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو
التوراة فامر الله تعالیٰ نبیه	حکم دیا کہ آپ ان سب کو جواب دیں کہ
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم	اس کا علم بس خدا ہی کے پاس
ان یجیبهم بقوله (قل انما	ہے۔ یعنی اس نے اپنے ہی
علمها عند الله) یعنی ان الله	لئے اس کو خاص کر لیا ہے۔
تعالیٰ قد استاثر به ولم	اور کسی نبی یا فرشتے کو اس کی
یطلع علیه نبیا ولا ملکا۔	اطلاع نہیں دی ہے۔

(تفسیر خازن ص۲۲۸ ج ۵)

اور امام محی الدین بغویؒ "معالم التنزیل" میں فرماتے ہیں۔

(یسئلك الناس عن الساعة قل انما علمها عند الله وما یدریك) ای ای شیٔ یعلمك امر الساعة ومتیٰ یکون قیامها ای انت لاتعرفه۔
(معالم برحاشیہ خازن ص ۲۲۸ ج ۵)

لوگ آپ سے قیامت کی بابت سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے۔ اور کس نے آپ کو بتایا ہے۔؟ یعنی کس نے آپ کو قیامت کے معاملہ کی خبر دی ہے کہ وہ کب واقع ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو نہیں جانتے کیونکہ آپ کو تبلایا ہی نہیں گیا ہے۔

اور خطیب شربینی کی تفسیر "سراج منیر" میں بھی اس موقع پر یہی الفاظ ہیں۔
(سراج منیر ص ۲۷۲ ج ۳)

اور امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند الله) لایتبین لکم فان الله اخفاها لحکمة۔
(تفسیر کبیر ص ۵۳۷ ج ۶)

آپ فرما دیجیے کہ قیامت کے وقت کا علم بس خدا ہی کو ہے تم کو اس کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک خاص حکمت کی وجہ سے مخفی رکھا ہے۔

اور قاضی بیضاوی "انوار التنزیل" میں فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند الله) لم یطلع علیها ملکا ولا نبیا۔
(بیضاوی ص ۱۷ ج ۲)

آپ فرما دیجیے کہ قیامت کے وقتِ خاص کا علم بس خدا ہی کو ہے اس نے نہ کسی فرشتے کو اس کی اطلاع دی ہے نہ کسی نبی کو۔

اور علامہ معین بن صفیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند الله) لم یطلع علیه احد۔
(جامع البیان ص ۳۵۶)

آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے۔ اس نے کسی کو اس کی خبر نہیں دی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند اللہ وما یدریك) یعلمك بها ای انت لاتعلمها۔	آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔ اور آپ اس کو کیوں کر جانیں یعنی آپ اس کو نہیں جانتے۔

(جلالین صـ۳۵۶)

اور علامہ ابوالسعودؒ۔ قل انما علمها عند اللہ۔ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں

یعنی ان اللہ تعالیٰ قد استاثر به ولم یطلع علیه نبیا ولا ملکا۔	یعنی اللہ تعالیٰ نے اس (علم قیامت) کو اپنے ہی لیے خاص کر لیا ہے اور کسی فرشتے اور کسی نبی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

(تفسیر ابوالسعود صـ۳۵۲ ج ۷)

اور بعینہٖ یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ نسفی حنفیؒ کے ہیں۔ تفسیر مدارک صـ۲۴ ج ۲۔

نیز۔ ان ہر دو مفسرین (علامہ ابوالسعود و علامہ نسفیؒ) نے اس موقعہ پر یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآنِ عزیز سے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں بھی علم قیامت کو پوشیدہ ہی رکھا ہے۔

مگر نہ معلوم اہل بدعت پر اب کون سی نئی وحی ہوئی ہے جس نے ان کو بتلایا کہ یہ علم حق تعالیٰ نے دوسروں کو بھی عطا فرمایا ہے۔

ان یتبعون الا الظن وما تهوی الانفس ولقد جاءهم من ربهم الهدیٰ۔

آیت (۴)

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (سورہ ملک ع ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

می گویند کافراں کے باشد ایں وعدہ اگر راست گوئید۔ بگو جز ایں نیست کہ علم نزدیک خداست وجز ایں نیست کہ من بیم کنندہ آشکارم
(فتح الرحمٰن از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ اسی آیت کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ۔
اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر ۔
(امام التراجم از حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ)

اس آیت سے پہلی آیت میں حشر نشر (قیامت) کا ذکر ہے اسی کے متعلق کافروں کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ یہ قیامت جس کا بار بار ہم سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔ بتلایا جائے کہ کب آئے گی۔ حسب سابق یہاں بھی اس کا یہی جواب دیا گیا کہ اس کے وقت کا علم بس خدا ہی کو ہے ۔ اگرچہ آیت کا مضمون بجائے خود واضح ہے مگر ہم اپنے التزام سے بموجب چند ائمہ مفسرین کے اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں ۔
عمدۃ المفسرین حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اسی آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں ۔

(قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیر مبین) ای لا یعلم وقت ذالک علی التعیین الا اللہ عزوجل لکنہ امرنی ان اخبرکم ان ھٰذا کائن و واقع لا محالۃ فاحذروہ ۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۲ ج ۱۰)	اور آپ فرما دیجیے کہ اس (وعدۂ قیامت) کا علم خدا ہی کے پاس ہے اور میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں اس کے معین اور مقررہ وقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس قیامت کی خبر دے دوں کہ وہ ضرور آنے والی ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرتے رہو۔

اور علامہ معین ابن صفی فرماتے ہیں ۔

(قل انما العلم) ای علم وقت	آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم یعنی حشر کے وقت

الحشر (عند الله۔) لا یعلمہ الا ھو۔	خاص کا علم بس خدا ہی کو ہے اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔

جامع البیان ص ۶۶ ج ۹

اور علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں

(قل انما العلم عند الله) ای العلم بوقت مجیٔ الساعۃ عندہ عز وجل لا یطلع علیہ غیرہ۔	آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے یعنی قیامت کے آنے کے وقتِ خاص کا علم بس اللہ عز وجل ہی کو ہے اس کے سوا کسی کو اس کی اطلاع نہیں۔

(تفسیر ابوالسعود ص ۳۰۷ ج ۸)

اور بعینہٖ یہی الفاظ اس موقعہ پر قاضی بیضاوی کے ہیں۔ تفسیر بیضاوی ص ۳۲۹ ج ۲۔
اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

المراد ان العلم بالوقوع غیر العلم بوقت الوقوع فالعلم الاول حاصل عندی وھو کاف فی الانذار والتحذیر واما العلم الثانی فلیس الا الله ولا حاجۃ فی کونی نذیرا مبینا الیہ۔	اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے نفس وقوع کا علم اور چیز ہے اور اس کے وقتِ خاص کا علم علیحدہ چیز ہے پس پہلا علم یعنی اتنا علم کہ قیامت ضرور ایک دن آئے گی۔ یہ تو مجھ کو حاصل ہے اور انذار و تخویف کیلئے وہی کافی ہے اور دوسرا علم یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے اور میرے نذیر مبین ہونے کیلئے اس کی ضرورت بھی نہیں۔

(تفسیر کبیر ص ۱۹۱ ج ۸)

آیت (۵)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۔ (سورہ یونس ع ۵)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

او مے گویند کے باشد ایں وعدہ اگر ہستید راست گو۔ بگو نمی تواتم برائے خود زیانے و نہ سودے مگر آنچہ خواستہ است خدا۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے۔

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے بُرے کا نہ بھلے کا۔ مگر جو چاہے اللہ۔ (امام التراجم)

یہاں بھی قیامت کے وقتِ خاص کے متعلق سوال ہوا تھا۔ جس کے جواب میں کوئی وقت نہیں بتلایا گیا۔ بلکہ مزید ترقی کر کے یہ جواب دیا گیا کہ (تم قیامت کے وقت کو پوچھتے ہو جس کا تعلق تمامی مخلوق سے ہے) میں تو اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا وہ بھی خدا ہی کے زیر مشیت ہے۔ گویا نہایت لطیف اشارہ کر دیا گیا کہ تمہارا یہ سوال نہایت بے محل ہے اور قیامت کا علم بس اللہ ہی کو ہے۔ اس توجیہہ کے بعد سوال و جواب میں مطابقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

بہرحال اس آیت کا مآل بھی تقریباً وہی ہے جو اس سے پہلی آیت کا تھا۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی المعروف بہ خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

والمعنیٰ ان انزال العذاب علی الاعداء واظہار النصر	مطلب یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنا اور دوستوں کو مدد دینا اور قیامت کے

للاولیاء وعلم قیام الساعة لایقدر علیه الا اللہ فتعیین الوقت الی اللہ سبحانہ و تعالیٰ بحسب مشیئتہ۔	قائم ہونے کا علم ان پر خدا کے سوا کوئی قادر نہیں۔ پس وقت کی تعین اسی کے قبضہ میں ہے۔ موافق اس کی مشیت کے۔

(خازن صفحہ ۱۵۸ ج ۳)

اور عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث امام ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اسی کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

(قل لا املك لنفسی ضراً و لا نفعاً الا ماشاء اللہ) ای لا اقول الا ماعلمنی ولا اقدر علی شئ مما استاثر به الا ان یطلعنی علیه فانا عبدہ و رسوله الیکم وقد اخبرتکم بمجئ الساعة وانها کائنته ولم یطلعنی علی وقتها۔	(جواب کا مطلب یہ ہے کہ تم سے) میں نہیں کہتا مگر وہ جو اللہ تعالیٰ مجھے تعلیم فرماتا ہے اور جو چیزیں حق تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمائی ہیں میں ان پر قادر نہیں ہوں مگر یہ کہ وہ مجھے اس کی اطلاع دیدے، میں تو اس کا بندہ ہوں۔ اور اس کا رسول ہوں بھیجا ہوا تمہاری طرف اور میں نے تم کو قیامت کے آنے کی خبر دے دی ہے اور بالیقین وہ آنے والی ہے اور اس خدا نے مجھے اس کے وقتِ معین کی اطلاع نہیں دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۱۹ ج ۵)

چونکہ اس آیت کا مضمون وہی ہے جو چوتھی آیت کا تھا۔ اس لئے اس سے زیادہ توضیح وتشریح کی ضرورت نہیں۔

آیت (۶)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا۔ سورہ بنی اسرائیل ع ۵۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ۔
و خواہند گفت کے باشد آں بگو کہ شاید کہ نزدیک باشد (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔
اور کہیں گے کب ہے وہ تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو گا ۔ (امام التراجم)

یہاں بھی وقتِ قیامت کے سوال کے جواب میں صرف اس کا قربِ زمانی بیان فرمایا گیا کوئی خاص وقت نہیں بتلایا گیا ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے وقتِ مخصوص کا علم کسی کو دینا حق تعالیٰ کو منظور ہی نہیں چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ اسی نکتہ پر تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

واعلم انه تعالیٰ بین فی القرآن انه لا یطلع احدا من الخلق علی وقته المعین فقال ان الله عنده علم الساعة وقال ۔ انما علمها عند ربی ۔ وقال ان الساعة اٰتیة اکاد اخفیها ۔ فلاجرم قال تعالیٰ ۔ قل عسیٰ ان یکون قریباً ۔
(تفسیر کبیر صفحہ ۴۱۴ ج ۵)

معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف طور پر سے بیان فرمادیا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی قیامت کے وقت مقرر کی اطلاع نہیں دے گا چنانچہ فرماتا ہے کہ ۔ ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ ۔ اور فرماتا ہے ۔ انما علمہا عند ربی ۔ اور فرماتا ہے ان الساعۃ آتیۃ اکاد اخفیہا ۔ پس اسی لئے فرمایا کہ شاید وہ قیامت قریب ہی ہو یعنی چونکہ اس کے وقتِ خاص کی اطلاع دینا منظور نہ تھی اس لئے اس کا صرف قریب ہونا ظاہر فرمادیا ۔

اور امام رازیؒ علیہ الرحمۃ کی اس عبارت کو خطیب شربینی نے تفسیر سراج منیر میں بھی نقل کیا ہے ۔ (سراج منیر صفحہ ۳۱۰ ج ۲)

چونکہ یہ آیت بھی پہلی دونوں آیتوں کے ہم مضمون ہے اس لئے اس کے متعلق بھی کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ۔

آیت (۷)

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُکُمْ عَلٰی سَوَآءٍ۔ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۔ (سورہ انبیاء ع ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

بگو جز این نیست کہ وحی فرستادہ میشود بسوئے من کہ معبود شما خدائے یکتا است پس آیا گردن نہندہ ہستید پس اگر اعراض کنند پس بگو خبردار ساختم شمارا بر وجہے کہ ہمہ برابر باشد و نمیدانم کہ نزدیک ست یا دور ست آنچہ وعدہ دادہ میشوید۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو کہہ کہ مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ صاحب تمہارا ایک صاحب ہے، پھر ہو تم حکم برداری کرتے۔ پھر اگر منہ موڑیں تو تو کہہ میں نے خبر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔

(امام التراجم)

اس آیت سے کچھ پہلے بعث بعد الموت (قیامت) کا ذکر فرمایا گیا ہے[1]۔ اس کے بعد حضور کی شان رسالت اور آپ کا سراپا رحمت ہونا بیان کیا گیا ہے[2]۔ بعد ازاں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو توحید کامل کی دعوت دیجیے اور اگر وہ بدنصیب اُس سے روگردانی

---

[1] وھو قولہ تعالیٰ۔ کما بدأنا اوّل خلق نعیدہ۔ وعداً علینا انا کنا فاعلین۔

[2] وھو قولہ تعالیٰ۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ ۱۲

کریں تو فرما دیجیے کہ میں نے قیامت اور عذاب سے تم کو خبردار کر دیا ہے اور یہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ ابھی قریب ہی ہے یا ابھی دور ہے۔

شاید یہاں کسی کو شبہ ہو کہ قیامت کے قریب ہونے کی خبر تو خود قرآن مجید میں متعدد جگہ دی گئی ہے[1] نیز۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بھی اس کے قرب کی اطلاع دی ہے۔ پھر اس آیت میں قرب و بعد کے علم کی نفی کیسے کی گئی۔ سو اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ قرب اور بعد اضافی چیزیں ہیں۔ جن آیات و احادیث میں قیامت کا قریب ہونا بتلایا گیا ہے۔ اُن کی مراد یہ ہے کہ آغاز دنیا سے جتنا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک گذرا ہے قیامت کے آنے میں اس سے کم عرصہ باقی ہے (علاوہ ازیں یہ کہ اہل عرب ہر مستقبل میں آنے والی چیز کو بھی قریب کہہ دیتے ہیں۔ ما ابعد ما فات وما اقربُ ما ھو آت)

اور جن نصوص میں اس کے قرب و بعد کے علم کی نفی کی گئی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کے زمانہ کی صحیح مقدار معلوم نہیں بہر حال حسب تصریحات مفسرین (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اس آیت کریمہ میں بھی قیامت یا عذاب کے وقت معین کا معلوم نہ ہونا ہی بیان فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی المعروف بہ خازن اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وان ادری اقریب ام بعید ما توعدون۔ یعنی یوم القیامۃ لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ۔	اور میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا دور ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔
(خازن ص ۲۶۴ ج ۴)	

[1] کما قال تعالیٰ۔ اقترب للناس حسابھم۔ وقال۔ اقتربت الساعۃ۔ وقال عسیٰ ان یکون قریبا۔ الیٰ غیر ذالک من الآیات ۱۲ منہ

اور بعض مفسرین نے ۔ ماتوعدون ۔ کی تفسیر میں علاوہ قیامت کے عذاب دنیوی اور غلبۂ اہل اسلام کو بھی ذکر کیا ہے ۔

چنانچہ علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں ۔

ای لا ادری متیٰ یکون یوم القیٰمۃ لان اللہ تعالیٰ لم یطلعنی علیہ ۔ او لا ادری متیٰ یحل بکم العذاب ان لم تومنوا ۔	یعنی مجھے معلوم نہیں کہ کب ہوگا قیامت کا دن کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اطلاع نہیں دی ۔ یا یہ کہ مجھے خبر نہیں ۔ کہ تمہارے ایمان نہ لانے کی صورت میں کب تم پر عذاب نازل ہوگا ۔

(مدارک صـ۷۱ ج ۳)

اور تفسیر جلالین میں ہے ۔

(وان) ما ادری اقریب ام بعید ماتوعدون من العذاب او القیٰمۃ المشتملۃ علیہ وانما یعلمہ اللہ تعالیٰ ۔	یعنی میں نہیں جانتا کہ قریب ہی ہے یا دور ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔ یعنی عذاب موعود یا قیامت جو اس عذاب پر مشتمل ہے ۔ اور اس کی خبر بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ۔
(جلالین صـ۲۷۶)	

اور علامہ معین بن صفی نے بھی ۔ ماتوعدون ۔ کی تفسیر میں علی سبیل الترديد ۔ عذاب اور قیامت ۔ دونوں کو ذکر کیا ہے ۔ (جامع البیان صـ۲۷۶)

اور خطیب شربینی نے ان دونوں احتمالوں کے ساتھ تیسرا احتمال غلبۂ مسلمین کا بھی ذکر کیا ہے ۔ ان کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں ۔

(وان) ای وما (ادری اقریب) جدا بحیث یکون قربہ علی ما یتعارفونہ (ام بعید ماتوعدون) من غلب	اور میں نہیں جانتا کہ آیا زیادہ قریب ہے یعنی اتنے قریب جس کو عرف عام میں قریب کہا جاتا ہے ۔ یا دور ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی تم پر مسلمانوں کا غالب

المسلمین علیکم او عذاب	ہونا یا اللہ کا عذاب یا وہ قیامت جو عذاب
اللہ او القیامۃ المشتملۃ	پر مشتمل ہوگی اور یقیناً یہ وعدہ ضرور وقوع
علیہ۔ وان ذالک کائن لا	میں آنے والا ہے۔ اور لابد تم کو اس کی وجہ
محالۃ ولابدان یلحقکم	سے ذلت وخواری بھی ہونی ہے۔ اگرچہ
بذالک الذلۃ والصغار	میں یہ نہیں جانتا کہ کب ہوگا۔ کیونکہ
وان کنت لا ادری متی یکون	اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ علم عطا نہیں
ذالک لان اللہ تعالیٰ لم	فرمایا۔ اور اس کی اطلاع نہیں دی
یعلمنی علمہ ولم یطلعنی	اور اس کو بس اللہ تعالیٰ خود ہی
علیہ وانما یعلمہ اللہ تعالیٰ۔	جانتا ہے۔

(تفسیر سراج منیر صفحہ ۵۳۲ ج ۲)

اور علامہ ابوالسعود اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہما نے اس کی تفسیر میں صرف قیامت اور غلبہ مسلمین کو ذکر فرمایا ہے (تفسیر ابوالسعود صفحہ ۳۴۴ ج ۶ و تفسیر بیضاوی صفحہ ۵۶ ج ۲)

بہر حال خواہ ماتوعدون کی تفسیر قیامت سے کی جائے۔ خواہ عذاب سے خواہ غلبہ مسلمین سے۔ بہر تقدیر آیت میں ہمارے لئے حجۃ واضحہ ہے اور چونکہ تینوں احتمالوں میں کوئی تدافع نہیں۔ اس لئے تینوں چیزیں بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ اور اگر ایک ہی احتمال پر انحصار کیا جائے تو پھر قیامت ہی مراد لی جائے گی۔ کیونکہ سیاق اُسی کی تائید کر رہا ہے۔ اور اسی لئے کسی مفسر نے قیامت کے احتمال کو نظر انداز بھی نہیں کیا ہے اور ہم نے بھی اسی واسطے آیاتِ متعلقہ علم قیامت کے ذیل اس کو درج کیا ہے۔

آیت (۸)

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا (سورۃ جن ع ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمے میں فرماتے ہیں۔

بگو نمیدانم آیا نزدیک ست آنچہ وعدہ دادہ میشود شما را یا مقرر کند
برائے او پروردگار من میعادے۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ ہے۔ یا
کردے اس کو میرا رب ایک مدت کی حد۔ (امام التراجم)

چونکہ یہ آیت۔ آیتِ سابقہ کے بالکل ہم مضمون ہے۔ اس لیے اس کی تفسیر میں ہم صرف ایک جامع عبارت امام المفسرین حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردینا کافی سمجھتے ہیں امام موصوف ارقام فرماتے ہیں۔

يقول تعالى آمرا رسوله صلى الله عليه وسلم ان يقول الناس انه لا علم له بوقت الساعة ولا يدري اقريب وقتها ام بعيد۔ قل ان ادري اقريب ما توعدون۔ ام يجعل له ربي امدًا اى مدةً طويلةً۔ وقد كان صلى الله عليه وسلم يسئل عن وقت الساعة فلا يجيب عنها ولما تبدى له جبرئيل في صورة اعرابي كان فيما سئاله ان قال يا محمد فاخبرني عن الساعة فقال ما

حق تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیتے ہوئے کہ آپ لوگوں سے فرما دیجیے کہ مجھ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں۔ ارشاد فرماتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے خبر نہیں کہ آیا قریب ہی ہے وہ قیامت جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ یا میرا خدا اس کے لیے کوئی طویل مدت مقرر کرے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کا سوال کیا جاتا تھا تو آپ اس کا جواب نہیں دیتے تھے اور جب حضرت جبرئیل ایک بدوی کی شکل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ سوالات کیے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اے محمدؐ مجھ کو بتلائیے کہ قیامت

المسئول عنها باعلم من السائل۔ — کب ہوگی تو حضورؐ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس بارہ میں میرا علم تم سے زیادہ نہیں۔ یعنی اس کی کسی کو خبر نہیں۔

(تفسیر ابن کثیر صـ۹۶ ج ۱۰)

آیتِ سابقہ کی طرح اس آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ قیامت کا نفس قرب اور بعد بھی نامعلوم ہے حالانکہ دوسری آیات اور بہت سی احادیث میں اس کے قریب ہونے کی اطلاع موجود ہے۔ اس اشکال کا مفصل جواب ہم آیتِ سابقہ کے ذیل میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اُسی کو امام رازیؒ کے مختصر الفاظ میں پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام موصوف آیت کی تفسیر سے فارغ ہونے کے بعد فرماتے ہیں۔

فان قیل الیس انه صلی اللہ علیه وسلم قال۔ بعثت انا والساعة کهاتین۔ فکان عالمًا۔ بقرب وقوع القیٰمة فکیف قال ھٰھنا۔ لا ادری اقریب ام بعید۔ اجیب بان المراد بقرب وقوعه هو ان ما بقیٰ من الدنیا اقل مما انقضیٰ فھٰذا القدر من القرب معلوم فاما معرفة مقدار القرب فغیر معلوم۔

پس اگر شبہ کیا جائے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ میری بعثت اور قیامت میں اتنا قرب ہے جتنا انگشت شہادت اور اس کے قریب والی انگلی میں تو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو قربِ قیامت کا علم تھا پھر یہاں کیسے فرمایا کہ مجھے اس کے قرب و بعد کی خبر نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے قرب ہونے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیا کی باقی ماندہ عمر اس گزشتہ عمر سے کم ہے۔ بس اتنا قرب تو معلوم ہے۔ لیکن اس قرب کی ٹھیک مقدار معلوم نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر صـ۳۴۳ ج ۸)

اور بعینہٖ یہی الفاظ اس موقع پر خطیب شربینیؒ کے بھی ہیں (تفسیر سراج منیر صـ۴۰۸ ج ۴)

آیت (۹)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۔ (انعام ع ۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ۔

اوست آنکہ بیافرید شمارا از گل باز مقرر کرد وقتِ مرگ را و مدتے معین ہست نزدیک او باز شما شک مے کنید ۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

وہی ہے جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے پھر ٹھہرایا ایک وعدہ اور ایک وعدہ ٹھہر رہا ہے اس کے پاس پھر تم شک لاتے ہو ۔ (امام التراجم)

اس آیت میں انسان کے لیے دو اجلوں کا بیان ہے اور اُن کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں ۔ راجح تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے انسان کی موت مراد ہے ۔ اور دوسری اجل سے اجل قیامت اور اس کی تعیین بس حق تعالےٰ کے پاس ہے ۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ پر فائدہ لکھتے ہیں ۔

سو ایک اجل ہے ہر شخص کی وہ نہیں جانتا پر فرشتے جانتے ہیں ۔ اور ایک اجل ہے سب خلق کی سو کوئی نہیں جانتا ۔

(فوائد موضح قرآن از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر جلالین میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے ۔ (جلالین ص ۸۷)

اور علامہ نسفی حنفیؒ نے بھی اسی قول کو لیا ہے ۔ اگرچہ احتمال کے طور پر دوسرے اقوال بھی ذکر کیے ہیں ۔ (مدارک ص ۳ ج ۴)

اور علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے احتمالات کے ساتھ اس کو

بھی ذکر کیا ہے۔عبارت علامہ موصوف کی یہ ہے۔

وقیل الاجل ھوالوقت المقدر فاجل کل انسان مقدر معلوم عند اللہ لا یزید ولا ینقص والاجل الثانی ھو اجل القیمٰة وھو ایضاً مقدر معلوم عند اللہ لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ۔	اور کہا گیا ہے۔ کہ اجل کے معنی وقت مقدر کے ہیں پس ہر انسان کی اجل مقدر خدا کو معلوم ہے۔نہ اس میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ اور دوسری اجل قیامت کی ہے۔ اور وہ بھی خدا کو معلوم ہے۔ اس کو بجز خداوند تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

بہر حال بنا بر قول راجح اجل ثانی سے اجل قیامت مراد ہے اور "مسمی عندہ" کے لفظ سے اس کے علم کی حق تعالےٰ سے تخصیص جتلانی منظور ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت (۱۰)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۔ (سورہ نمل ع ۵)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

بگو نمیداند ہر کہ در آسمانہا و زمین است غیب را مگر خدا ونمی دانند کہ کے برانگیختہ شوند۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی چیز کی۔ مگر اللہ اور ان کو خبر نہیں کہ کب جلائے جادیں گے۔

(امام التراجم)

محی السنہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شان نزول کے متعلق فرماتے ہیں۔

نزلت فی المشرکین حیث سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن وقت قیام الساعۃ۔ (معالم التنزیل ص۱۲۸ ج ۵)	یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب انہوں نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تھا۔

یہی شانِ نزول تفسیر جلالین صفحہ ۳۲۱ اور تفسیر مدارک صفحہ ۱۶۷ اور جامع البیان صفحہ ۳۲۱ میں بھی مذکور ہے۔

اور علامہ علی بن محمد خازنؔ اسی شانِ نزول کو نقل فرمانے کے بعد آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

والمعنیٰ ان اللہ ھو الذی یعلم الغیب وحدہ ویعلم متی تقوم الساعۃ۔ وما یشعرون ایان یبعثون۔ یعنی ان من فی السمٰوٰت وھم الملائکۃ ومن فی الارض وھم بنو اٰدم لا یعلمون متیٰ یبعثون۔ واللہ تعالیٰ تفرد بعلم ذالک۔ (تفسیر خازن ص۱۲۵ ج ۵)	مطلب آیت کا یہ ہے کہ بس ایک ہی خدا غیب کا علم رکھتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اور نہیں خبر ان کو کہ کب وہ دوبارہ زندہ کیے جاویں گے۔ یعنی جو مخلوق کہ آسمانوں میں ہے (یعنی فرشتے) اور جو مخلوق کہ زمین میں ہے یعنی بنی آدم، ان کو معلوم نہیں۔ کہ کب وہ اٹھائے جاویں گے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے علم کے ساتھ متفرد ہے۔

اور عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث امام ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

یقول تعالیٰ اٰمرا رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقول معلما لجمیع الخلق انہ لا یعلم احد من اھل السمٰوٰت	اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو بتلا دیں کہ آسمان و زمین کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی خدا کے سوا غیب

والارض الغيب الا الله۔ و قوله تعالیٰ۔ الا الله۔ استثناء منقطع ای لا يعلم احد ذالك الا الله عز وجل فانه المتفرد بذالك وحده لا شريك له كما قال تعالیٰ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو الآية وقال تعالیٰ ان الله عنده علم الساعة الیٰ اخر السورة والايات فی هذا كثيرة وقوله تعالیٰ۔ وما يشعرون ايان يبعثون۔ ای وما يشعر الخلائق الساكنون فی السمٰوت والارض بوقت الساعة كما قال تعالیٰ ثقلت فی السمٰوت والارض لا تاتيكم الا بغتة۔ ای ثقل علمها علی اهل السمٰوت والارض وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی قال حدثنا علی بن الجعد قال حدثنا ابو جعفر الرازی عن داؤد بن ابی هند عن الشعبی عن مسروق عن عائشة قالت من زعم انه يعلم

کا علم نہیں رکھتا۔ اور الا اللہ استثنار منقطع ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی غیب کا علم نہیں وہ اس کے ساتھ متفرد ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسا کہ وہ دوسری جگہ بھی فرماتا ہے۔ وعندہ مفاتح الغیب لایعلمہا الا ھو۔ الایۃ۔ اور فرماتا ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔ الایات۔ اور اس بارے میں بہت سی آیتیں قرآن پاک میں ہیں اور۔ ومایشعرون ایان یبعثون۔ کا مطلب یہ ہے۔ کہ زمین و آسمان کی بسنے والی مخلوقات کو قیامت کے وقت کا پتہ نہیں جیسا کہ دوسری جگہ بھی فرمایا ہے۔ ثقلت فی السمٰوت والارض لا تاتیکم الا بغتۃ۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ آسمان وزمین والوں پر قیامت کا علم بہت گراں ہے اور ابن ابی حاتم۔ بسند مذکور۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ۔ جو شخص گمان کرے کہ حضورؐ کل (آئندہ) ہونے والی باتوں کو جانتے تھے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا کیونکہ

یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما یکون فی غد فقد اعظم علی اللہ الفریہ لان اللہ تعالیٰ یقول قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ۔

وہ تو فرماتا ہے۔ لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی غیب سے باخبر نہیں۔

اس کے بعد علامہ ممدوح اس آیت سے بعد والی آیت۔ بل ادارک علمھم فی الاخرۃ۔ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقرء آخرون۔ بل ادارک علمھم ای تساوی علمھم فی ذالک کما فی الصحیح لمسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لجبرئیل وقد سأل عن وقت الساعۃ۔ ما المسؤل عنھا باعلم من السائل ای تساوی فی العجز عن درک ذالک علم المسؤل والسائل۔

(تفسیر ابن کثیر صـــــ ۲۲۹ ج ۷)

دوسرے قراء نے بجائے بل ادارک کے بل ادرک پڑھا ہے اس بنا پر آیت کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ اہل ارض و سما کا علم قیامت کے معاملہ میں برابر ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضور نے وقت قیامت کے سوال کے جواب میں حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ مسئول (یعنی میں) سائل (یعنی تم) سے۔ اس بارہ میں زیادہ علم نہیں رکھتا۔ مطلب یہ تھا کہ اس علم کی تحصیل سے عاجز رہنے میں سائل و مسئول برابر ہیں۔

آیت (۱۱)

اِلَیۡہِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَۃِ۔ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَکۡمَامِہَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِہٖ۔ (حٰم سجدہ ع ۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

بسوئے خدا حوالہ کردہ میشود معرفتِ قیامت و بیروں نمی آید اجناس

میوہ از غلافہائے خود دور شکم رحمی گیرد ہیچ زنے ومی نہد بار شکم را مگر بدانست خدا۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اسی کی طرف حوالہ ہے خبر قیامت کی اور کوئی میوے نہیں جو نکلتے ہیں اپنے غلاف سے اور گابہ نہیں رہتا کسی مادہ کو اور نہ وہ جنے جس کی اس کو خبر نہیں۔

(امام التراجم)

اس آیت کے ابتدائی حصّہ میں تو یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت (جس میں نظام عالم درہم برہم کر کے از سرِ نو ایک دوسرا نظام تیار کیا جائے گا) اس کے وقت کا علم بس خدا ہی کو ہے اور دوسرے حصّہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ اس عالم کے تکوینی حوادث مثلاً عالم نباتات وعالم حیوانات کے روزمرّہ کے انقلابات کا تفصیلی اور محیط علم بھی حق تعالےٰ ہی کو ہے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

کانّ سائلاً قال متیٰ یکون ذالك	یوں سمجھو کہ۔ گویا سائل نے سوال کیا کہ یہ
الیوم فقال تعالیٰ انہ لاسبیل	روزِ قیامت کب آئے گا تو اللہ تعالیٰ
للخلق الی معرفۃ ذالك الیوم	نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مخلوق کیلئے
ولا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ فقال۔	اس کے علم کی کوئی سبیل نہیں اور اس کو
الیہ یرد علم الساعۃ۔ وھٰذہ	خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ فرما
الکلمۃ تفید الحصر ای	دیا۔ الیہ یرد علم السّاعۃ۔ اور یہ کلمہ
لایعلم وقت الساعۃ بعینہ الا	مفید حصر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ قیامت
اللہ وکما ان ھذا العلم لیس	کے وقت معین کو خدا کے سوا کوئی نہیں
الا عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ	جانتا اور جس طرح کہ یہ علم قیامت خدا کے
فکذالك العلم بحدوث	سوا کسی کو نہیں۔ ایسے ہی آئندہ جو امور اپنے
الحوادث المستقبلۃ فی	اوقاتِ معینہ میں ہونے والے ہیں۔ اِن

اوقاتها المعینة لیس الا عند	سب کا علم (کہ وہ کس طور پر؟ کب؟ کہاں؟
اللہ سبحانه وتعالٰی ثم ذکر	کیوں کر ہوں گے۔ نیز۔ خدا ہی سے مخصوص
من امثلة هٰذا الباب مثالین	ہے۔ پھر خدا نے اس باب کی مثالوں میں
احدھا قوله۔ ما تخرج من	سے یہاں صرف دو مثالیں ذکر فرمائیں۔
ثمرة من اکمامها وثانیها	ایک پھلوں کے اپنے قدرتی غلافوں میں
قوله۔ وما تحمل من انثٰی	سے ظاہر ہونے کی۔ اور دوسری حمل
ولا تضع الا بعلمه۔	اور وضع حمل کی۔

(تفسیر کبیر صـ۲۵۶ ج ۷)

اور خطیب شربینی علیه الرحمة نے بھی اس موقع پر یہی ارقام فرمایا ہے۔

(سراج منیر صـ۵۲۳ ج ۳)

اور۔ الیه یرد علم الساعة۔ کی تفسیر میں علامہ علی بن محمد خازن فرماتے ہیں۔

یعنی اذا سئل عنها سائل قیل	مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب کوئی سائل
له لا یعلم وقت قیام الساعة	قیامت کے وقت کا سوال کرے تو اس
الا اللہ (تفسیر خازن صـ۹۶ ج ۲۱)	سے کہہ دیا جائے کہ قیامت کے وقتِ خاص
	کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور نیز۔ علامہ بغویؒ نے (معالم التنزیل صـ۹۶ پر) اور علامہ نسفیؒ نے (تفسیر مدارک صـ۷۴ ج ۴ پر) اور قاضی بیضاویؒ نے (تفسیر بیضاوی صـ۳۳۶ ج ۲ پر) اور علامہ ابو السعودؒ نے (تفسیر ابی السعود صـ۱۹ ج ۸ پر) اس آیت کی تفسیر میں یہی ارقام فرمایا ہے۔

اور علامہ معین بن صفی ارقام فرماتے ہیں۔

الیه یرد علم الساعة۔ لا	قیامت کا علم خدا ہی پر حوالہ کیا جاتا
یعلمها الا اللہ۔	ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کا
(تفسیر جامع البیان صـ۳۹۸)	علم نہیں۔

اور علامہ جلال الدین محلی تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں۔

الیہ یرد علم الساعۃ۔ متیٰ یکون لا یعلمہ غیرہ۔ (تفسیر جلالین ص۱۳۴)

خدا ہی کی طرف حوالہ کیا جاتا ہے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔؟ اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

اور امام التفسیر والحدیث حافظ عماد الدین بن کثیر فرماتے ہیں۔

(الیہ یرد علم الساعۃ) ای لا یعلم ذالک احد سواہ کما قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو سید البشر لجبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو من سادات الملائکۃ حین سألہ عن الساعۃ فقال ما المسئول عنھا باعلم من السائل وکما قال عزوجل۔ الیٰ ربک منتھاھا۔ وقال جل جلالہٗ لا یجلیھا لوقتھا الا ھو۔

(الیہ یرد علم الساعۃ) کا مطلب یہ ہے کہ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سید البشر ہیں حضرت جبرئیل سے جو سرداران ملائکہ میں سے ہیں۔ وقتِ قیامت کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ مسئول کا علم (اس معاملہ میں) سائل سے زیادہ نہیں۔ اور جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا۔ الیٰ ربک منتھاھا۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ لا یجلیھا لوقتھا الا ھو۔

(تفسیر ابن کثیر ص۹۸ ج۹)

مفسر علیہ الرحمۃ کی غرض یہ ہے کہ جس طرح اس آیت کریمہ میں علم قیامت کا مخصوص بخداوند تعالیٰ ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری آیات اور احادیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

آیت (۱۲)

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (سورۃ زخرف ع ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ونزدیک اوست علم قیامت وبسوے اور جوع کردہ شوید۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور اسی پاس ہے خبر قیامت کی اور اسی تک پھر جاؤ گے۔ (امام التراجم)

علامہ آلوسی مفتی بغداد علیہ الرحمہ اپنی بے نظیر تفسیر۔ روح المعانی۔ میں فرماتے ہیں۔

وعندہٗ علم الساعۃ۔ فی تقدیم الخبر اشارۃ الٰی استئثارہٖ تعالٰی بعلم ذالک۔

خبر کو مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالےٰ نے علم قیامت کو اپنے ہی واسطے خاص کر لیا ہے۔

(روح المعانی ص۳۵ ج ۸)

اور خطیب بغدادی علیہ الرحمہ کے اس موقع پر یہ الفاظ ہیں۔

(وعندہ) وحدہ (علم الساعۃ) (سراج منیر ص۵۷۷ ج ۳)

اور بس ایک خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔

اور علامہ معین بن صفی فرماتے ہیں۔

(وعندہ) لا عند غیرہ (علم الساعۃ) (جامع البیان ص۴۲۶)

اور خدا ہی کے پاس ہے قیامت کا علم نہ اس کے غیر کے پاس۔

آیت (۱۳)

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا۔ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا۔

اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَہٰھَا ۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا ۔ (سورۃ والنزعٰت ع ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ۔

مے پرسند ترا از قیامت کے باشد تحقیق آن ۔ در چہ منزلتے تو از علم آن بسوئے پروردگار تست منتہائے علم آں ۔ جز ایں نیست کہ تو ترسانندۂ کسے را کہ بترسد از وئے ۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہے ٹھہراؤ اس کا ۔ تو کس بات میں ہے اس کے مذکور سے ، تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اس کی ۔ تو تو ڈر سنانے کو ہے ۔ اس کو جو اس سے ڈرتا ہے ۔ (امام التراجم)

اس آیت کے شانِ نزول میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یسئل عن الساعۃ فنزلت فیم انت من ذکرٰھا ۔ (اخرجہ ابن مردویہ در منثور ص ۳۱۴ ج ۶)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قیامت کے وقت کو دریافت فرماتے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا ۔ کہ آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق ؟ ۔

اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ۔

ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ۔ یسٔال عن الساعۃ ۔ حتیٰ انزل علیہ ۔ فیم انت من ذکرٰھا الیٰ ربک منتہٰھا ۔ فلم یسٔال عنھا ۔ اخرجہ البزار و ابن المنذر والحاکم وصححہ و ابن مردویہ ۔ در منثور ص ۳۱۴ ج ۶ ۔	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم برابر قیامت کے متعلق دریافت فرماتے رہے ۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ۔ فیم انت من ذکرٰھا الیٰ ربک منتہٰھا ۔ پھر آپ نے کبھی دریافت نہیں فرمایا ۔

اور اسی کو سعید بن منصور اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت عروہ تابعی سے مرسلاً بھی روایت کیا ہے۔ (در منثور)

نیز۔ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ذکر الساعۃ حتی نزلت فیم انت من ذکراھا الیٰ ربك منتھاھا فکف عنھا۔	فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا بکثرت ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اس کو ترک فرما دیا۔

اخرجہ عبد بن حمید والنسائی وابن جریر والطبرانی وابن مردویہ عن طارق ابن شہاب۔ (در منثور ص ۳۱۴ ج ۶)

ناظرین کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے ان روایات کی تشریح کے طور پر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ آیات نبوّت کے ابتدائی زمانہ کی ہیں۔ اور چونکہ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے وقتِ خاص کا علم مخصوصیات باری تعالیٰ میں سے ہے اس لئے کفار مکہ کے سوال سے متاثر ہو کر آپ بار بار اس کو دریافت فرماتے تھے اور آپ کو اس کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں (جن کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس سے کیا تعلق؟ اس کا علم بس اللہ پر ختم ہے۔ اور آپ کا کام تو بس ان لوگوں کو قیامت کا خوف دلانا ہے جو اس سے خائف ہوں۔ (اور اس کے لئے تعینِ وقت کی ضرورت نہیں) تو آپ نے اس خیال کو چھوڑ دیا۔ لیکن کفار کی جانب سے ازراہ شرارت پھر بھی یہی سوال ہوتا رہا۔ جس کا جواب بار بار قرآنِ مجید میں دیا گیا۔ اس کے بعد آیت کی تفسیر میں ائمہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشاداتِ گرامی ملاحظہ ہوں۔

امام الحدیث والتفسیر حافظ عماد الدین بن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ فیم انت من ذکراہا الی ربک منتہاہا۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای لیس علمها الیك ولا الی احد من الخلق بل مردها ومرجعها الی الله عز وجل فهو الذی یعلم وقتها علی التعیین و لهذا لما سأل جبرئیل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن وقت الساعة قال ما المسئول عنها باعلم من السائل۔

(تفسیر ابن کثیر صـ۱۵۵ ج ۱۰)

یعنی اُس (قیامت کے وقت خاص) کا علم نہ آپ کو ہے نہ کسی اور مخلوق کو بلکہ اس کا مدار اور مرجع بس خدا ہی ہے۔ پس وہی اس کے وقت معیّن کو جانتا ہے۔ اور اسی واسطے جب جناب جبرئیل نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس میں مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں۔ یعنی جس طرح آپ اس کو نہیں جانتے میں بھی نہیں جانتا۔

اور علامہ علی بن محمد خازن۔ لباب التاویل۔ میں فرماتے ہیں۔

یسئلونك۔ ای یا محمد۔ عن الساعة ایان مرسها۔ ای متی ظهورها وقیامها۔ فیم انت من ذکراها۔ ای لست فی شیٔ من علمها وذکراها حتی تهتم لها وتذکر وقتها۔ الی ربك منتهاها۔ ای منتهی علمها لا یعلم متی تقوم الساعة الا هو۔

(تفسیر خازن صـ۱۷۳ ج ۷)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمدؐ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب ہوگا اس کا ٹھہراؤ۔ یعنی وہ کب ظاہر اور قائم ہوگی۔ ہ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر سے۔ یعنی آپ کو اس کے علم و ذکر سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں تک کہ آپ اس کا اہتمام کریں اور اس کے وقت کا خیال کریں۔ آپ کے رب ہی تک ہے اس کی انتہا۔ یعنی اس کا علم بس خدا پر ختم ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی۔

اور امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر معالم التنزیل میں

فرماتے ہیں۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها۔ متیٰ ظهورها وقیامها فیم انت من ذکرٰها۔ لست فی شئ من علمها وذکرٰها ای لا تعلمها۔	لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ کب ہے اُس کا ٹھہراؤ۔ یعنی وہ کب قائم ہوگی۔ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر سے (آپ کو اس کے علم اور ذکر سے کوئی تعلق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو نہیں جانتے۔
(معالم التنزیل صـ۱۷۳ ج ۷)	

اور خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ۔ الی ربك منتهٰها۔ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

الیٰ ربك منتهاها۔ ای منتهی علمها لم یوت علمها احدًا من خلقه کقوله تعالیٰ۔ انما علمها عند ربی وقوله تعالیٰ ان الله عنده علم الساعة۔	کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے وقت کا علم خدا پر ختم ہے اس نے اپنی کسی ایک مخلوق کو بھی اس کا علم عطا نہیں فرمایا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ انما علمها عند ربی۔ اور فرمایا۔ ان الله عنده علم الساعة۔
(تفسیر سراج منیر صـ۴۸۳ ج ۴)	

اور بعینہٖ یہی الفاظ اس موقع پر امام رازی علیہ الرحمہ کے ہیں (تفسیر کبیر صـ۲۵۴ ج ۸)

اور علامہ نسفیؒ کی عبارت اس موقعہ پر یہ ہے۔

الیٰ ربك منتهاها۔ منتهیٰ علمها۔ متیٰ تکون لا یعلمها غیره۔	تیرے رب ہی کی طرف ہے اس کی انتہا۔ یعنی قیامت کے وقت کا علم کہ وہ کب ہوگی خدا پر ہی منتہی ہے اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔
(تفسیر مدارک صـ۲۴۸ ج ۴)	

اور علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وقتها۔ ای وقت الساعة مما استاثر الله یعلمه۔	قیامت کا وقت ان چیزوں میں سے جن کے علم کو خدا نے اپنے ہی واسطے خاص

(تفسیر بیضاوی ص۳۵۸ ج ۲) کر لیا ہے۔

اور علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها فیم انت من ذکرٰها ای فی ای شئ من ان تذکر لهم وقتها وتعلمهم به حتیٰ یسئلونك بیانها لان ذالك فرع علمك وبه وانی لك ذالك وهو مما استاثر بعلمه علام الغیوب الی ربك منتهاها الیه تعالیٰ یرجع منتهٰها علمها ای علمها بکنهها وتفاصیل امرها ووقت وقوعها لا الیٰ احد غیره۔ (تفسیر ابو السعود ص۴۰ ج ۸)	یہ لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ کب ہو گا اس کا ٹھہراؤ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر کرنے سے۔ یعنی آپ کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور آپ کا یہ منصب ہی نہیں کہ آپ ان کو قیامت کا وقت بتلائیں۔ یہاں تک کہ وہ آپ سے اس کے بیان کرنے کا سوال کریں کیونکہ یہ تو جب ہو سکتا ہے جب کہ آپ کو خود اس کا علم ہو۔ اور وہ بھلا آپ کو کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے۔ درانحالیکہ وہ تو ان چیزوں میں سے ہے جن کے علم کو اللہ علام الغیوب نے اپنی ذات پاک کے لئے خاص کر لیا ہے۔ آپ کے پروردگار کی طرف ہی اس کی انتہا ہے۔ یعنی اس کی کنہ کا علم اور اس کی تمام تفصیلات کا علم اور اس کے وقتِ خاص کا علم خدا ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ نہ اس کے غیر کی طرف۔

اور علامہ جلال الدین محلی علیہ الرحمۃ تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں۔

ای لیس عندك علمها حتیٰ تذکرها۔ الیٰ ربك منتهاها	آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے کہ آپ ان سوال

ای منتھی علمھا لا یعلمہ غیرہ۔ (تفسیر جلالین ص۴۸۸)	کرنے والوں کو بتلاسکیں۔ خدا ہی کی طرف اس کی انتہا ہے۔ یعنی اس کا علم بس خدا ہی پر ختم ہے اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔

اور علاّمہ معین بن صفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

الیٰ ربک منتہاھا۔ ای منتھا علمھا الی اللہ وحدہ۔ (تفسیر جامع البیان ص۴۸۸)	یعنی اس کا علم بس اکیلے خدا ہی پر ختم ہے۔

آیت (۱۴)

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ (انعام ع ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ونزدیک اوست کلید ہائے غیب نمیداندش مگر او۔

(فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اور اُسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔

(امام التراجم)

مفاتح الغیب، کی تفسیر میں حضرات مفسرینؒ کے چند اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے اس سے وہ عذاب وثواب مراد لیا ہے جو انسانی ادراکات کی دسترس سے باہر ہے پس اُن کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عذاب وثواب کی تفصیلات بس خدا ہی کے علم میں ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

بعض حضرات نے اس سے زمین وآسمان کے مخفی خزانے مراد لئے ہیں۔ اور بعض حضرات نے اس سے علمِ تقدیر مراد لیا ہے۔ اور بعض نے لوگوں کی عمروں کی تفصیل اور

ان کی سعادت وشقاوت اور خاتمہ کا حال مراد لیا ہے اور اسی کے موافق انہوں نے آیت کی تفسیر کی ہے۔ یہ تمام اقوال تفسیر معالم التنزیل و خازن وغیرہ میں مذکور ہیں۔

لیکن ان سب سے زیادہ راجح اور جامع تفسیر۔ مفاتح الغیب۔ کی وہ ہے جو خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتح الغیب خمس لا یعلمھا الا اللہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت۔ ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مفاتح الغیب یہ پانچ چیزیں ہیں۔ جن کو بجز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا واقعات رونما ہوں گے اور سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ بچہ دانیوں میں کیا ہے۔ (نر یا مادہ) اور اس کے سوا کسی کو خبر نہیں۔ کہ بارش کب ہوگی اور کسی نفس کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی۔

رواہ البخاری عن ابن عمرؓ فی تفسیر سورۃ الرعد

غرض مفاتح الغیب سے یہی پانچوں مخفی چیزیں مراد ہیں اور خدا کے سوا کسی کو بھی ان کا پورا علم نہیں۔

واخرجہ ایضاً احمد و مسلم والفریابی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ وابن مردویہ۔ وخشیش ابن اصرم فی الاستقامۃ کما فی الدر المنثور صـ۱۵ ج ۳ و صـ۱۷۰ ج ۵)

نیز۔ سید المفسرین حبر الامۃ ترجمان القرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی۔ مفاتح الغیب۔ کی تفسیر انہی پانچوں چیزوں سے کی ہے۔
چنانچہ ابن جریر اور ابن المنذر نے اپنی تفسیروں میں حضرت ممدوح سے روایت

کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔

قال ھن خمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الی قولہ علیم خبیر (در منثور صفحہ ۱۵ ج ۳)	مفاتح الغیب۔ وہی پانچ چیزیں ہیں۔ جن کا مخصوص بخدا ہونا۔ سورۃ لقمان کی آخری آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ میں بتلایا گیا ہے۔ اور وہ وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید حضرت مجاہد نے بھی۔ مفاتح الغیب۔ کی تفسیر انہی امور خمسہ سے کی ہے چنانچہ سورۃ لقمان کی آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وھی مفاتح الغیب التی قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ (رواہ ابن جریر و ابن ابی حاتم تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۴، ۲۵ ج ۸)	کہ یہ پانچوں چیزیں وہی مفاتح الغیب ہیں جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مفاتح الغیب کا علم بس خدا ہی کو ہے اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

بہر حال مفاتح الغیب کی یہ تفسیر چونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ اس لئے دوسری تمام تفسیروں سے راجح اور قوی ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ان سب کو جامع اور حاوی بھی ہے۔ کیونکہ ان پانچوں چیزوں میں اصولی طور پر اکثر وہ تکوینی غیوب داخل ہیں۔ جن کا تعلق انسانوں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ غیوب متعلقہ بالعباد کا تعلق یا مبدء سے ہوگا۔ یا معاش سے۔ یا معاد سے اور وہ سب ان پانچوں چیزوں میں آگئے۔

چنانچہ۔ ینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام۔ سے معلوم ہوا کہ کائنات کے مبادی کا پورا علم بس خدا ہی کو ہے۔ پھر لا تدری نفس ماذا تکسب غدا۔ نے بتلایا کہ انسان کو اپنی معاش کا بھی پورا علم نہیں پھر لا تدری نفس بای ارض

نمسوت نے بتلایا کہ انسان کو اپنی شخصی معاد کے متعلق بھی پورے معلومات حاصل نہیں نہیں اور۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔ نے بتلایا کہ قیامت جو تمام عالم کی مجموعی معاد ہے اس کے وقت کی بھی خدا کے سوا کسی کو خبر نہیں۔ پس تکوینی غیوب خواہ ان کا تعلق مبدر سے ہو یا معاش سے یا معاد سے۔ وہ سب اصولی طور پر ان پانچ چیزوں میں داخل ہیں۔ لہٰذا دوسرے مفسرین نے مفاتح الغیب کی تفسیر میں جن بعض مخصوص مغیبات مثلاً عذاب و ثواب، تقدیر، خزائن غیب وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہ سب بھی اس میں آگئے۔

بہرحال مفاتح الغیب کی یہ تفسیر جو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابن عباس اور ان کے لائق شاگرد حضرت مجاہد سے ثابت ہوئی دوسری تمام تفاسیر کو جامع اور اُن سب پر حاوی ہے۔ پس دوسری تمام تفاسیر اس کی مخالف نہیں بلکہ اسی مفہوم کی ناکافی اور غیر جامع تعبیریں ہیں۔ اور اب اس راجح اور جامع تفسیر کی بنا پر آیتِ مندرجہ بالا وعندہ مفاتح الغیب لایعلمہا الا ھو۔ کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا ہی کے علم میں ہیں۔ یہ پانچوں چیزیں۔ یعنی قیامت[۱] کا وقت۔ نزولِ باران کا[۲] وقت اور اس کی کیفیت و کمیت وغیرہ، اور ما فی الارحام[۳] اور اس کی تفصیلی حالت۔ اور زمانۂ مستقبل[۴] میں پیش آنے والے امور، اور ہر شخص کی موت[۵] کا مقام۔

بہرحال اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت بھی علم قیامت کے مخصوص بحق تعالیٰ ہونے پر دال ہے۔ وھو المقصود ھٰھنا۔

ان پانچوں علموں کی تفصیلی بحث اور ان کے مخصوص بحق تعالیٰ ہونے کا مطلب اور رضاخانی تاویلات و تحریفات کے جوابات اگلی آیت کے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

آیت (۱۵)

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۔ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۔ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔

(لقمان ع ۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ہر آئینہ خدا نزدیک اوست علم قیامت وفرود مے فرستد باران را ومیداند آنچہ در شکم حاملہا باشد ونمیداند ہیچ شخصے کہ چہ کار خواہد کرد فردا۔ ونمی داند ہیچ شخصے کہ بکدام زمین خواہد مرد۔ ہر آئینہ خدا دانا خبردار است ۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

اللہ جو ہے اسی کے پاس ہے قیامت کی خبر۔ اور اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو ہے ماں کے پیٹ میں۔ اور کوئی جی نہیں جانتا کیا کرے گا کل۔ اور کوئی جی نہیں جانتا کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ ہے سب جانتا خبردار۔ (امام التراجم)

اس آیت کی شانِ نزول میں فریابی وابن جریر وابن ابی حاتم حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ۔

جاء رجل من اھل البادیۃ فقال ان امرأتی حبلی فاخبرنی ماتلد؟ وبلادنا مجدبۃ فاخبرنی متی ینزل الغیث؟	دیہات کا رہنا والا ایک شخص حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری عورت حاملہ ہے بتلایئے کہ وہ کیا جنے گی؟ اور ہمارے علاقہ کے

وقد علمت متی ولدت فاخبرنی متی اموت ؟ فانزل اللہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ۔ الایۃ ۔

(در منثور صـ۱۷۱ ج ۵ وابن کثیر صـ۲۵ ج ۴)

شہر قحط زدہ ہیں ۔ بتلایئے کہ وہاں بارش کب ہوگی ؟ اور یہ تو مجھے علم ہے کہ میں کب پیدا ہوا تھا ۔ آپ مجھے بتلا دیجیئے کہ میں کب مرونگا ؟ پس اس سائل کے ان سوالات کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتلایا گیا کہ ان باتوں کی خبر بس اللہ ہی کو ہے ۔

اور یہی شانِ نزول ابن المنذرؒ نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے لیکن اس میں ایک چوتھا سوال یہ بھی مذکور ہے کہ ۔ قد علمت ماکسبت الیوم فماذا اکسب غداً ۔ یعنی آج جو کچھ میں نے کیا ۔ وہ تو مجھے معلوم ہے ۔ پس کل آئندہ میں کیا کروں گا (یہ بھی آپ مجھے بتلا دیجیئے ؟)

نیز ۔ یہی شان نزول امام بغوی نے معالم التنزیل صـ۱۸۲ ج ۵ پر اور علامہ علی بن محمد خازن نے تفسیر لباب التاویل پر صـ۱۸۳ پر ۔ اور خطیب شربینی نے تفسیر سراج منیر صـ۱۹۹ ج ۳ پر ذکر فرمایا ہے ۔

آیتِ سابقہ کے ذیل میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو حدیث نقل کی گئی ہے ۔ اگرچہ اُسی سے اس آیت کی بھی کافی شرح ہوجاتی ہے ۔ لیکن چونکہ مولوی احمد رضا خان صاحب اور اُن کی ذریات نے اس آیتِ کریمہ میں بہت پرپیچ تاویلات کی ہیں ۔ اور نیز ۔ یہ آیت چونکہ اس سلسلہ کی آخری آیت ہے ۔ اس لیئے ہم اس کی تفسیر میں کسی قدر تفصیل سے کلام کرنا مناسب سمجھتے ہیں ۔ اور اسی کے ذیل میں بعونہٖ تعالیٰ ہم کو یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ رضاخانی حضرات نے اِس آیتِ کریمہ اور دیگر آیاتِ مذکورہ متعلقہ علم قیامت و علم امورِ خمس میں جو تاویلات کی ہیں ۔ وہ درحقیقت ملحدانہ تحریفات ہیں ۔ جن کی کلامِ الٰہی میں کوئی گنجائش نہیں ۔ بلکہ خود قرآنِ عظیم اور احادیثِ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم میں ان کی کافی شافی تردید موجود ہے ۔ واللہ الموفق وہو المستعان ۔

آیتِ مذکورہ کی تفسیر احادیث کریمہ سے

عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خمس لایعلمھن الا اللہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت۔ ان اللہ علیم خبیر۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ پانچ چیزیں ہیں کہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا بے شک خدا ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور وہی۔ اپنے علم کے مطابق۔ اتارتا ہے بارش کو اور وہی جانتا ہے اس کو جو رحموں میں ہے اور کسی نفس کو معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اور کسی کو خبر نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ان چیزوں کا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور بزار اور ابن مردویہ اور رویانی اور ضیاء مقدسی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ (در منثور صفحہ ۱۷۰ ج ۵)

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔ صححہ ابن حبان والحاکم۔ ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (فتح الباری ص ۲۹۵ ج ۱۹)

اور امام الحدیث والتفسیر حافظ عماد الدین ابن کثیر حضرت امام احمد کی سند سے اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔ ھٰذا حدیث صحیح الاسناد۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (ابن کثیر ص ۲۳ ج ۸)

نیز۔ یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اخرجہ ابن جریر فی تفسیرہ (درمنثور صـ۱۷۰ ج ۵)

عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه ان اعرابیًا وقف علی النبی صلی الله علیه وسلم یوم بدر علی ناقة له عشراء فقال یا محمد ما فی بطن ناقتی هٰذه فقال له رجل من الانصار دع عنك رسول الله صلی الله علیه وسلم وهلم الیّ حتی اخبرك وقعت انت علیها وفی بطنها ولد منك فاعرض عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قال ان الله یحب کل حیی کریم متکره ویبغض کل لئیم متفحش ثم اقبل علی الاعرابی فقال خمس لا یعلمهن الا الله ان الله عنده علم الساعة - الایة - اخرجه ابن مردویه - (درمنثور صـ۱۷۰ ج ۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی غزوۂ بدر کے دن اپنی دس مہینے کی حاملہ ناقہ پر سوار ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ کہ اے محمد (بتلائیے) میری اس ناقہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ پس ایک انصاری صحابی نے غضب ناک ہو کر اس سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ کر میرے پاس آ تا کہ میں تجھے بتلا دوں۔ تو نے اس اونٹنی سے مجامعت کی ہے اور اس کے پیٹ میں تیرا بچہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالٰی ہر صاحب حیاء، صاحب وقار کو جو گندی باتوں کو ناپسند کرتا ہو دوست رکھتا ہے۔ اور ہر چھچھورے بدزبانی کرنے والے کو مبغوض رکھتا ہے۔ پھر حضور اقدس اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اس کے بعد آپ نے سورۃ لقمان کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔

واضح رہے کہ اس روایت میں انصاری صحابی کا جو جواب مذکور ہے۔ وہ

درحقیقت اس اعرابی کے سوال کا جواب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بیجا سوال پر زجر ہے اور اس کی مثالیں ہر زبان میں بکثرت مل سکتی ہیں[1]۔ پس بعض رضاخانی مولوی صاحبان کا اس روایت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُن انصاری صحابی کو "ما فی الارحام" کا علم تھا۔ اور درحقیقت اس اونٹنی کے پیٹ میں اس بدوی ہی کا بچہ تھا انتہائی خوش فہمی کی دلیل ہے۔

عن ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ قال حدثنی رجل من بنی عامر انہ قال یارسول اللہ ھل بقی من العلم شئ لاتعلمہ قال قد علمنی اللہ عزوجل خیرا وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ عزوجل الخمس۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام الآیۃ۔

حضرت ربعی بن حراش فرماتے ہیں کہ مجھ سے بنی عامر کے ایک شخص نے حدیث بیان کی کہ میں حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ کیا علم میں سے کوئی ایسی چیز بھی باقی ہے جس کو آپ نہ جانتے ہوں؟ حضور نے ارشاد فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے اچھائی کی خوب تعلیم دی ہے۔ اور بے شک علوم میں سے وہ بھی ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا چنانچہ پانچ باتیں جو سورۃ لقمان کی آخری آیت میں مذکور ہیں ان کا پورا علم بس خدا ہی کو ہے کسی دوسرے کو نہیں۔

---

[1] اردو محاورات میں بھی اس کی مثالیں بہت شائع ذائع ہیں۔ مثلاً ایک شخص دوسرے سے بے موقع سوال کرتا ہے کہ۔ رات کیا کھایا تھا؟ تو دوسرا غصہ سے جواب دیتا ہے۔ تمہارا سر کھایا تھا ظاہر ہے کہ اس کے اصل سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے سوال پہ خفگی کا اظہار ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُن انصاری صحابی نے بھی اس اعرابی سے جو کچھ کہا تھا وہ خفگی کا ہی اظہار تھا۔ اس کے سوال کا جواب دینا مقصود ہی نہ تھا۔ ورنہ کسی صحابی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اہم سوال ہو رہا ہو اور وہ خود پیش قدمی کر کے اس کا جواب دینے لگیں۔

اس حدیث کو سعید بن منصور نے مستخرج میں اور امام احمد نے مسند میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے۔ (در منثور ص۱۷۰ ج ۵)
اور حافظ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے اس کو مع سند کے نقل کر کے لکھا ہے۔ ہذا اسناد صحیح۔ ابن کثیر ص۲۴ ج ۸)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اوتیت مفاتیح کل شئ الا الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ الأیۃ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو ہر چیز کے خزانوں یا (ہر چیز کی کنجیوں کا علم دے دیا گیا ہے) سوائے ان پانچ چیزوں کے جو سورۃ لقمان کی اس آیت میں مذکور ہیں (کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا)

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (در منثور ص۱۷۰ ج ۵)
اور حافظ ابن کثیر نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص۲۳ ج ۸)
واضح رہے کہ اس روایت میں جو "کل" کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اس سے کل حقیقی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علوم خمس کو نکال دینے کے بعد بھی کل علوم غیر متناہی رہتے ہیں۔ جن کا حصول ہر مخلوق کے لئے بالاتفاق محال عقلی و شرعی ہے۔ اور اس بارہ میں خود فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کی تصریحات بھی ناظرین کتاب ہذا کے مقدمہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ علاوہ ازیں آئندہ بہت سی آیات و احادیث ہم ایسی بھی درج کریں گے جن سے معلوم ہوگا کہ امور خمسہ کے علاوہ بھی بعض چیزیں ایسی باقی ہیں۔ جن کا علم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا گیا۔ پس لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ اس کل سے مراد صرف مقدار کثیر ہے۔ اور اس معنی میں کل کا استعمال کلام عرب خاص کر کتاب و سنت میں شائع ذائع ہے۔ قرآن حکیم میں بعض معتوب اور مغضوب قوموں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ۔

فتحنا علیھم ابواب کل شئ ۔ ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیے۔

حالانکہ ان پر نبوت ، ولایت ۔ رضائے الٰہی ۔ تقویٰ ۔ پرہیزگاری ، وغیرہ امور خیر کا ایک دروازہ بھی نہیں کھولا گیا تھا ۔ بلکہ دنیوی نعمتیں بھی ان کو سب حاصل نہیں تھیں ۔ مثلاً عیش و راحت کے سلسلہ میں آج جو نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں وہ ان سے محروم تھے ۔ اس لئے آیت کا مطلب سب کے نزدیک یہی ہے کہ ان کو بہت کافی مقدار میں دنیوی نعمتیں دی گئی تھیں ۔ بہرحال اس آیت میں اور اس جیسی بہت سی آیتوں میں کل سے صرف مقدار کثیر ہی مراد ہے ۔

امام ترمذی نے لفظ کل کے اسی اطلاق کے متعلق امام الحدیث والفقہ سیدنا حضرت عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ۔

جائز فی کلام العرب اذا صام اکثر الشھر ان یقال صام الشھر کلہ ۔ الخ (ترمذی شریف ص٩٢)

کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ جب کوئی مہینہ کے اکثر حصے میں روزے رکھے تو کہہ دیا جائے کہ اس نے سارے مہینے کے روزے رکھے ۔

اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس اطلاق کا اقرار کیا ہے ۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

کبھی کل سے اکثر مراد ہوتا ہے ۔ (فتاوی رضویہ جلد اول ص٢٧ سطر ١٧)

چونکہ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں لفظِ کل کے متعلق مفصل بحث کرنی ہے اس لئے یہاں اسی قدر مختصر پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

پس جب کہ حدیث کے لفظ "کل شئ" سے مقدار کثیر مراد لی گئی تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ۔

حق تعالےٰ نے مجھے علوم و معارف کے بہت سے خزانے عطا فرمائے ۔ لیکن ان امورِ خمسہ ۔ یعنی قیامت[1] ، نزولِ باراں[2] ، مافی الارحام[3] ، آئندہ ہونے والے[4] واقعات ۔ ہر شخص کی موت[5] کے مقام ۔ کا علم مجھے نہیں عطا فرمایا ۔ اور ان کو اس کے

سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس تقدیر پر حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث کا مطلب قریب قریب وہی ہو جاتا ہے جو اس سے پہلی حدیث کا ہے۔ واللہ اعلم۔

عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبۃ حمراء اذجاء رجل علی فرس فقال من انت؟ قال انا رسول اللہ۔ قال متی الساعۃ؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللہ۔ قال ما فی بطن فرسی۔؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللہ۔ قال فمتی تمطر۔؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللہ۔ (اخرجہ ابن مردویہ درمنثور ص۱۷۰ ج ۵)	حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ خیمہ میں رونق افروز تھے ایک شخص گھوڑی پر سوار آیا اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے دریافت کیا۔ کہ قیامت کب ہوگی۔؟ ارشاد فرمایا غیب کی بات ہے اور اس غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا۔ کہ بتلائیے میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے؟ ارشاد فرمایا غیب ہے۔ اور اس غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ ہم پر کب بارش ہوگی؟ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی غیب ہے اور اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں بھی مختلف طرق اور متعدد صحابہ کرامؓ سے حدیث جبرئیل مروی ہے۔ جس کا اجمالی ذکر بعض آیات سابقہ کے ذیل میں بھی ضمناً آچکا ہے۔ اس کے آخری حصہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے چوتھا سوال یہ کیا کہ۔ "متی الساعۃ"؟ قیامت کب آئے گی؟) تو اس کے جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا۔ ما المسئول عنہا باعلم من السائل" یعنی اس بارہ میں مسئول کا یعنی میرا علم

سائل سے یعنی تم سے زیادہ نہیں خلاصہ یہ کہ اس کا علم جس طرح تم کو نہیں اسی طرح مجھے بھی نہیں۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ۔

فی خمس لا یعلمھن الا اللہ۔ انّ اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام۔ الآیۃ۔	یہ علمِ قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ہے۔ جن کا علم خدا کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں اور حضورؐ نے بطور استشہاد یہ پوری آیت تلاوت فرمائی۔

(صحیح بخاری شریف کتاب الایمان)

یہ حدیث پاک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت سے مروی ہے جن کے اسمار گرامی یہ ہیں۔

امیر المؤمنین[1] سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا[3] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا[4] حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ، سیدنا[5] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا[6] حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا[7] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، (فتح الباری صفحہ ۶۰، ۶۱ ج ۱) حضرت[8] ابوموسیٰ اشعری، حضرت[9] عبدالرحمٰن بن غنم (کنز العمال ج ۱ ص ۶۹)

ان تمام طرق کی پوری تفصیل اور ان کے متعلق ضروری مباحث تو ہم انشاء اللہ باب دوم میں ذکر کریں گے۔ یہاں تو ہم صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب کے الفاظ اس موقعہ پر اور بھی زوردار ہیں۔ اور وہ یہ کہ جب حضرت جبرئیلؑ نے سوال کیا۔ کہ قیامت کب ہوگی۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

سبحٰن اللہ خمسٌ من الغیب لا یعلمھن الا اللہ۔ انّ اللہ عندہ علم الساعۃ۔ الآیۃ۔ (فتح الباری ص ۶۳ ج ۱)

گویا حضورؐ کو اس سوال سے بہت زیادہ تعجب ہوا اور آپ نے فرمایا۔ پاکی ہے اللہ کی ذات کو، قیامت وغیرہ پانچ چیزیں تو وہ ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔

اور قریب قریب یہی الفاظ حضرت ابوعامر اشعری کی روایت کے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوعامر اشعری کی ان دونوں حدیثوں کو امام احمد نے اپنے مسند میں روایت فرمایا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے دونوں روایتوں کی اسناد کے متعلق لکھا ہے۔ "اسنادھما حسنٌ" ان دونوں کی سند حسن ہے۔

(فتح الباری ص۱۱۶ ج ۱)

اگرچہ ابھی بہت سی ایسی حدیثیں باقی ہیں۔ جن سے اس آیت کے مضمون پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور گویا وہ اس آیت کی تفسیریں ہیں۔ لیکن یہاں اس وقت ہم انہی نصف درجن احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک صاحب بصیرت انہی پر غور کرنے کے بعد آیتِ کریمہ کے تمام گوشوں کو سمجھ سکتا ہے۔

اس کے بعد اگرچہ ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن ہم اپنے التزام کے مطابق صحابہ کرامؓ و تابعین عظام اور مفسرین اعلام کے ارشادات بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر ارشاداتِ صحابہؓ و تابعینؒ سے

امیر المؤمنین امام المسلمین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی آیتِ کریمہ کی روشنی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لم یعم علی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم الا الخمس من سرائر الغیب ھٰذہ الآیۃ فی اٰخر لقمان الیٰ اٰخر السورۃ	تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسرارِ غیب سے بس یہی پانچ چیزیں مخفی رہیں۔ جو سورۂ لقمان کی اس آخری آیت میں مذکور ہیں۔

(اخرجہ ابن مردویہ در منثور ص۱۷۰ ج ۵)

اور فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اوتی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم علم کل شیئ سوی ھٰذہ	تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔ سوائے ان پانچ چیزوں کے (کہ

الخمس۔ | ان کا علم کسی کو بھی عطا نہیں ہوا۔)

(رواہ الامام احمد فتح الباری ص۶۵ ج ۱)

(واخرجہ ایضاً ابو یعلیٰ وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ در منثور ص۱۷ ج ۵)

واضح رہے کہ سیدنا حضرت علی اور سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ان دونوں ارشادوں کا مطلب (جیسا کہ ہم ابن عمرؓ کی حدیث نمبر (۴) کے ذیل میں مدلل عرض کر چکے ہیں۔) یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان پانچوں چیزوں کے علاوہ بہت سے بلکہ بے شمار علوم و معارف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے۔

(فتذکروا ولا تغفلوا)

اور حبر امت سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اسی آیتِ کریمہ کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

هذه الخمسة لا يعلمها ملك مقرب ولا نبي مصطفى فمن ادعى انه يعلم شيئا من هذه فقد كفر بالقرآن لانه خالفه۔

یہ پانچوں چیزیں وہ ہیں کہ نہ اُن کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی برگزیدہ نبی۔ پس جو کوئی ان میں سے کسی چیز کے علم کا دعوے کرے تو اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا کیونکہ اس کی کھلی مخالفت کی۔

(تفسیر خازن ص۱۸۳ ج ۵)

اور حضرت قتادہ تابعی رضی اللہ عنہ اسی آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خمس من الغيب استاثر بهن الله فلم يطلع عليهن ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا ان الله عنده علم الساعة فلا يدري احد من الناس

پانچ چیزیں غیب میں سے وہ ہیں جن کو خدا نے اپنے لئے خاص کر لیا ہے پس کسی مقرب فرشتے اور کسی فرستادہ نبی کو بھی ان کی اطلاع نہیں دی ہے بے شک قیامت کا علم بس خدا ہی کو ہے۔ پس کوئی بھی انسانوں

متی تقوم الساعة فی ای
سنة او فی ای شهر او لیل
ونهار۔ وینزل الغیث فلا
یعلم احد متیٰ ینزل الغیث
لیلا ونهاراً ویعلم ما فی
الارحام فلا یعلم احد
ما فی الارحام اذکر ام انثیٰ
احمر او اسود وما هو۔ وما
تدری نفس ماذا تکسب
غداً اخیرا و شر و لا
تدری یا ابن ادم متیٰ تموت
لعلک المیت غداً لعلک
المصاب غداً" وما تدری
نفس بای ارض تموت" ای
لیس احدٌ من الناس یدری
این مضجعه من الارض افی
بحرٍ ام برٍ او سهل او جبل۔

میں سے نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی
کس سنہ اور کس مہینے میں۔ رات میں یا دن
میں۔ اور وہی نازل کرتا ہے بارش کو۔ پس
کسی کو خبر نہیں کہ کب بارش ہوگی رات کو یا دن
کو۔ اور وہی جانتا ہے اُس کو جو رحموں میں ہے
پس کسی کو بھی علم نہیں کہ رحموں میں کیا ہے۔ نر
ہے یا مادہ۔ سرخ ہے یا سیاہ۔ اور پھر وہ ہے
کیا؟ اور کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا۔
اچھا کرے گا یا بُرا۔ اور اے آدم کے فرزند
تو نہیں جانتا شاید کہ کل تو مرنے والا ہو۔ اور
شاید کہ کل تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو۔ اور کوئی
نفس خبردار نہیں کہ کس زمین میں اس کو موت
آئے گی۔ یعنی کسی انسان کو پتہ نہیں کہ زمین کے
کس حصّہ میں اس کا مرقد ہوگا۔ آیا
دریا میں یا خشکی میں، نرم زمین میں
یا پہاڑ میں (بس خدا ہی ان باتوں کا
جاننے والا اور خبردار ہے۔)

(رواہ ابن جریر وابن ابی حاتم درمنثور صـ۱۷۰ ج ۵)
وایضاً ذکرہٗ ابن کثیر فی تفسیرہ صـ۲۵ ج ۸ والخطیب الشربینی فی السراج المنیر صـ۲۰ ج ۳

آیت مذکورہ کی تفسیر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایک ارشاد سے

تفسیر مدارک التنزیل میں اسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں مذکور ہے۔ کہ
ورای المنصور فی منامه صورة   خلیفہ منصور عباسی نے ملک الموت کو خواب

ملك الموت وسأله عن مدة عمره فاشار باصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وبخمسة اشهر وبخمسة ايام فقال ابوحنيفة رضی الله عنه هو اشارة الى هذه الاية فان هذه العلوم الخمس لا يعلمها الا الله انتهى۔ (مدارک التنزیل ص۲۱۹ ج ۳)	میں دیکھا اور اپنی مدت عمر کے متعلق اُن سے سوال کیا۔ پس انہوں نے اپنی پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا۔ پس تعبیر دینے والوں نے اس کی مختلف تعبیریں دیں۔ کسی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری عمر صرف پانچ برس کی اور ہے۔ کسی نے کہا پانچ مہینے کسی نے کہا پانچ دن۔ پس حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ سورۃ لقمان کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ بات ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی روشنی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان امورِ خمسہ کا علم خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ وللہ الحمد۔

ائمہ مفسرین کے اقوال سے آیتِ مذکورہ کی تفسیر

علامہ علی بن محمد خازن نے اپنی تفسیر لباب التاویل میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر قریب قریب وہی کی ہے جو صفحہ گذشتہ میں حضرت قتادہ سے منقول ہوئی اس لئے ہم اس کی عبارت درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ناظرینِ کرام تفسیر خازن ص۱۸۳ ج ۵ پر وہ اصل عبارت ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اور تفسیر جلالین میں آیتِ ہذا کی تفسیر بدیں الفاظ کی گئی ہے۔

ان الله عنده علم الساعة متى تقوم (وينزل الغيث)	بے شک اللہ ہی کو ہے علم قیامت کا کہ کب قائم ہوگی اور وہی نازل کرتا ہے

بوقت یعلمہ (ویعلم ما فی الارحام) ذکرام انثی ولا یعلم واحداً من الثلاثۃ غیر اللہ تعالیٰ (وما تدری نفس ماذا تکسب غداً) من خیراوشر ویعلمہ اللہ (وما تدری نفس بای ارض تموت) ویعلمہ اللہ (ان اللہ علیم) بکل شئ (خبیر) بباطنہ کظاہرہ۔	بارش کو اس کے وقت معلوم پر اور وہی جانتا ہے اس کو جو رحموں میں ہے کہ آیا نر ہے یا مادہ اور ان تینوں چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ بھلائی یا برائی اور خدا اس کو جانتا ہے اور کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کہاں مرے گا اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اس کے ظاہر کی طرح اس کے باطن سے بھی خبردار ہے۔

(تفسیر جلالین صـ۳۴۶)

اور علامہ نسفیؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر قریب ہی کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر مدارک صـ۲۱۹ ج ۳

نیز۔ علامہ ابوالسعود اور قاضی بیضاوی کا کلام بھی اس موقع پر اسی کے ہم معنی ہے۔
(ابوالسعود صـ۳۰۱ ج ۷ و بیضاوی صـ۱۵۶ ج ۲)

اور امام رازی علیہ الرحمۃ کے کلام کا حاصل اس موقعہ پر یہ ہے کہ۔
اس آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بس انہی پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ کیونکہ اس ذرہ بے مقدار کا علم بھی بس اللہ ہی کو ہے۔ جو مثلاً طوفان نوح علیہ السلام کے زمانے میں ریت کے کسی ٹیلے میں تھا اور بعد میں ہوا نے اس کو بارہا مشرق سے مغرب کی طرف منتقل کیا۔
(تفسیر کبیر صـ۵۰۳ ج ۶)

اس کے بعد امام ممدوح نے اس تخصیص بالذکر کی وجہ بھی تبلائی ہے۔ مگر چونکہ اس سے ہماری غرض متعلق نہیں اس لئے یہاں اس کو نقل نہیں کیا جاتا۔

آیاتِ مذکورۃ الصدر میں رضاخانی تاویلات

یہاں تک جو پندرہ آیات درج کی گئی ہیں ان میں سے پہلی تیرہ آیتوں میں تو صرف وقت قیامت کے علم کا مخصوص بحق تعالیٰ ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور آخری ۲ دو میں کل مفاتح الغیب یعنی وقت قیامت، نزولِ باراں، مافی الارحام، واقعات مستقبلہ، اور ہر شخص کے مقام موت کے علم کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اگرچہ احادیثِ نبویہ اور ارشاداتِ صحابہ و تابعین، و تصریحاتِ ائمہ مفسرین کی روشنی میں ہم ان آیات کی توضیح و تشریح اور استدلال کی تقریر پوری تفصیل سے کر چکے ہیں اور ایک صاحبِ علم و انصاف کے لئے اس کے ملاحظہ کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی لیکن اتماماً للحجۃ ہم ان تاویلات کی حقیقت بھی ظاہر کر دینا چاہتے ہیں۔ جو ان آیات کے متعلق فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب یا اُن کے اتباع و اذناب نے اب تک پیش کی ہیں۔ اصولی طور پر ان کی تاویلیں صرف تین ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اس قسم کی آیات میں غیر اللہ سے عموماً یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً صرف علمِ ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ نہ علم عطائی کی۔

(۲) دوسرے یہ کہ اِن آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم عطا فرما دیئے گئے تھے (گویا یہ آیات حکماً منسوخ ہیں۔)

(۳) تیسرے یہ کہ جن آیات میں علمِ ساعت وغیرہ کو حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو اُن کا علم نہیں بلکہ اُن کا مفاد صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان کا علم ہے۔ رہا دوسروں کو اس کا علم ہونا نہ ہونا اس سے وہ آیات ساکت ہیں۔

یہ تینوں تاویلیں مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنے رسائل علمِ غیب بالخصوص "الفیوض الملکیہ علی الدولۃ المکیۃ" میں کسی قدر تفصیل سے لکھی ہیں۔ پھر اُنہی کی تقلید میں مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے بھی "الکلمۃ العلیا" میں انہی تاویلات سے کام لیا ہے۔

نیز دوسرے رضاخانی مصنفین اور مناظرین بھی بس یہی کہا کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ تاویلات اتنی رکیک اور ایسی سفیہانہ ہیں کہ کسی ذی علم کی طرف سے اُن کا پیش کیا جانا اُس کی عالمانہ حیثیت کے لئے نہایت بدنما داغ ہے۔ ناظرین کرام تمام مذکورۃ الصدر آیات کو (مع اُن احادیثِ کریمہ اور ارشاداتِ صحابہ وتابعین، وتصریحاتِ ائمہ مفسرین کے جو اُن آیات کی تفسیر وتشریح کے سلسلے میں سابقاً مذکور ہوئیں) ایک نظر پھر ملاحظہ فرمائیں۔ اور غور کریں کہ ان تاویلات کے لئے وہاں کوئی معمولی سی بھی گنجائش ہے۔

مثلاً پہلی آیت "ان الساعة اٰتية اكاد اخفيها" جس کا مطلب اور مضمون حسب تصریحات اکابر صحابہ وتابعین وائمہ مفسرین یہ ہے کہ۔

"حق تعالیٰ وقتِ قیامت کو بہت زیادہ مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ اور وہ اس کی اطلاع اپنے سوا کسی کو نہیں دینا چاہتا"۔

ظاہر ہے کہ اس آیت میں مذکورہ بالا تینوں تاویلوں میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں نہ یہاں ذاتی اور عطائی کی بحث ہی چل سکتی ہے اور نہ یہی احتمال ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ قیامت کا علم دے دیا گیا ہو گا۔ کیونکہ اس آیت میں ارادہ الٰہیہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ہم اُس کا علم کسی کو دینا نہیں چاہتے اور اپنے سوا سب سے ہم اس کو مخفی اور پوشیدہ ہی رکھنا چاہتے ہیں۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ قیامت کا علم دے دیا گیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ معاذ اللہ خدا کا ارادہ بدل گیا اور جس چیز کے متعلق وہ اپنی کتابِ عزیز میں اعلان فرما چکا تھا کہ "میں اس کو مخفی رکھوں گا" اس نے اپنے اس اعلان کے خلاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو ظاہر فرما دیا۔ تعالیٰ اللہ عن ذٰلك علواً كبيراً۔

بہرحال اس آیت کریمہ میں پہلی اور دوسری تاویل کا حال تو یہ ہوا اور تیسری تاویل کا نہ چل سکنا بالکل ظاہر ہے کیونکہ وہ صرف انہی آیات سے متعلق ہے۔ جن میں علم سلطنت وغیرہ کو حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے۔ الغرض اس آیت میں مذکورہ بالا تینوں تاویلوں

میں سے کسی ایک کی بھی گنجائش نہیں اور یہی ہمارا مدعا تھا۔

علیٰ ہٰذا دوسری آیت میں "لا یجلیہا لوقتہا الا ھو" کے الفاظ بھی ان تینوں تاویلوں کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ کیونکہ حسب تصریحات مفسرین اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ حق تعالیٰ خود قیامت کو اس کے وقت ہی پر ظاہر کرے گا۔ اس سے پہلے کسی کو اس کی اطلاع نہیں دے گا۔

(ملاحظہ ہو قاضی بیضاوی و علامہ معین بن صفی و علامہ ابوالسعود کی عبارات نمبری (۳۹) و (۴۱) و (۴۲) زیر آیتِ دوم صفحہ ۴۰، ۴۱)

علاوہ ازیں یہ کہ یہ آیت (یعنی یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا۔ قل انما علمہا عند ربی۔ الآیۃ) بلکہ اکثر وہ آیتیں جن میں علم قیامت کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ کفار کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں۔ وہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بار بار کہتے تھے کہ۔

"اگر آپ خدا کے نبی اور رسول ہیں تو بتلایئے کہ قیامت کب آئے گی۔؟"

اُن کے اس ناروا سوال کے جواب میں ان آیات میں بعنوانات مختلفہ یہ فرمایا گیا کہ "اس کا علم بس خدا ہی کو ہے" پس اس کا یہ مطلب بیان کرنا کہ۔

"وقتِ قیامت کا علم ذاتی مجھے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) نہیں بلکہ خدا ہی کو ہے۔"

ان آیات کو مسخ کرنا ہے۔ کیونکہ کفار کا سوال علم ذاتی کے متعلق نہیں تھا بلکہ نفس علم کا وہ سوال کرتے تھے۔ پس اُن کے جواب میں یہ کہنا کہ "مجھے اس کا علم ذاتی نہیں بلکہ خدا ہی کو ہے۔" معاذ اللہ سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مصداق ہوگا اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآنِ حکیم اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اس سے پاک اور بری ہیں۔

نیز اگر بفرضِ غلط ان آیات کا مطلب یہی ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ سوال کرنے والے کفار عرب (جو اہل لسان اور ان آیات کے اصلی مخاطب تھے) وہ بھی یہی سمجھتے

اور اس صورت میں لامحالہ اُن کی طرف سے یہ کہا جاتا کہ حضرت! ہم کو علمِ ذاتی اور عطائی سے بحث نہیں۔ ہم تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ "قیامت کب آئے گی؟" اگر آپ کو اس کی کچھ خبر ہو تو بتلا دیجیے۔ لیکن اُن کی طرف سے یہ نہیں کہا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن اہلِ لسان نے بھی ان آیات کو علمِ ذاتی کی نفی پر محمول نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے بھی اس کا یہی مطلب سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی وقتِ قیامت کا مطلقاً علم نہیں اور اس کی خبر بس خدا ہی کو ہے۔ اُس نے کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی ہے اور یہی مطلب حضرات صحابہ و تابعین اور ائمہ مفسرین نے سمجھا۔ چنانچہ اُن کے تفسیری اقوال میں کہیں "استاثر اللہ بعلمہا" اور کہیں "لم یطلعنی علیہ" اور کہیں "لم یعلمنی علمہ" اور کہیں "لم یطلع علیہا ملکاً ولا رسولاً" اور کہیں "لم یطلع علیہ احداً من خلقہ" اور کہیں "لم یطلع علیہ غیرہ" اور کہیں "لم یخبر بہ احد من ملک مقرب ونبی مرسل" اور ان کے ہم معنیٰ الفاظ (جو غیر مشتبہ طور پر علم عطائی کی نفی پر بھی دال ہیں)

ناظرین کرام پہلے عباراتِ منقولہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں جن سے اس خیالِ باطل کی قطعی بیخ کنی ہو جاتی ہے کہ ان آیات میں غیر اللہ سے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے نہ علم عطائی کی۔

اور علیٰ ہٰذا ان آیات کے متعلق یہ کہنا کہ اُن کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ قیامت کا علم دے دیا گیا ہوگا۔ محض بے دلیل ہے۔ اور شرعیات بالخصوص اعتقادیات میں ایسے غیر ناشی عن دلیل احتمالات باطل و مردود ہیں۔ خصوصاً جب کہ اُن کے خلاف دلائل بھی قائم ہوں۔ جیسے کہ یہاں۔ "ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیہا" اور "لا یجلیہا لوقتہا الا ہو" جیسے نصوص موجود ہیں جو بمنطوقہا پکار رہے ہیں کہ اس کی اطلاع قبل از وقت کسی کو نہیں دی جائے گی۔

نیز اس اخفاء کی جس حکمت کی طرف آیتِ کریمہ "ثقلت فی السمٰوٰت و

الارض لا تاتیکم الا بغتۃ۔" میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور جس کو حضراتِ مفسرین امام رازیؒ۔ قاضی بیضاویؒ۔ علامہ خازنؒ۔ امام نسفیؒ وغیرہ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس کا اقتضا بھی یہی ہے کہ اس کے آنے سے پہلے مکلفین کو اس کی اطلاع نہ دی جائے۔

علاوہ ازیں آیت نمبر ۱۳ میں فرمانِ خداوندی "فیم انت من ذکراھا الیٰ ربك منتہاھا۔" اس حقیقت کو صاف طور پر واضح کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ قیامت کا علم ہونا حکمتِ الٰہیہ میں مناسب نہیں۔ پس یہ کہنا کہ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بھی عطا فرما دیا گیا ہوگا۔ یا عطا فرما دیا گیا تھا محض باطل اور خلافِ نصوص ہے۔

اس کے علاوہ اربابِ بصیرت کے لئے یہاں ایک چیز یہ بھی قابلِ غور ہے۔ کہ ان آیات میں علمِ قیامت کو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص بتلایا گیا ہے۔ اور ہر جگہ اندازِ بیان میں اس تفرد و اختصاص کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ اکثر آیات میں کلمہ حصر "انمّا" لایا گیا ہے۔ اور بعض جگہ نفی و استثنا سے اس اختصاص کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اور کہیں ظرف کو مقدم کر کے یہ فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ بہر حال ان تمام تعبیرات و عنوانات کا مفاد یہی ہے کہ قیامت کے وقت کا علم بس حق تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اسی اختصاص کو حضراتِ مفسرین نے استیثار اور تفرد کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے کسی وقت بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو اس کا علم نہ ہو ورنہ تفرد باقی نہیں رہے گا۔ اور قیامت کے آنے کے بعد جو عام مخلوقات کو اس کی خبر ہو گی وہ اس تفرد کے منافی نہیں۔ فتفکر فانہ دقیق۔

بہر حال بوجوہ مذکورہ بالا یہ خیال قطعی باطل ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے وقتِ خاص کا علم عطا فرما دیا گیا تھا۔ اور اس سے زیادہ باطل خیال یہ ہے کہ " ان آیات میں علمِ قیامت کو بس حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے۔ دوسروں سے اس کی نفی نہیں کی گئی۔ لہٰذا دوسروں

کے متعلق یہ آیات ساکت ہیں۔"

حالانکہ ان تمام آیات میں (جن میں علمِ ساعت کو حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے) موجباتِ حصر موجود ہیں۔ اکثر جگہ تو "اِنّمَا" ہے اور کہیں کہیں ظرف کی تقدیم ہے۔ اور حصر کی حقیقت یہی ہے کہ ایک کے لئے اثبات ہو اور ماسوا سے نفی ہو۔ اور اسی لئے حضراتِ مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں اس چیز کو واضح بھی کر دیا ہے۔ جیسا کہ ناظرین کرام ان کی عبارات میں اس کو ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ ان آیات میں علم قیامت کو حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت کیا گیا ہے دوسروں سے اُس کی نفی نہیں کی گئی اور ماسوا اللہ کے علم و عدم علم سے یہ آیات ساکت ہیں۔ شرمناک جہالت یا افسوسناک تجاہل ہے۔

یہاں تک اُن آیات کی تاویلات پر مختصر مگر بحمداللہ کافی وافی تبصرہ تھا۔ جن میں علم قیامت کا مخصوص بحق تعالیٰ ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ کی بعض آیات وہ بھی ہیں۔ جن میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف اعلان کرایا گیا ہے کہ "مجھے قیامت کے وقتِ خاص کی خبر نہیں۔" چنانچہ آیات نمبر ۵، ۶، ۷، ۸ کا یہی مفاد ہے ان میں رضاخانی حضرات کی طرف سے صرف پہلی دو تاویلیں کی جاتی ہیں یعنی ایک یہ کہ ان میں صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ نفی اس وقت کے لحاظ سے ہے۔ جس وقت کہ یہ آیات نازل ہوئی تھیں اور اس وقت تک درحقیقت آپ کو قیامت کے وقت کا علم عطا نہیں فرمایا گیا تھا۔ لیکن بعد میں عطا فرما دیا گیا۔

ان دونوں تاویلوں کے متعلق ہم ابھی ابھی جو کچھ عرض کر چکے ہیں وہ بہت کافی ہے اور امید ہے کہ اس کے ذہن نشین کر لینے کے بعد کوئی صاحبِ فہم اس فریب میں مبتلا نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال علم قیامت کے مخصوص بحق تعالیٰ ہونے کے متعلق جو تیرہ آیات ہم نے یہاں پیش کی ہیں وہ ہمارے مدعا پر برہان قاطع ہیں۔ جن میں کسی تاویل و توجیہ کی گنجائش نہیں۔ اور اُن سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ کہ وقتِ قیامت کا علم حق تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا ہے اور اپنی کسی مخلوق حتیٰ کہ کسی مقرب فرشتہ اور کسی برگزیدہ

پیغمبر کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔ اور نہ اس کی آمد سے پہلے کسی کو اس کی اطلاع دی جائے گی۔

یہاں تک پہلی تیرہ ۱۳ آیتوں کی تاویلات پر اجمالی تبصرہ تھا۔ رہیں آیات نمبر ۱۴، ۱۵ (جن میں مفاتح الغیب یعنی علوم خمس کو حق تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے ہوئے غیر اللہ سے اُن کی نفی کی گئی ہے۔) اُن میں بھی مدعیانِ علمِ غیب کی طرف سے یہی تاویلیں کی جاتی ہیں۔ لیکن زیادہ زور ذاتی اور عطائی کی بحث پر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسائل علم غیب میں۔ اور مولوی نعیم الدین صاحب نے "الکلمۃ العلیا" میں اسی پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اور اُن کا دعویٰ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں غیر اللہ سے امورِ خمس کے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ نہ کہ عطائی کی۔

لیکن اس دعوے کے بطلان کے لئے صرف وہ احادیث و آثار کافی ہیں۔ جو ہم ان آیات کے ذیل میں سابقاً نقل کر چکے ہیں۔ بالخصوص حضرت ربعی بن حراش و حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیثیں نمبری (۱۳۹) و (۱۴۰) اور امیر المؤمنین حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تفسیری ارشادات نمبری (۱۴۴ و ۱۴۵) جن کو قارئین کرام رسالہ ہٰذا کے ص ۷۳، ۷۷ پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور جن میں صاف صاف تصریح ہے کہ ان امورِ خمس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا گیا۔ ان احادیث و آثار کے معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ آیاتِ زیرِ بحث میں غیر اللہ سے امورِ خمس کے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے نہ کہ عطائی کی۔ تو گویا درپردہ وہ بدنصیب اس کا مدعی ہے۔ کہ قرآن کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ والعیاذ باللہ رب العلمین ط

علیٰ ہٰذا اس موقع پر بعض مدعیانِ علمِ غیب کا یہ ادعا کہ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امورِ خمس بھی عطا فرما دیئے گئے تھے۔ محض بے دلیل اور بالکل باطل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت جبرئیلؑ کا وہ مکالمہ جو ہم گزشتہ صفحات میں درج کرچکے ہیں اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے وقتِ قیامت کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔

ما المسئول عنها باعلم من السائل فی خمس لا یعلمھن الا اللہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔ الآیۃ۔	کہ اس بارہ میں میرا علم تم سے زیادہ نہیں۔ (یعنی وقتِ قیامت کی طرح جس طرح تم کو خبر نہیں اسی طرح مجھے بھی خبر نہیں) وہ تو ان پانچ چیزوں میں داخل ہے۔ جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس روایت کی بعض صحیح الاسناد طرق میں یہ بھی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت جبرئیلؑ کی یہ گفتگو حضورؐ کی عمر شریف کے آخری حصّہ میں ہوئی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری شریف میں بذیل حدیث جبرئیل رقم طراز ہیں کہ۔

ورواہ ابن مندہ فی کتاب الایمان باسنادہ الذی علی شرط مسلم من طریق سلیمان التیمی فی حدیث عمر اولہ ان رجلاً فی آخر عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الحدیث بطولہ فتح الباری	اس حدیث جبرئیلؑ کو ابن مندہ نے کتاب الایمان میں اپنی اسناد سے جو علی شرطِ مسلم صحیح ہے بطریق سلیمان تیمی بروایت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر شریف کے آخر میں ایک شخص (یعنی جبرئیلؑ ایک اجنبی شخص کی شکل میں) حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے (اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت جبرئیلؑ کی پوری گفتگو کا ذکر ہے اور آخر میں حضرت

شرح صحیح البخاری ص ۶۲ ۔ پارہ اوّل ۔ جبرئیلؑ کی طرف سے وقتِ قیامت کا سوال اور حضورِ اقدس علیہ السلام کی جانب سے اس کا مندرجہ بالا جواب مذکور ہے)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضورؐ کی عمر شریف کے آخری حصّہ تک بھی آپ کو یہ معلوم خمس نہیں عطا فرمائے گئے تھے ۔ پھر نہ معلوم کہ چودھویں صدی کے ان مدعیانِ علم غیب نے کہاں سے یہ معلوم کیا کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان امور خمس کا بھی پورا پورا علم عطا فرما دیا گیا تھا ۔ ؎

سرِّ خدا کہ عارف و زاہد بکس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مدعیان علم غیب کی

اس غلط فہمی کا اصل منشار در حقیقت یہ ہے۔ کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان امورِ خمس میں سے بعض جزئیات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو وحی والہام کے ذریعہ سے حاصل تھا اور آپ نے دوسروں کو بھی اس کی اطلاع دی۔

چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے قربِ قیامت کے واقعات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

ثم یرسل اللہ مطرا لا یکن منہ بیت مدر ولا وبر۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ)

پھر یعنی (یاجوج ماجوج) کے فتنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک عالمگیر بارش نازل فرمائے گا۔ جس سے شہر یا گاؤں کا کوئی مکان خالی نہ رہے گا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو قیامت کے قریب ہونے والی اس بارش کی اطلاع سینکڑوں برس پہلے ہوگئی تھی۔ اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب حالت حمل میں تھے تو حضرت امّ الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس خواب سے ان کو بہت زیادہ وحشت ہوئی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر انہوں نے ماجرا عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

رأیت خیرا تلد فاطمۃ — تمہارا یہ خواب اچھا ہے (اس کی تعبیر یہ ہے)

انشاء اللہ غلاماً یکون فی حجرک الحدیث۔

کہ میری لختِ جگر فاطمۃ الزہراءؓ کے یہاں انشاء اللہ لڑکا ہوگا۔ جو تمہاری گود میں کھیلے گا۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے حضورؐ کو معلوم تھا کہ بطن سیدہ فاطمہؓ سے لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ اور غزوۂ خیبر کے موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

لاعطین ھذہ الرایۃ غدا رجلا یفتح اللہ علی یدیہ یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ۔

میں کل یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا محب بھی ہوگا۔ اور محبوب بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو کل آئندہ کی ہونے والی چیزوں کا بھی علم تھا۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ آئندہ کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں فرمائیں ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں انسے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعات مستقبلہ کا علم تھا۔

اور غزوۂ بدر کے موقع پر جنگ سے پہلے حضورؐ نے صناد ید کفار کی قتل گاہیں بتلا دی تھیں اور ارشاد فرمایا تھا۔

ھذا مصرع فلان غدا انشاء اللہ وھذا مصرع فلان غدا انشاء اللہ اوکما قال۔

کل انشاء اللہ اس جگہ فلاں کافر قتل کیا جائے گا اور اس جگہ فلاں کافر۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض لوگوں کے مقام موت کا بھی علم تھا اور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقام وفات اور جائے دفن کا بھی پہلے سے علم تھا۔ الغرض ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نزولِ باران مافی الارحام، امور مستقبلہ،

مقام موت، غرض اِن چاروں چیزوں کا علم حاصل تھا۔ اور انہیں روایات کی بنا پر مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کے متبعین کا یہ دعوےٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف ان پانچوں چیزوں کو بھی محیط تھا۔ اور ان کا خیال ہے کہ ان دونوں آیتوں (آیت عندہٗ مفاتیح الغیب الآیہ) اور آیت اِن اللہ عندہ علم الساعۃ الآیہ) میں ان چیزوں کے صرف علم ذاتی کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ یا یہ آیات حکماً منسوخ ہو چکی ہیں یعنی ان آیات کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچوں چیزوں کا علم عطا فرما دیا گیا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ مانا جائے۔ تو اِن آیات اور مذکورہ بالا روایات میں ایسا تعارض ہو گا۔ جو کسی طرح نہ اٹھ سکے گا۔ بہر حال یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف ان پانچوں چیزوں کو بھی محیط ہے۔

مدعیانِ علم غیب کے پاس یہی مندرجہ بالا روایات ہیں۔ اور اپنی کم فہمی یا کج فہمی کی وجہ سے انہوں نے انہی روایات سے دھوکا کھایا ہے اس لئے ضرورت ہے۔ کہ ان کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے تاکہ غلط فہمی کا منشار بھی باقی نہ رہے۔

ان روایات کا ایک مختصر اور مسکت جواب مولوی احمد رضا خاں صاحب کے طرز پر تو یہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ ہمارا استدلال آیاتِ قرآنیہ سے ہے اور ہم بحمد اللہ بدلائل قاطعہ ثابت کر چکے کہ اِن آیات میں صرف علم ذاتی ہی کی نفی نہیں ہے بلکہ یہ نفی علم عطائی کو بھی حاوی ہے اور نیز ہم اس احتمال کا بھی خاتمہ کر چکے کہ اِن آیات کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم عطا فرما دیئے گئے ہوں۔ اور ان سب کی تائید میں ہم احادیث صریحہ مرفوعہ بھی پیش کر چکے پس ان آیات صریحہ مفسرہ بالاحادیث المرفوعۃ کے مقابلہ میں اخبارِ آحاد کو پیش کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے۔ فاضل

ع۔ اخبارِ آحاد ان حدیثوں کو کہتے ہیں جن کی راویوں کی تعداد ہر طبقہ میں اس درجہ کو نہ پہنچی ہو کہ عقل ان کے جھوٹے ہونے کو محال سمجھے صفحہ گزشتہ پر علوم خمس کے ثبوت میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔ ۱۲ منہ۔

بریلوی مولوی احمد رضاخان صاحب "الفیوض الملکیہ علی الدولۃ المکیہ" ص۱۵۲ پر اسی علم غیب کی بحث میں فرماتے ہیں۔

ان نصوص القرآن لاتعارض بالاٰحاد۔ (الدولۃ المکیہ ص۱۵۲)	اخبار آحاد نصوص قرآن کے معارضہ میں نہیں پیش کی جا سکتیں۔

نیز یہی فاضل موصوف اپنے دوسرے رسالے "ابناء المصطفیٰ" ص۴ پر علم غیب ہی کی بحث میں فرماتے ہیں۔

"عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد عـہ سے استناد محض ہرزہ بافی"

پس ہم فاضل موصوف ہی کے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابلہ میں ان مذکورہ بالا اخبار آحاد سے استناد فاضل بریلوی اور ان کے اتباع کی ہرزہ بافی ہے۔ "گناہ ثواب سب فاضل موصوف کی گردن پر" مگر یہ جواب فاضل بریلوی کے طرز پر دیا گیا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ گو مقابل کے لئے یہ مسکت ہو لیکن ہمارے ناظرین کے لئے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم اصل تحقیقی جواب بھی عرض کرتے ہیں۔ اس جگہ ہمارے ناظرین کے لئے خلجان کا باعث اور مخالفین کے لئے غلط فہمی کا منشاء صرف یہی ہو سکتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا احادیث کو (جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امورِ خمس کی بعض جزئیات کا علم ثابت ہوتا ہے) ہماری پیش کردہ آیات کے معارض سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی تعارض کے دفع کرنے کے لئے ہمارے مخالفین نے آیات کو صرف علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور بعض نے تقدیم و تاخیر کا احتمال تصنیف فرما کر آیات کو حکماً منسوخ قرار دیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ آیات و احادیث میں فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں کیونکہ آیات میں امورِ خمس کے علم کلی کی نفی کی گئی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں نزولِ باراں، مافی الارحام، وغیرہ کا علم کلی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اور احادیث مذکورہ سے صرف ان کی بعض جزئیات منتشرہ کا علم ثابت ہوتا ہے۔ اور ایجاب جزئی سلب کلی کی نقیض تو ہو سکتا ہے لیکن رفع

عـہ اخبار آحاد ان حدیثوں کو کہتے ہیں جن کے راویوں کی تعداد ہر طبقہ میں اس درجہ کو نہ پہنچی ہو کہ عقل ان کے جھوٹے ہونے کو محال سمجھے صفحہ گذشتہ پر علوم خمس کے ثبوت میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔ ۱۲ منہ

ایجاب کلی کی نقیض نہیں ہو سکتا۔

اب ہم اس کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ اِن آیات کو میں علم کلی ہی کی نفی کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

یہاں نفس الامر میں تین ہی احتمال ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اِن آیات کو صرف علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا جائے جیسا کہ اکثر مدعیانِ علم غیب کا خیال ہے ان کے نزدیک ان دونوں آیتوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ وقتِ قیامت، نزولِ باراں، مافی الارحام، واقعات مستقبلہ اور مقام موت ان چیزوں کا علم ذاتی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

۲۔ دوسرا احتمال اِن آیات میں یہ ہے کہ بطور سلب کلی ان پانچوں چیزوں کے ہر قسم کے علم ذاتی و عطائی کلی و جزئی کی نفی مقصود ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اِن امور میں سے کسی ایک جزئی کا علم بھی خدا کے سوا کسی کو کسی طرح حاصل نہیں۔

۳۔ تیسرا احتمال یہ ہے۔ کہ صرف علم کلی کی نفی مقصود ہو جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے پہلا احتمال تو احادیث مرفوعہ اور ارشاداتِ صحابہؓ سے مردود ہے ہم پندرھویں آیت "ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔" الآیۃ" کے ذیل میں وہ احادیث و آثار نقل کر چکے ہیں۔ جن سے یہ احتمال قطعاً باطل ہو جاتا ہے چنانچہ رسالہ ہٰذا کے صفحہ نمبر ۷۳ پر آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ربعی بن حراش اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے جو مرفوع حدیثیں درج ہو چکی ہیں۔ اور ص۷۷ پر حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے جو تفسیری ارشادات فتح الباری اور درمنثور کے حوالے سے

ؐ۔ ایک چوتھا احتمال رفع ایجاب جزئی کا بھی نکالا جا سکتا ہے لیکن چونکہ یہاں اس کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اس لئے اُس کو ذکر سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

نقل کیئے گئے ہیں۔ ان سے اس باطل خیال کی قطعی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ کہ "آیت میں غیر اللہ سے صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے علاوہ ازیں یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ علم ذاتی کسی مخلوق کو کسی چیز کسی بات اور کسی ایک ذرہ کا بھی نہیں ہو سکتا پھر قرآن پاک کی ان آیات میں صرف انہیں پانچ چیزوں کے علم کی کیوں نفی کی گئی[1]۔ ان خاص پانچ چیزوں کا اس موقع پر ذکر کرنا خود بتلا رہا ہے کہ یہاں محض علم ذاتی ہی کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ یہ نفی علم عطائی کو بھی حاوی ہے۔ بہر حال پہلا احتمال تو دلائل نقلیہ اور قرائن عقلیہ دونوں سے مردود ہے۔

علیٰ ہٰذا دوسرا احتمال (سلب کلی) کا بھی غلط اور باطل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتعلیم خداوندی ان امور نزولِ باراں، ما فی الارحام، وغیرہ کی بعض منتشر جزئیات کا علم ہونا ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اور فریقِ ثانی کی طرف سے جو روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں جو ہم ابھی ابھی نقل کر چکے ہیں وہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ البتہ اُن کا یہ کہنا کہ آیات زیر بحث کے نزول کے وقت تک آپ کو ان امور کی کسی جزئی کا بھی علم نہ تھا بلکہ بعد میں عطا کیا گیا ہے اور اب گویا اپنے مضمون کے لحاظ سے یہ آیات حکماً منسوخ ہو چکی ہیں قطعاً غلط اور محض جہالت ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ مابعد میں اپنی ذات سے علوم خمس کی نفی کرتے ہوئے بطور استشہاد انِ آیات کی تلاوت نہ فرماتے۔ حالانکہ رسالہ ہٰذا کے ص۳۷ پر ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہم نے نقل کی ہے وہ حضور کی حیات طیبہ کے آخری زمانہ کی ہے[2] اور اس میں بھی حضورؐ نے سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ

---

[1] اور اگر اس نفی کو ذاتی وعطائی سے عام مان لیا جائے تو اس تخصیص کے لئے وہ وجہ صحیح ہو سکتی ہو۔ جس کو امام رازی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے۔ ۱۲

[2] اس دعوے کا ثبوت کہ یہ حدیث بھی حضورؐ کی حیات طیبہ کے آخری زمانہ کی ہے۔ انشاء اللہ کتاب ہٰذا کے حصہ دوم میں عرض کیا جائے گا۔

"کیا علم میں سے کوئی چیز ایسی بھی ہے جس کو آپ نہ جانتے ہوں۔؟"
ارشاد فرمایا کہ۔

قد علمنی اللہ خیراً کثیرا و	بے شک اللہ نے مجھے بہت سے اچھے
ان من العلم مالا یعلمہ الا	علوم عطا فرمائے اور یقیناً بعض علوم وہ بھی
اللہ الخمس ان اللہ عندہ	ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا (مثلاً)
علم الساعۃ وینزل الغیث	وہ پانچ چیزیں جو (سورۃ لقمان کی اس آخری
ویعلم مافی الارحام وما	آیت "ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ۔
تدری نفس ماذا تکسب	میں مذکور ہیں۔

غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیرٌ ہ

اور علیٰ ہذا حضور کی عمر شریف کے آخری حصہ میں جب حضرت جبرئیل نے ایک اجنبی کی شکل میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند اور سوالات کے بعد یہ سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حسب روایت حضرت ابن عباس و ابو عامر اشعری (رضی اللہ عنہم) نے جواب دیا کہ۔

سبحان اللہ خمس لا یعلمھن	سبحان اللہ! پانچ چیزیں تو وہ ہیں جن کا
الا اللہ ان اللہ عندہ علم	علم خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں اور وہ وہی ہیں
الساعۃ وینزل الغیث الآیۃ	جو سورہ لقمان کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

بہر حال یہ دونوں روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ حیات میں اور یقیناً اس زمانہ سے بہت پہلے آپ کو ان پانچ چیزوں میں سے بعض جزئیات کا علم ہو چکا تھا۔ کیونکہ سیدنا حضرت امام حسین کی ولادت، غزوۂ خیبر، غزوۂ بدر، یہ تمام واقعات بہت پہلے کے ہیں۔) لیکن پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے ان علوم خمس کی نفی کرتے ہوئے سورۂ لقمان کی اس آیت کی تلاوت فرمائی جس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ان بعض جزئیات کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی یہ آیت محکم رہی اور اس میں جس علم کی غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی وہ نفی آخر تک برقرار رہی۔ پس ان

؎ ۔ اس کا ثبوت ہم اسی بحث میں ابھی پیش کر چکے ہیں ملاحظہ ہو۔ ۱۲۔

روایات کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا کہ اِن آیات میں جس علم کی غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی۔
وہ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا گیا اور گویا یہ آیات اپنے مضمون کے
لحاظ سے منسوخ ہو چکیں۔ صریح جہالت اور محض الحاد ہے۔ الغرض ہماری اس تقریر سے
دوسرا احتمال بھی (کہ اِن آیات میں غیر اللہ سے بطور سلب کلی امورِ خمس کے ہر قسم کے علم
ذاتی وعطائی کلی وجزئی کی نفی کی گئی ہو) باطل ہو گیا۔ اور صرف تیسرا ہی احتمال باقی رہا اور
وہ یہ کہ اِن آیات میں امورِ خمس کے صرف علم کلی کی نفی کی گئی ہے اور یہی احتمال صحیح ہے
اور ہماری پیش کردہ چودھویں اور پندرھویں آیتوں کا مطلب یہی ہے کہ اِن پانچوں چیزوں
کا علم کلی صرف خدا کو ہے اس کے سوا کسی کو نہیں نہ بالذات نہ بالعطاء۔ اور عرض کیا جا
چکا ہے کہ اس صورت میں ان آیات اور مذکورہ بالا روایات میں کوئی تعارض نہیں رہتا
کیونکہ اُن روایات سے صرف علم جزئی ثابت ہوتا ہے اور آیات میں علم کلی کی نفی کی
گئی ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ ایجاب جزئی اور رفع ایجاب کلی میں کوئی منافات نہیں۔
خلاصہ کلام یہ کہ مدعیانِ علم غیب امورِ خمس کا علم ثابت کرنے کے لئے جو روایات
پیش کرتے ہیں اُن سے صرف بعض جزئیات منتشرہ کا علم ثابت ہوتا ہے اور ہم اس
کے منکر نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایسی ایسی سینکڑوں ہزاروں جزئیات
منتشرہ کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دوسرے مقبولین ومقربین کو عطا فرما
دیا ہو۔ ہاں ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ ان امور کا علم کلی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں
اور یہی ہماری پیش کردہ آیات ۱۴ و ۱۵ سے ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم تفصیل
عرض کر چکے۔
اگر ناظرین کرام نے ہماری اس تقریر کو بغور ملاحظہ فرمایا ہو گا۔ تو ہم امید کرتے
ہیں کہ علوم خمس کے بارے میں اُن کے تمام شکوک وشبہات انشاء اللہ رفع ہو گئے
ہوں گے۔ اور مخالفین کی تمام تاویلات وتحریفات کا جواب بھی وہ اسی سے سمجھ
چکے ہوں گے۔
یہاں ہم اس بحث میں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اگرچہ اس کے متعلق ابھی اور

بھی بعض اہم اور ضروری مباحث باقی ہیں جن کو ہم انشاء اللہ کتاب ہذا کے باب دوم میں ذکر کریں گے۔ واللہ الموفق والمعین وعلیہ نتوکل وبہ نستعین۔

اب تک ہم اہل بدعت کے عقیدہ "علم غیب" و "علم جمیع ماکان ومایکون" کے خلاف پندرہ صاف صریح آیات پیش کر چکے ہیں جن میں صرف وقتِ قیامت، یا تمام امورِ خمس کے علم کی غیر اللہ سے نفی کر کے اُس کو محض ذات وحدہٗ لاشریک کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس سلسلہ کی دوسری آیات ملاحظہ ہوں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امورِ خمس کے علاوہ بعض دیگر کائنات کا علم بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

آیت (۱۶)

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۵ (مدثر پ۲۹)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ونمیداند لشکر پروردگار ترا مگر او تبارک وتعالیٰ۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

"اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر وہی"۔ (امام التراجم)

اس آیت کا شان نزول جو امام ابن جریرؒ اور علامہ بغویؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ وغیرہ کی روایت سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ جب اسی صورت کی پہلی آیات میں جہنم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتلایا گیا کہ۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔ اُس پر خدا کی طرف سے اُنیس ۱۹ فرشتے مُسلّط ہیں۔ تو ابوجہل وغیرہ بعض احمق اور سرکش کافروں نے کہا کہ انیس ۱۹ سے نبٹ لینا تو کچھ مشکل نہیں ہے ہم بہت آسانی سے اُن سے نبٹ لیں گے تو یہ آیات[1] نازل ہوئیں۔ جنہیں

---

[1] یعنی وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً سے لے کر آخر تک (پ۲۹) ۱۲ منہ۔

پہلے تو یہ بتلایا گیا کہ یہ انیس ۱۹ تم جیسے انسان نہیں ہیں کہ اُن سے نبٹنا آسان ہو بلکہ وہ فرشتے ہیں۔ جن میں سے ایک ایک زمین کے تختہ کو اُلٹ سکتا ہے پھر خاص انیس ۱۹ کے عدد کی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا پھر اس آیت میں بتلایا کہ یہ مت سمجھو کہ اللہ کے پاس بس یہ ہی انیس ۱۹ فرشتے ہیں بلکہ اُس کا لشکر اتنا کثیر ہے کہ اُس کا خدا کے سوا کسی کو علم بھی نہیں۔

چنانچہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(وما یعلم جنود ربك الا ھو) قال مقاتل ھٰذا جواب لابی جھل حین قال اما لمحمد اعوان الا تسعة عشر۔ قال عطاء "وما یعلم جنود ربك الا ھو" یعنی من الملئكة الذین خلقھم لتعذیب اھل النار ولا یعلم عدتھم الا اللہ والمعنیٰ ان تسعة عشر ھم خزنة النار ولھم من الاعوان والجنود من الملئكة ما لا یعلمھم الا اللہ عز وجل۔

مقاتل نے کہا ہے کہ یہ ابوجہل کی بات کا جواب ہے اُس نے کہا تھا کہ کیا محمدؐ کے بس انیس ۱۹ ہی مددگار ہیں۔ اور عطاء کہتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ فرشتوں کے جو لشکر اہلِ دوزخ کی عذاب دہی کے لئے خدا نے پیدا کئے ہیں اُن کی شمار کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ یعنی جہنم کے داروغہ اگرچہ انیس ۱۹ ہی ہیں لیکن اُن کے ماتحت یا مددگار فرشتوں کے جو لشکر ہیں وہ تو اتنے ہیں کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو اُن کی خبر ہی نہیں۔

(معالم التنزیل ص۱۴۸ ج ۷)

اور اسی کے قریب علامہ علی بن محمد خازن علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے ملاحظہ ہو۔ تفسیر خازن ص۱۴۸ ج ۷ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای ما یعلم عددھم و کثرتھم الا ھو تعالیٰ۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لشکروں کی شمار اور اُن کی کثیر مقدار کا کسی کو علم نہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص۱۱۵ ج ۱۰)

علامہ نسفی حنفی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں ارقام فرماتے ہیں۔

(وما یعلم جنود ربک) لفرط کثرتھا (الا ھو) فلا یعز علیہ تتمیم الخزنۃ عشرین ولکن لہ فی ھٰذا العدد الخاص حکمۃ لا تعلمونھا۔	اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کی تعداد کو اُن کی بے انتہا کثرت کی وجہ سے بجز اُس کے کوئی بھی نہیں جانتا پس اُس کے لئے انیس[19] کو پورے بیس[20] کر دینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اس خاص عدد میں اُس کی کوئی خاص حکمت ہے جس کو تم نہیں جانتے۔

(تفسیر مدارک التنزیل صـ۲۳۳ ج ۴)

اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کی تفسیر میں چند وجوہ لکھے ہیں جن میں سے پہلی وجہ جو اُن کے نزدیک راجح ہے یہ ہے کہ۔

ان القوم استقلوا ذالک العدد فقال تعالیٰ "وما یعلم جنود ربک الا ھو" فھب ان ھٰؤلاء تسعۃ عشر الا ان لکل واحد منھم من الاعوان والجنود ما لا یعلم عددھم الا اللہ۔	قوم نے انیس[19] کے اس عدد کو جب قلیل سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تمہارے پروردگار کے لشکروں کی تعداد کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا" سو بے شک یہ تو انیس[19] ہی ہیں لیکن اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ مددگار اور لشکر ہیں۔ جن کی شمار کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(تفسیر کبیر صـ۲۰۷ ج ۸)

اگرچہ یہ آیتِ کریمہ اپنے مضمون کے لحاظ سے بالکل واضح ہے مگر تاہم ہم نے اپنے التزام کے مطابق چند مفسرین کی عبارات نقل کر دیں جو اس پر متفق ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے عساکر بالخصوص ملائکہ کی تعداد کا علم اللہ عزّ وجل کے سوا کسی کو نہیں۔ حالانکہ یہ جنودِ الٰہی بھی ماکان و مایکون میں سے ہیں پس یہ آیتِ کریمہ اس کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جمیع ماکان و مایکون کا علم تفصیلی محیط

حاصل نہ تھا۔

اللہ کی شان ہے کہ یہی مضمون ایک جگہ اسی آیتِ کریمہ کے حوالہ سے مدعیانِ علم جمیع ماکان ومایکون کے راس ورئیس جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب فاضل بریلوی کی زبان سے بھی نکل گیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات حصّہ چہارم کے ص۹ پر آپ کا ایک ملفوظ درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

زمین سے سدرۃ المنتہےٰ تک پچاس ہزار برس کی راہ ہے اُس سے آگے مستوی۔ اُس کے بعد اللہ جانے۔ اُس سے آگے عرش کے ستر ہزار حجاب ہیں ہر حجاب سے دوسرے حجاب تک پانچ سو برس کا فاصلہ اور اس سے آگے عرش اور ان تمام وسعتوں میں فرشتے بھرے ہیں۔ حدیث میں ہے آسمانوں میں چار انگل جگہ نہیں جہاں فرشتہ نے سجدے میں پیشانی نہ رکھی ہو۔ فرمائیے کس قدر فرشتے ہیں وما یعلم جنود ربك الا هو۔ اور تیرے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(ملفوظات حصّہ چہارم)

آیتِ کریمہ میں رضاخانی تاویلات اور انکے جوابات

اس آیتِ کریمہ میں بھی عام طور پر مدعیانِ علم غیب کی طرف سے وہی دو فرسودہ تاویلیں کی جاتی ہیں ایک یہ کہ یہاں صرف علم ذاتی کی نفی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ کو یہ علم بھی عطا فرما دیا گیا تھا۔ مگر یہ دونوں تاویلیں یہاں بھی نہیں چل سکتیں۔ پہلی تاویل تو اس واسطے مردود ہے کہ علم ذاتی باجماع مسلمین وباتفاق فریقین ایک ذرہ کا بھی کسی کو نہیں ہوسکتا۔ پس اگر آیت کا مطلب یہ قرار دیا جائے گا کہ حق تعالےٰ کے لشکروں اور اس کے ملائکہ کا علم ذاتی اس کے سوا کسی کو نہیں تو جنود اللہ اور ملائکہ اللہ کی کثرت پر اس کی دلالت نہ ہوگی کیونکہ ہم عرض کر چکے کہ علم ذاتی تو ایک چیز بلکہ ایک ذرہ کا بھی کسی کو نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس آیت میں جنود الٰہی کی بے انتہا کثرت ہی بیان

کرنا مقصود ہے کہ وہ اس قدر ہیں کہ اُن کا تفصیلی علم خدا کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں۔ الغرض علم ذاتی کی نفی مراد لینے کی صورت میں آیت کا مطلب اور مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کسی وقت جنود اللہ کا تفصیلی علم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور مخلوق کو حاصل ہو گیا تھا تب بھی آیتِ کریمہ کا مقصد فوت ہو جائے گا بلکہ مضمون ہی غلط ہو جائے گا کیونکہ آیت کا مفاد تو یہ ہے کہ اللہ کے لشکر اتنے کثیر ہیں کہ اُس کے سوا کسی کو اُن کا علم ہی نہیں اور جب یہ مان لیا گیا کہ خدا کے سوا فلاں مخلوق کو اُس کا علم تفصیلی محیط حاصل ہو گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس قدر کثیر نہیں ہیں کہ کسی مخلوق کو ان کا علم تفصیلی حاصل ہی نہ ہو۔

بہر حال دوسری تاویل کی صورت میں بھی آیت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اور لشکروں کی غیر معمولی کثرت کے ذریعہ سے جو حق تعالےٰ کی عظمت اور اُس کی سلطنت کی وسعت کا بیان کرنا مقصود تھا اُس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھیے کہ اس آیت کریمہ میں جو حق تعالےٰ کی مدح کی گئی ہے (کہ اُس کے لشکر اس قدر کثیر ہیں کہ کسی مخلوق کو اُن کا علم بھی نہیں) یہ مدح باطل ہو جائے گی۔ الغرض مذکورۂ بالا دونوں تاویلوں میں سے کسی تاویل کی بھی اس آیت میں گنجائش نہیں۔

اس آیت کا ایک اور جواب بھی دیا گیا ہے جس کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے الدولۃ المکیۃ میں ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارا دعویٰ اُن اشیاء کے علم تفصیلی محیط کا ہے جو ابتداءِ آفرینش عالم سے یوم قیامت تک عالم وجود میں آئیں اور یہ ضروری نہیں کہ جن جنود اللہ یا ملائکۃ اللہ کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ قیامت تک ہی پیدا ہونے والے ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ اُن میں سے بعض کی تخلیق قیامت کے بعد ہو اور انہی کے اعتبار سے اس آیت میں علم کی نفی کی گئی ہو اور اس صورت میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُن کا علم نہ ہونا ہمارے مدعا کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ کائنات مابعد القیامت کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ اُن کا علم محیط بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔"

فاضل بریلوی کے اس جواب کی بنیاد اس پر ہے کہ آیتِ کریمہ میں جنود اللہ کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اس قدر کثیر ہیں کہ اُن کا علم بھی خُدا کے سوا کسی کو نہیں۔ سو یہ اُن جنود اور ملائکہ کے متعلق نہیں فرمایا گیا جو بالفعل موجود ہیں اور مخلوق ہو چکے ہیں بلکہ آئندہ اور وہ بھی قیامت کے بعد پیدا ہونے والے جنود اللہ کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے۔

لیکن فاضل بریلوی کی یہ تاویل نظم قرآن اور مقصد تنزیل سے جس قدر بعید اور لایعنی ہے وہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

پہلے ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ کفارِ مکہ ابوجہل وغیرہ ملائکہ جہنم کا عدد صرف انیس ۱۹ سن کر اُن سے مقابلے کے منصوبے گانٹھ رہے تھے اور اس پر خوشیاں منا رہے تھے۔ کہ ربّ محمدؐ کے فرشتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے بس وہ انیس ہی ہیں۔ اس آیت میں انہی کو یہ جتلایا گیا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اللہ عزوجل کے پاس صرف انیس ۱۹ ہی فرشتے ہیں حالانکہ اُس کے فرشتے تو اس قدر کثیر ہیں کہ اُس کے سوا کسی اور کو تو اُن کا علم بھی نہیں ہے۔

پس مقام اور موقع کی اس خصوصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی عقل سلیم اس کو قبول نہیں کر سکتی کہ یہ کثرت موجودہ فرشتوں کی نہیں بلکہ آئندہ اور وہ بھی قیامت کے بعد پیدا ہونے والے فرشتوں کی بیان کی گئی ہو۔ حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے کہ قیامت کے بعد بھی ملائکہ کی تخلیق کا سلسلہ جاری رہے گا۔ (واللہ اعلم)

بہرحال سیاق قرآن اور شانِ نزول کا تقاضا یہی ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں انہی فرشتوں کی یہ کثرت بیان کی گئی ہو جو اس آیت کے نزول تک مخلوق اور موجود ہو چکے تھے اور غالباً اسی واسطے حضرات مفسرین نے اس کی تصریح بھی فرما دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تلمیذ حضرت عطاء تابعی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یعنی من الملئکۃ۔ الذین خلقھم یعنی وہ ملائکہ جن کو اللہ نے جہنمیوں کی عذاب

لتعذیب اھل النار لا یعلم عدتھم الا اللہ۔ (معالم)	دہی کے لئے ہی پیدا کیا ہے اُن کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور علامہ علی بن محمد خازن فرماتے ہیں۔

المعنی ان الخزنۃ تسعۃ عشر وھم اعوان وجنود من الملئکۃ لا یعلم عددھم الا اللہ تعالٰے خلقوا التعذیب اھل النار۔	آیت کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے داروغہ اگرچہ انیس ۱۹ ہی فرشتے ہیں لیکن ان کے مددگار اور ماتحت لشکر فرشتوں میں سے اس قدر ہیں کہ بجز خدا کے کسی کو اُن کی شمار بھی معلوم نہیں یہ سب دوزخیوں کی عذاب دہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں "خلقھم لتعذیب اھل النار" اور "خلقوا التعذیب اھل النار" کے الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ جن ملائکہ کی کثرت کا اس آیت میں بیان ہے اور جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اُن کی تعداد کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں وہ وہ ہیں جو آیت ہذا کے نزول کے وقت موجود اور مخلوق ہو چکے تھے۔ البتہ جو فرشتے اس کے بعد مخلوق ہوں گے وہ بھی اس حکم میں داخل ہوں گے۔ فافھموا وتاملوا۔ !

ہمارے اس بیان سے ناظرین کرام کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ فاضل بریلوی کی یہ تیسری تاویل بھی سیاق قرآن اور تصریحات مفسرینؒ کے خلاف ہے لہذا ناقابل قبول اور ان کے الفاظ میں مردود ہے۔

بہرحال یہ سولھویں آیت بھی ہمارے مدعا پر نہایت محکم اور ناقابل تاویل دلیل ہے۔ وللہ الحجۃ السامیۃ۔

آیت (۱۷)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

پس نمی داند ہیچ نفس چہ چیز پنہا داشتہ شد برائے ایشاں از خنکی چشم پاداش دادہ شد بآنچہ می کردند۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلا اس کا جو کرتے تھے۔ (امام التراجم)

اس آیت سے پہلے اُن ایمان والوں کا ذکر ہے جو اللہ جل جلالہ سے ڈرتے ہیں۔ اور جب آیات الہٰی کے ذریعہ اُن کو نصیحت کی جائے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں بالخصوص راتوں کو (جو دنیا کے آرام کرنے کا وقت ہے) اُن کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ ذکر الہٰی میں مشغول رہتے اور اپنے پروردگار سے دعائیں کرتے ہیں۔ اور اللہ نے جو کچھ ان کو دے رکھا ہے۔ وہ اس میں سے صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔

بہر حال ایسے ایمان والوں کو حق تعالےٰ کی طرف سے جو نعمتیں دی جائیں گی۔ آیت مندرجہ بالا میں انہیں کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ۔

اپنے ان نیک بندوں کے لئے ان کے اعمال صالحہ کے بدلے میں جو نعمتیں ہم نے چھپا کے رکھی ہیں (جن کے دیکھنے ہی سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی) اُن مخفی نعمتوں کا کسی نفس کو علم نہیں۔

اور چونکہ یہ نعمتیں بھی (جو حق تعالےٰ نے پہلے ہی سے تیار کر کے چھپا رکھی ہیں) جمیع ماکان و مایکون میں سے ہیں۔ اس لئے اس آیت سے بھی نہایت صراحت اور صفائی سے ثابت ہوا کہ ماکان و مایکون میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا علم بجز حق تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔

اگرچہ آیت کا مضمون اور اس سے ہمارا استدلال کسی توضیح کا محتاج نہیں۔ لیکن

چونکہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے اس آیت کی تاویل پر کافی زورِ قلم صرف کیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تفسیر میں ہم بھی کسی قدر بسط سے کام لیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

احادیث کریمہ سے اس آیت کی تفسیر

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

یقول اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصٰلحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ذخراً۔ من بله ما اطلعتم علیه ثم قرأءع فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے اُن چیزوں کو بطور ذخیرہ تیار کر کے رکھا ہے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی اُن کا خطرہ ہی گزرا ہے اور یہ چیزیں ماسوا جنت کی اُن نعمتوں کے ہیں جن کی تم کو اطلاع ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ص۷۰۴) فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین الآیۃ

یہ روایت (باختلاف بعض الفاظ) کتب درسیہ میں سے صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی نے اس کے متعلق "حسن صحیح" لکھا ہے۔ نیز امام احمد اور

ع۔ اس موقعہ پر بعض روایات میں "قال ابوھریرۃؓ اقرءوا ان شئتم" کے الفاظ بھی آئے ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ اضافہ شاید حضرت ابوہریرہؓ کا ہے لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ بھی حدیث مرفوع کا جز ہے۔ کما حققہ الاستاذ العلامہ مولانا محمد ادریس الکاندھلوی (شارح المشکوٰۃ شرحاً یفتخر بہ العصر) فی بعض تصانیفہ ۱۲ منہ غفرلہٗ۔

ابن ابی شیبہ اور ھناد اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور ابن الانباری نے بھی اس کو حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کیا ہے (در منثور صـ۱۸۰ ج ۵) اور امام بغوی نے معالم میں اس کی تخریج اپنی سند سے کی ہے (معالم التنزیل صـ۱۸۴ ج ۵)

اور حضرت امام احمدؒ نے اپنے مسند میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ۔

شهدت من رسول الله صلى الله عليه وسلم مجلساً وصف فيه الجنة حتى انتهى ثم قال في اٰخر حديثه فيها ما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ثم قرء هذه الاٰية تتجافى جنوبهم عن المضاجع الٰى قوله يعملون (تفسیر ابن کثیر صـ۴۳ ج ۸)	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مجلس میں حاضر ہوا آپ نے اُس میں جنّت کا حال بیان فرمایا یہاں تک کہ ختم فرمادیا۔ پھر اپنے کلام کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اُس میں (یعنی جنّت میں) وہ چیزیں بھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے نہ سنا ہے۔ اور نہ کسی انسان کا وہم وخیال وہاں تک پہنچا ہے پھر حضورؐ نے یہی آیت تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع سے جزآءً بما کانوا یعملون تک تلاوت فرمائی۔

واخرجه ایضاً مسلم فی صحیحہ۔

نیز یہی روایت صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ صحاح اور دیگر کتب حدیث میں اس مضمون کی روایات اور بھی پائی جاتی ہیں لیکن یہاں ہم ان ہی دو حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سہل بن سعدؓ کی ان دونوں روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیتِ کریمہ کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ حق تعالٰے نے اپنے نیک بندوں کے لئے کچھ خاص نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں جن کی اطلاع کسی بشر کو نہیں ہے نہ کسی نے اُن کو دیکھا نہ سنا نہ جانا۔

حضرات صحابہؓ و تابعین کے ارشادات سے اس آیۃ کی تفسیر

اور چونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب کو بھی اس آیت کا یہی مطلب بتلایا تھا اسں لئے انہوں نے بھی یہی سمجھا اور دوسروں کو بھی یہی بتلایا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو جماعت صحابہ میں سے علم قرآن میں خاص مہارت رکھتے تھے اور جن کی قرآن دانی اور قرآن فہمی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اعتماد تھا جیسا کہ ہم پہلے رسالہ ہذا کے صفحہ ۵۹ پر بتفصیل لکھ چکے ہیں غرض وہی فقیہ الامت معلم القرآن حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انه لمکتوب فی التوراۃ لقد	بتحقیق تورات مقدس میں لکھا ہوا ہے۔ کہ
اعد الله للذین تتجافی	بے شک اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے
جنوبھم عن المضاجع ما	جن کے پہلو (ذکر الٰہی کی وجہ سے) اپنی خواب
لم ترعین ولم تسمع اذن	گاہوں سے الگ رہتے ہیں وہ چیزیں تیار کی
ولم یخطر علی قلب بشر و	ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان
لا یعلم ملك مقرب ولا نبی	نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اُن کا خطرہ
مرسل وانه لفی القرآن	گزرا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے
فلا تعلم نفس ما	اور نہ کوئی فرستادہ پیغمبر اور یہی مضمون قرآن
اخفی لھم من قرۃ	کی اس آیت میں بھی ہے فلا تعلم نفس
اعین۔	ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔

اس کو فریابی اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے ساتھ ہی اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

(در منثور ص۱۸۱ ج ۵)

اسں روایت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت کا وہی مطلب ہے جو اس سے پہلے احادیث مرفوعہ

سے معلوم ہوا کہ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے کچھ ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا علم کسی بشر کو کسی طرح بھی نہیں"

بلکہ اس روایت میں بصراحت یہ بھی آگیا کہ ان مخفی نعمتوں کا علم کسی مقرب فرشتہ اور نبی و رسول کو بھی نہیں عطا فرمایا گیا ہے۔

لیکن اس سب کے علاوہ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس مضمون کا اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تورات مقدس کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی کرایا جا چکا ہے چنانچہ اس کی تائید صحیح مسلم کی ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے اُس میں شعبی سے روایت ہے کہ میں نے صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ ممبر پر اپنے خطبہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

سأل موسیٰ علیه السلام ربه عزوجل ما ادنی اهل الجنة منزلة (ای ان قال) قال ای رب فاعلاهم منزلة قال اولئك الذين عرست كرامتهم بيدي وختمت عليها فلم ترعين ولم تسمع اذن ولم يخطر على قلب بشر قال ومصداقه من كتاب الله عزوجل فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين جزاءً بما	موسیٰ علیہ السلام نے (ایک دفعہ) رب العزت جل جلالہ سے دریافت کیا کہ اہل جنت میں سے ادنیٰ درجہ کا آدمی کیسا ہو گا؟ (یعنی اُس کو کیا کیا نعمتیں حاصل ہوں گی؟ حق تعالیٰ کی طرف سے اُس کا جواب دیا گیا جو حدیث میں مفصل مذکور ہے ہم نے محض بقصد اختصار یہاں اس کو نقل نہیں کیا) اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ میرے پروردگار پھر اعلیٰ درجہ والوں کا کیا حال ہوگا؟ حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ تو وہ لوگ ہیں جن کے انعام و اکرام کو میں نے اپنے دست قدرت سے

کانوا یعملون۔ محفوظ کیا ہے۔ اور اس پر میں نے مہر لگادی ہے
(صحیح مسلم شریف ص ج ۲) اس واسطے نہ تو کسی آنکھ نے اُس کو دیکھا ہے
اور نہ کسی کان نے اُس کو سنا ہے اور نہ کسی انسان کے وہم و خیال کا وہاں تک گذر ہوا ہے۔
اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ اس کی تصدیق اللہ کی
کتاب قرآن مجید کی یہ آیت کرتی ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین
جزآءً بما کانوا یعملون۔

حضرت مغیرہؓ کی اس روایت سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے
مذکورہ بالا بیان کی صاف تائید ہوتی ہے اگرچہ اتنا فرق ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے
بیان میں تورات مقدس کا حوالہ ہے اور اس مرفوع حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ
السلام کے سوال اور حق تعالےٰ کے جواب کا پس قرین قیاس یہ ہے کہ حق تعالےٰ کا
یہ جواب توراۃ مقدس میں بھی مذکور تھا۔ ساتھ ہی حضرت مغیرہ کی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے
نزدیک بھی اس آیت کا مطلب وہی ہے جو سابقہ روایات سے معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔

اور سیدنا حضرتؓ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مروی ہے۔

قال کان عرش اللہ علی المآء	فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی
فاتخذ جنۃً لنفسہ ثم	پر تھا پس اُس وقت اُس نے ایک جنت
اتخذ دونھا اخریٰ ثم	(ایک خوش نما باغ) تیار کیا پھر اُس کے
اطبقھا بلؤلؤۃ واحدۃٍ ثم	ورے ایک دوسرا گلزار بنایا پھر اُس کو ایک
قال ومن دونھما جنتان	موتی سے ڈھانپ دیا پھر فرمایا کہ اُن کے
لم یعلم الخلق ما فیھا	ورے دو جنتیں ہیں کہ مخلوق کو معلوم نہیں
وھی التی قال اللہ فلا تعلم	کہ ان میں کیا ہے اور وہ وہی ہے جس کے

عہ سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الفرقان بابت ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ ۱۲۔

نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین. جزاءً بما کانوا یعملون

بارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا ان نعمتوں کو جو اُن عبادِ صالحین کے اعمال حسنہ کا بدلہ دینے کیلئے مخفی رکھی گئی ہیں۔

اس کو فریابیؒ اور عبد بن حمیدؒ، اور ابن جریرؒ اور محمدؒ بن نصر اور ابن المنذرؒ، اور ابن ابی حاتمؒ اور ابو الشیخؒ، اور بیہقیؒ اور حاکمؒ نے روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے ساتھ ہی اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ در منثور ۲۱۹ صفحہ ۱۸۰ ج ۵۔

حضرت ابوہریرہ، حضرت سہل بن سعد، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کی مذکورۂ بالا روایات اور حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں درحقیقت کوئی تعارض اور تخالف نہیں بلکہ صرف عنوان کا فرق ہے، پہلی روایات سے اجمالاً اتنا معلوم ہوا تھا۔ کہ حق تعالیٰ نے کچھ خاص نعمتیں اپنے عباد صالحین کے لئے مخفی رکھی ہیں اور کسی مخلوق کے ادراکات کی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں اُسی اجمال کی ایک دوسرے عنوان سے کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور سیدنا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اخفیٰ قوم عملاً فاخفی اللہ لھم مالم ترعین ولم یخطر علیٰ قلب بشر رواہ ابن ابی حاتم۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۲ ج ۸)

(اس شب بیدار) قوم نے اپنے عمل کو چھپایا پس حق تعالیٰ نے بھی اُس کے لئے وہ نعمتیں چھپا کے رکھیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی ان کا خطرہ گذرا۔

یہاں تک جو احادیث و آثار منقول ہوئے اُن سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کو اور انہوں نے اپنے تلامذہ حضرات تابعین عظام کو اس آیت کا یہی مطلب بتلایا تھا کہ۔

حق تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص نیک بندوں کے لئے کچھ ایسی نعمتیں تیار کر کے

چھپا رکھی ہیں جن کا علم کسی بشر بلکہ کسی مقرب فرشتے اور برگزیدہ نبی کو بھی حاصل نہیں" اس کے بعد ہم اپنے التزام کے مطابق چند ائمہ مفسرین کی تفسیری عبارات بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرات ائمہ مفسرین کی تصریحات

عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث امام ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ۔

ای فلا یعلم احدٌ عظمۃ ما اخفی اللہ لھم فی الجنات من النعیم المقیم واللذات التی لم یطلع علی مثلہ احدٌ۔
(تفسیر ابن کثیر صـ۳۳ ج ۸)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو اعلیٰ نعمتیں اور بہترین لذتیں اللہ نے اپنے اُن خاص نیکوکار بندوں کے لیے جنت میں مخفی رکھی ہیں جن کی مثل کسی نے نہیں دیکھی اُن کی عظمت شان کا حال کسی کو بھی معلوم نہیں۔

اور علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں۔

(فلا تعلم نفس) من النفوس لا ملک مقرب ولا نبی مرسل فضلاً عمن عداھم۔
(تفسیر ابو السعودؒ صـ۳۱ ج ۷)

نفوس مخلوقہ میں سے کوئی نفس نہیں جانتا ان نعمتوں کو (جو اُن نیک بندوں کے لیے چھپا کے رکھی گئی ہیں) حتیٰ کہ نہ کسی مقرب فرشتے ہی کو اُن کا علم ہے اور نہ کسی فرستادہ رسول ہی کو چہ جائیکہ اُن کے علاوہ اور لوگ۔

اور علامہ نسفی حنفی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں۔

لا یعلم احدٌ ما اعد لھٰؤلاء من الکرامۃ۔
(تفسیر مدارک التنزیل صـ۲۲۲ ج ۲)

کوئی نہیں جانتا اُن خاص مخفی انعامات واکرامات کو جو ان عباد صالحین کیلئے تیار کیے گئے ہیں۔

اور قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

(فلا تعلم نفس) لا ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ (تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی ص۱۵۵ ج ۲)

پس کوئی نفس نہیں جانتا حتیٰ کہ نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی فرستادہ رسول (اُن نعمتوں کو جو حق تعالےٰ نے اپنے خاص عباد صالحین کے لئے مخفی رکھی ہیں)

اور امام بغویؒ نے معالم التنزیل میں اور علامہ خازنؒ نے لباب التاویل میں اس موقع پر صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت یعنی حدیث قدسی "اعددت لعبادی الصالحین الحدیث" کے نقل پر اکتفا کیا ہے گویا اُن کے نزدیک بھی اس آیت کی تفسیر وہی ہے جو اُس حدیث مرفوع میں کی گئی ہے۔

علیٰ ہذا خطیب شربینی علیہ الرحمۃ نے تفسیر سراج منیر میں اس جگہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورۂ صدر روایت کے نقل پر اکتفا کیا ہے جس میں تورات مقدس اور پھر قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کے حوالہ سے بتلایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شب زندہ دار بندوں کے لئے جو خاص نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں۔ اُن کی کسی قسم کی اطلاع کسی بندے کو حتیٰ کہ فرشتوں اور نبیوں کو بھی نہیں۔ (ملخصاً)

آیت ہذا کی تفسیر میں یہاں تک جو احادیث نبویہ یا حضرات صحابہ وتابعین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے جو ارشادات اور ائمہ مفسرین کی جو تصریحات نقل کی گئی ہیں اُن سب سے بلا کسی ذہنی جدّ وجہد کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سورۂ سجدہ کی اس آیت (فلا تعلم نفس الآیۃ) کا مطلب یہی ہے کہ۔

"حق تعالیٰ نے اپنے اُن خاص بندوں کے لئے جو اُس کے قہر وجلال سے ڈرتے ہیں۔ اور اُس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ بالخصوص راتوں کو اپنی راحت وآرام قربان کر کے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے اُس رب کارساز سے دعائیں کرتے ہیں۔ اور دوسرے امور خیر میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ بہر حال اپنے ان نیک کار بندوں کے انعام و اکرام کے لئے حق تعالیٰ نے اب سے بہت پہلے کچھ خاص تحائف تیار کر کے چھپا دیئے ہیں۔

اور صحیح مسلم شریف کی حضرت مغیرہؓ والی حدیث قدسی نمبری (۱۶۸) کے بموجب) اُن پر اپنے دستِ قدرت سے مُہر لگادی ہے اور اس طرح ان کو ساری مخلوق کے ادراکات سے مخفی کر دیا ہے کہ نہ وہاں تک کسی کی آنکھ کی رسائی ہے نہ کان کی اور نہ کسی کے وہم وخیال کی حتیٰ کہ ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین کو بھی اُن کا علم نہیں۔"

اور ظاہر ہے کہ یہ تیار شدہ مخفی نعمتیں بھی "جمیع ماکان ومایکون" میں داخل ہیں۔ اور جب کہ ان کا علم حق تعالےٰ علام الغیوب کے سوا کسی کو نہیں تو معلوم ہوا کہ "جمیع ماکان ومایکون" کا علم محیط بھی خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ وھو المراد۔

اس کے بعد ہم حسبِ وعدہ رضاخانی تاویلات پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

آیتِ کریمہ میں رضاخانی تاویلات اور اُن کے جوابات

فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی مایہ ناز کتاب "الفیوض الملکیہ" میں اس آیت کے پانچ جواب دیئے ہیں ہم اُن کو مع جواب الجواب کے نمبر وار نقل کرتے ہیں۔

(۱) آپ کے پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "لا تعلم" کے لفظ سے صرف فی الحال علم کی نفی ثابت ہوتی ہے اور نفی فی الاستقبال سے وہ بالکل ساکت ہے پس آیتِ کریمہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس کے نزول کے وقت اُن خاص مخفی نعمتوں کا علم کسی نفس کو نہیں تھا۔ رہا یہ کہ اُس کے بعد بھی کسی کو ہوا یا نہیں اس پر آیت کی نفیاً یا اثباتاً کوئی دلالت نہیں پس ہوسکتا ہے کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد ختم نزول قرآن تک کسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کا علم عطا فرما دیا گیا ہو پس تمامی نزول قرآن سے پہلے کسی چیز کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم پر مخفی ہونا ہمارے مدّعا کے خلاف نہیں کیونکہ ہم علم جمیع ماکان ومایکون کی تکمیل حضورؐ کے لئے تمامی نزولِ قرآن کے وقت مانتے ہیں نہ کہ اس سے پہلے (انتہی ملخصاً)

اَلجَوَاب

فاضل بریلوی کے اس جواب کی بنیاد صرف اس پر ہے کہ آیت کریمہ میں صرف فی الحال کی نفی ہے اور استقبال سے وہ بالکل ساکت ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ کیونکہ آیت مقام مدح میں وارد ہے اور اُس کا مقصد ان خاص نعمتوں کی اس طرح تعریف کرنا ہے کہ وہ ایسی عجیب وغریب ہیں کہ کسی نفس کو اُن کا علم ہی نہیں" اور یہ مدح اُسی صورت میں صحیح ہوسکتی ہے جب کہ قیامت تک بلکہ اُن نعمتوں کے مستحقین کو دیئے جانے تک کسی اور کو اُن کا علم نہ ہو۔ ورنہ اگر اس دنیا میں دوسروں کو بھی اُن کا علم دے دیا گیا۔ توپھر اُن کی یہ مدح باقی نہیں رہے گی اور حق تعالیٰ منزہ ہے اس سے کہ اپنے خاص محبوب بندوں کو دیئے جانے والی نعمتوں کا وہ وصف بیان کرے۔ جو چند روز کے بعد ختم ہوجانے والا ہو۔

علاوہ ازیں اگر کسی کو قرآن فہمی کا ادنیٰ سلیقہ ہو تو وہ اس آیت کے مخصوص اندازِ بیان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ" اس میں صرف علم فی الحال کی نفی ہے۔ کیا لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ" اور ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃٍ اور ان اللہ لا یحب کل خوان کفور اور ولا یملکون لانفسھم نفعًا ولا ضرًّا اور ولا یملك لھم ضرًّا ولا نفعًا" وغیرہ آیات کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی دلالت صرف نفی فی الحال پر ہے۔ نفی فی الاستقبال سے یہ ساکت ہیں۔ اعاذنا اللہ من مثل ھذہ الغباوۃ والغوایۃ۔

(۲) فاضل بریلوی کے دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ۔

آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ جن نعمتوں کا نامعلوم ہونا اُس میں بیان کیا گیا ہے وہ فی الحال موجود بھی ہیں البتہ " اُخْفِیَ " بصیغہ ماضی سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ اُن کا اخفار زمانہ ماضی میں واقع ہوچکا ہے اور اخفار کی ایک شکل یہ بھی ہے۔ کہ وہ چیزیں ابھی پردہ عدم ہی میں مستور ہوں اور اس کی تائید میں فاضل موصوف نے" کتاب الابریز" کے حوالہ سے ابن ابی عبداللہ شریف تلمسانی کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

الستر علے درجات الاولے	اخفار کے چند درجے ہیں اُن میں سب سے
وھے اقواھا ان لا یوجد	پہلا اور قوی تر یہ ہے کہ سرے سے وہ چیز
الشئ اصلاً فھو مستور	موجود ہی نہ ہو پس وہ بھی عدم کی ظلمت میں
فی ظلمۃ العدم۔	مستور و مخفی ہے۔

فاضل موصوف کا مقصد یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ان نعمتوں کا اخفار بھی اسی نوع کا ہو کہ وہ ابھی موجود ہی نہ کی گئی ہوں بلکہ بعد قیامت کے دار آخرت میں موجود کی جائیں اور اس صورت میں اُن کے نامعلوم ہونے سے علم ماکان و مایکون کے دعوے پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس سے اصطلاحاً صرف وہی اشیار مراد ہیں جو قیامت سے پہلے عالم وجود میں آجائیں (انتھے ملخصاً و مشرحاً)

اَلْجَوَاب

درحقیقت یہ بھی فاضل بریلوی کا مجددانہ مغالطہ ہے آیتِ کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ، حضرت سہل بن سعد ساعدی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی جو مرفوع و موقوف روایات ہم نے نقل کی ہیں۔ وہ فاضل بریلوی کے اس ایجاد کردہ احتمال کی قطعی بیخ کنی کر رہی ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی میں اعددت لعبادی الصالحین اور حضرت مغیرہ کی روایت میں اولئک الذین غرست کرامتھم بیدی وختمت علیھا کے الفاظ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اعد اللہ للذین تتجافی جنوبھم عن المضاجع اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں فاتخذ جنۃً لنفسہ ثم اتخذ دونھا اخری ثم اطبقھا بلولؤۃ واحدۃ" کے کلمات صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ موعودہ نعمتیں اب سے بہت پہلے حق تعالےٰ نے تیار کر رکھی ہیں۔ پس فاضل بریلوی کا یہ احتمال کہ شاید یہ نعمتیں قیامت کے بعد دار آخرت میں موجود کی جائیں ان احادیث و آثار سے مردود ہے۔

وللہ الحجۃ السامیۃ۔

افسوس ہے کہ فاضل بریلوی بھی اِن روایات سے بالکل غافل نہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث قدسی جو ہم نے آیت ہذا کی تفسیر میں سب سے پہلے نقل کی ہے وہ اس کو اسی بحث میں اس جواب سے چند ہی سطر پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس تاویل سے باز نہ رہے۔ وذلک لیعلم انّ العصبیۃ غشاوۃ قویۃ ونسأل اللہ العافیۃ۔

(۳) فاضل موصوف کے تیسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "اس آیت میں جن مخفی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور جن کو آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بتلایا گیا ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ کائنات میں سے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ حق تعالٰی کی کچھ خاص تجلیات ہوں اور آیت ہذا میں انہیں کا وعدہ کیا گیا ہو اور اس صورت میں اُن کا علم نہ ہونا ہمارے دعوے جمیع ماکان ومایکون کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ حق تعالٰی کی ذات وصفات اور اُس کے تجلیّات ہمارے دعوے سے مستثنٰی ہیں اور اُن کے متعلق ہمارا یہ ادّعا نہیں کہ اُن کا علم محیط بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہے۔"

اَلْجَوَابُ

یہ بھی فاضل موصوف کا محض مغالطہ ہے اور مذکورۂ بالا تفسیری روایات مرفوعہ وموقوفہ بالخصوص حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ کی روایت میں غرست کرامتھم بیدی وختمت علیھا فلم ترعین الخ اور حضرت ابن عباس کی روایت میں فاتخذ جنۃ لنفسہ ثم اتخذ دونھا اخری ثم اطبقھا بلؤلؤۃ واحدۃ الحدیث" کے الفاظ اس احتمال کی پوری پوری بیخ کنی کر رہے ہیں کیونکہ ان کا صریح مفاد یہ ہے کہ یہ مخفی نعمتیں کائنات عالم سے ہیں اور حق تعالٰی نے اُن کو اپنے دستِ قدرت سے تیار کر کے بند کر دیا ہے اور اُن پر مُہر لگا دی ہے۔

الغرض فاضل بریلوی کی یہ تاویل بھی مذکورہ بالا احادیث سے مردود ہے۔

(۴) فاضل موصوف کا چوتھا جواب یہ ہے کہ آیتِ کریمہ اور حدیث ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر" کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ نعمتیں اس عالم شہادت کی نہیں ہیں بلکہ اُس عالم غیب کی ہیں جس تک انسانی عقول وحواس کی رسائی نہیں ہوتی یعنی وہ انسانی ادراکات کی دسترس سے بالاتر ہیں" اور یہ اس کے منافی نہیں کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے کسی خاص بندے کو اُن کی اطلاع دیدے۔ پھر فاضل موصوف نے اس امکان کا وقوع ثابت کرنے کے لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حتیٰ دخلت الجنۃ فاذا فیھا — یہاں تک کہ میں جنت میں پہنچا پس ناگاہ وہاں
ما لا عین رأت ولا اذن سمعت — وہ وہ چیزیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے اُن کو دیکھا ہے
ولا خطر علی قلب بشر الحدیث" — اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی دل میں اُن کا خطرہ گذرا ہے۔

فاضل بریلوی کا مقصد اس حدیث سے یہ ثابت کرنا ہے کہ آیت کریمہ اور احادیث مذکورہ میں جن مخفی نعمتوں کے نامعلوم ہونے کا ذکر ہے شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا علم عطا فرما دیا گیا بلکہ عینی مشاہدہ بھی کرا دیا گیا۔ ہماری پیش کردہ سترہویں آیت " فلا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم من قرۃ اعین " کے متعلق فاضل بریلوی کا یہ آخری جواب ہے اور اپنے نزدیک انہوں نے اس کے ذریعہ سے علماء اہلِ سنّت کے اس استدلال کا قلع قمع ہی کر دیا ہے۔

اَلْجَوَابُ

لیکن فی الحقیقت یہ بھی فاضل موصوف کا ایک خوب صورت مغالطہ ہے اوّل تو یہی خیال غلط اور باطل ہے کہ آیت واحادیث کا مقصد صرف یہ ہو کہ " یہ نعمتیں عالم شہادت کی نہیں بلکہ عالم غیب کی ہیں "کیونکہ یہ انہی نعمتوں کی خصوصیت نہیں بلکہ عالم

آخرت کی تمام چیزیں حتیٰ کہ خود عالم آخرت، جنت، دوزخ، سب ہی عالم غیب میں سے ہیں پس اس سے اُن نعمتوں کی کوئی خاص مدح نہیں نکلی بلکہ کوئی خصوصیت بھی ثابت نہیں ہوئی حالانکہ آیات واحادیث کے الفاظ مدح اور خصوصیت کو چاہتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں بلہ ما اطلعتم کے الفاظ بھی موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص مخفی نعمتیں اُن نعمتوں کے ماسوا ہیں جن کی تم کو اطلاع ہو چکی ہے" حالانکہ وہ معلوم نعمتیں بھی عالم غیب ہی کی ہیں پس یہ استدراک اُس کی واضح دلیل ہے کہ آیت اور حدیث کا مطلب صرف یہی بتلانا نہیں ہے کہ یہ نعمتیں عالم غیب کی ہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان کی مخفی نعمتوں کی کسی قسم کی اطلاع کسی کو بھی نہیں۔

اور بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں" ولا یعلم ملك مقرب ولا نبی مرسل" کے الفاظ نے تو اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش ہی نہ چھوڑی اور تصریح کر دی کہ ان مخفی نعمتوں کی اطلاع اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندوں حتیٰ کہ مقرب فرشتوں اور برگزیدہ نبیوں کو بھی نہیں۔ اس صاف اور واضح تصریح کے ہوتے ہوئے اس احتمال کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ شاید حق تعالےٰ نے اپنے مخصوص بندوں میں سے کسی کو اُن کی اطلاع دے دی ہو۔ بہرحال فاضل بریلوی کا یہ خیال بھی نصوص حدیث سے مردود و مدفوع ہے۔

رہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی معراج والی محولہ بالا روایت برتقدیر صحت اس کا جواب اسی قدر کافی ہے کہ اُس میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جن نعمتوں کا مشاہدہ فرمایا وہ بعینہٖ وہی ہیں جن کا ذکر زیر بحث آیت اور منقولہ بالا احادیث میں کیا گیا ہے بلکہ اُس کا مفاد تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شب معراج میں کچھ ایسی چیزیں ملاحظہ فرمائیں جن کو اُس وقت تک نہ کسی نے دیکھا تھا نہ سنا تھا، نہ جانا تھا، اور ہمارا ایمان ہے کہ بے شک ایسا ہوا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ وہی نعمتیں تھیں

جن کا ذکر زیر بحث آیت اور مذکورۂ بالا احادیث میں کیا گیا ہے اور جن کو حسب روایت
مغیرہ بن شعبہؓ وابن عباسؓ قدرت نے بند کر کے سربمہر کر دیا ہے اور جن کے اخفار کا اعلان
تورات مقدس اور قرآن مبین میں بھی کیا گیا ہے بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیحین
والی حدیث قدسی[1] میں حق تعالیٰ وتبارک کے یہ الفاظ کہ مِنْ بَلْهَ مَا اَطْلَعْتُمْ عَلَيْهِ
اس کو صاف واضح کر رہے ہیں کہ یہ نعمتیں اُن کے ماسوا ہیں ۔

اور اگر بفرض ہمارے سامنے یہ تصریح نہ بھی ہوتی جب بھی یہ ماننا ضروری تھا۔ کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو عجائبات ملاحظہ فرمائے وہ ان نعمتوں
کے علاوہ ہیں جن کے اخفار اور عدم علم کا اعلان آیت و احادیث میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ
یہ یقینی امر ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں پیش آیا ہے۔ اور
حضرت ابوہریرہ وسہل بن سعد (رضی اللہ عنہما) کی روایت کردہ احادیث ہجرت سے
بہت بعد کی ہیں[عہ]۔ پس اگر یہ مان لیا جائے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان خاص نعمتوں کو بھی ملاحظہ فرما لیا تھا تو اس واقعہ کے برسہا برس بعد حق تعالیٰ کی طرف

لہ۔ حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل فرمائیں اور
صراحتہً یہ فرما بھی دیں کہ یہ فرمان خدا کا ہے مذکورۂ صدر حدیث ابوہریرہ "یقول اللہ تعالیٰ اعددت" الخ
ایسی ہی حدیث ہے اور اسی واسطے اس کے خطاب "ما اطلعتم" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل
ہیں فافہم ولا تعجل ۱۲۔

عہ۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ تو سنہ ہجری میں حاضر خدمت اقدس ہو کر مشرف باسلام بھی ہوئے ہیں
اور ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد خود براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ہی سے سُنی ہو گی اور حضرت سہل بن سعد کی روایت میں تصریح ہے کہ انہوں نے بذاتِ خود حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مجلس میں یہ حدیث سنی تھی اور کتب رجال وطبقات میں تصریح ہے کہ حضرت
سہل اصاغر صحابہؓ میں سے ہیں حتیٰ کہ حضورؐ کی وفات شریف کے وقت ان کی عمر کل پندرہ برس کی تھی پس اگر
یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انہوں نے ابتدائے سن شعور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی تو بھی

سے حضرت کا یہ عمومی اعلان فرمانا کہ ان نعمتوں کو کبھی کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے نہ کبھی کسی کان نے سُنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ گذرا ہے" معاذ اللہ غلط ٹھہرتا ہے۔

نیز اس صورت میں ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث قدسی کے بیان فرماتے وقت لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے یہ بھی ظاہر فرما دیتے کہ "ان خاص مخفی نعمتوں کا علم اگرچہ عام لوگوں کو نہیں ہے مگر مجھ کو ہے اور میں نے ان کو بچشمِ خود شبِ معراج میں دیکھا ہے۔

نیز صحابہ کرامؓ کو بھی چاہیئے تھا کہ وہ ان احادیث کی روایت کے وقت اس چیز کو بھی ظاہر کر دیا کرتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان نعمتوں کے متعلق خدا کی طرف سے علی الاطلاق یہ بیان فرمانا کہ کسی کو کسی طرح بھی اُن کا علم نہیں نہ سمعی، نہ بصری، نہ قلبی، اور اپنی ذات اقدس کا بھی اُس سے استثنا نہ فرمانا، اور پھر صحابہ کرامؓ کا بھی ان احادیث کو بھی اسی اطلاق کے ساتھ روایت کرنا بلکہ فقیہ الامت معلم القرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صاف الفاظ میں

ولا یعلمہ ملک مقرب ولا نبی مرسل کہ ان خاص مخفی نعمتوں کا علم کسی مقرب فرشتہ اور فرستادہ نبی کو بھی نہیں) فرمانا اس کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان خاص نعمتوں کا علم نہیں عطا فرمایا گیا تھا اور شبِ معراج میں حضورؐ نے جن اَن دیکھی، اَن سُنی، اَن جانی، چیزوں کو جنت میں ملاحظہ فرمایا وہ ان خاص مخفی نعمتوں کے علاوہ تھیں۔ واللہ اعلم۔

بہرحال فاضل بریلوی کی یہ آخری تاویل بھی جس پر انہوں نے بڑے ناز کا اظہار فرمایا ہے محض غلط اور باطل ٹھہری۔ اور ثابت ہو گیا کہ یہ سترھویں آیت بھی ہمارے مدعا پر نہایت محکم اور ناقابل تاویل دلیل ہے۔

وللہ الحجۃ القاطعۃ

آیت (۱۸)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَاؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"یاد کن آں روز کہ جمع کند خدا پیغمبراں را پس بگوید چہ جواب دادہ شد شمارا گویند ہیچ دانش نیست مارا ہر آئینہ توئی دانندہ امور پنہانی" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا بولیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات جانتا (امام التراجم)

اس آیت میں حق تعالیٰ کے اس سوال کا ذکر ہے جو قیامت کے دن تمام پیغمبروں سے اُن کی قوموں اور اُمتوں کے متعلق کیا جائے گا کہ اُنہوں نے تمہاری دعوت اور تبلیغ کا کیا جواب دیا آیا ایمان لائے اور تصدیق کی؟ یا کفر کیا اور تکذیب کی راہ اختیار کی؟ انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے۔

لاعلم لنا انك انت علام الغیوب۔ ہم کو علم نہیں آپ ہی تمام غیوب کے جاننے والے ہیں

اس آیت میں مفسرین کو ایک اشکال یہ پیش آگیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کے جواب کا فی الجملہ علم ضرور ہے پھر حق تعالےٰ کے سامنے اُنہوں نے مطلقاً علم کی نفی کیوں کر دی اس کی توجیہ میں چند اقوال ہیں اور چونکہ ان میں سے اکثر میں تنافی نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ سب اپنی اپنی جگہ پر درست ہوں۔

ایک قول جس کو علامہ خازنؒ اور امام رازیؒ وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ

معناہ لاعلم لنا کعلمك انبیاء علیہم السلام کے جواب "لاعلم لنا" کا مطلب

فیھم ولانك تعلم ما اضمروا وما اظھروا فعلمك فیھم انفذ من علمنا وابلغ۔ (تفسیر خازن صہ۸۹ ج ۲)	یہ ہے کہ خداوندا! ہم کو اُن کے متعلق آپ کا سا علم نہیں کیونکہ آپ تو اس کو بھی جانتے ہیں جو انہوں نے زبانوں سے ظاہر کیا اور اُس کو بھی جو دل میں پوشیدہ رکھا اور ہم کو صرف اُن کے ظاہری حال کا علم ہے پس آپ کا علم اُن کے

بارہ میں ہمارے علم سے زیادہ نافذ اور زیادہ بلیغ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں۔

ھو الاصح وھو الذی اختارہ ابن عباس۔ (تفسیر کبیر صہ۴۶۸ ج ۳)	یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ نے اختیار فرمایا ہے۔

اور امام ابن جریر طبریؒ نے علی بن ابی طلحہ کی روایت سے اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کا ایک قول یہ نقل کیا ہے۔

یقولون للرب عزّ وجل لا علم لنا الّا علمٌ انت اعلم بہ منا۔ (تفسیر ابن جریر صہ ج ۷)	انبیاء علیہم السلام کے اس جواب "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو علم نہیں بجز اُس علم کے جس کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباس سے اس قول کو امام بغویؒ نے معالم التنزیل صہ۸۹ ج ۲ پر اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے صہ۲۴ ج ۴ پر اور نیز علامہ خازنؒ نے لباب التاویل صہ۸۹ ج ۲ پر بھی نقل کیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کے یہ دونوں قول ایک ہی ہیں صرف عنوان کے اجمال وتفصیل کا فرق ہے ورنہ مطلب اس دوسرے قول کا بھی وہی ہے جو پہلے قول کا ہے۔

چنانچہ علامہ خازنؒ اس دوسرے قول کو نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں

وھذا القول قریب من الاوّل۔	یہ قول اُس پہلے قول کے قریب ہی قریب ہے

اور علیٰ ہذا حافظ ابن کثیرؒ نے تو اس دوسرے قول کا مطلب بالکل وہی لکھا ہے جو پہلے قول میں گذرا چنانچہ اس دوسرے قول کو نقل فرما کر لکھتے ہیں۔

رواه ابن جرير ثم اختاره على هذه الاقوال الثلثة ولاشك انه قول حسن وهو من باب التادّب مع الرب جل جلاله اى لاعلم لنا بالنسبة الىٰ علمك المحيط لكل شئ ونحن وان كنّا قد اجبنا وعرفنا من اجابنا ولكن منهم من كنّا انّما نطّلع علىٰ ظاهره لاعلم لنا بباطنه وانت العليم بكل شئ المطلع على كل شئ فعلمنا بالنسبة الىٰ علمك كلا علم انك انت علام الغيوب (تفسیر ابن کثیر صـ۲۴ ج ۴)

اس قول کو امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور ان تینوں قولوں پر اُس کو ترجیح دی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ قول اچھا ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے ادب کے قبیلہ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ خداوندا! آپ کے علم محیط کلّی کے مقابلہ میں ہم کو کچھ علم نہیں اور ہم کو اگرچہ جواب ملا تھا اور ہم ان کو جانتے ہیں جنہوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا لیکن بعض اُن میں سے وہ بھی تھے کہ ہم کو اُن کے صرف ظاہری حال کی اطلاع تھی اور اُن کے باطن کا ہم کو علم نہیں اور آپ ہر چیز کو جاننے والے اور ہر چیز کی اطلاع رکھنے والے ہیں۔ پس ہمارا علم آپ کے علم کی بہ نسبت مثل عدم علم کے ہے بتحقیق آپ ہی تمام غیوب کے جاننے والے ہیں۔

بہر حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ان دونوں قولوں میں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے انکار علم کا منشاء یہ ہے کہ اُن کو اپنے بعض امتیوں کے صرف ظاہر کا علم تھا اور باطن کی خبر نہ تھی اسی بنا پر حق جل جلالہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ہم کو علم نہیں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر دوسری تفسیروں کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے راجح اور قوی ہے اور اسی لئے اکثر ائمہ مفسرین نے دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں اسی کو اختیار کیا ہے

چنانچہ امام رازیؒ نے اسی کو "اصح" یعنی سب سے زیادہ صحیح کہا ہے اور امام ابن جریر طبریؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور حافظ ابن کثیرؒ نے اسی کے حق میں لاشك انه قول حسن کہا ہے اور امام بغوی نے معالم میں اور علامہ علی بن محمد خازن نے لباب التاویل میں اسی قول کو سب سے پہلے نقل کیا ہے اور ان کی عادت ہے کہ وہ قوی ترین قول ہی کو پہلے نقل کرتے ہیں۔

اور خطیب شربینیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ اپنی تفسیر سراج منیر ص۴۰۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

"لاعلم لنا" بما انت تعلمه انك انت علام الغیوب" فتعلم ما اجابوا وما اظهروه لنا وما لم نعلمه مما اضمروه فی قلوبهم۔

ہم کو علم نہیں اُس کا جس کا آپ کو علم ہے کیونکہ آپ غیوب کے جاننے والے ہیں۔ پس آپ کو معلوم ہے وہ جو انہوں نے جواب دیا اور وہ جو ہمارے لئے ظاہر کیا ہے اور آپ کو وہ بھی معلوم ہے جو ہم کو معلوم نہیں یعنی وہ جو انہوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھا۔

اور علامہ ابوالسعودؒ نے اپنی تفسیر ص۸۳ ج ۴ پر اور قاضی بیضاویؒ نے انوار التنزیل ص۲۱ ج ۱ پر بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اُن کے الفاظ بھی اسی کے قریب قریب ہیں اور علامہ نسفی حنفیؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

(قالوا لاعلم لنا) باخلاص قومنا دلیله (انك انت علام الغیوب)

(تفسیر مدارک التنزیل ص۲۳۱ ج ۱)

انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے کہ ہم کو علم نہیں یعنی اپنی قوم کے اخلاص کا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے فرمایا کہ آپ ہی علام الغیوب ہیں۔

بہر حال اس آیت کی تفسیر میں ایک قول تو یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کو عام محققین مفسرین نے اختیار فرمایا ہے اور آیت کے آخری جزء انك انت علام الغیوب سے بھی اس کی زبردست تائید ہوتی ہے جیسا کہ امام رازیؒ

اور علامہ نسفیؒ نے اس کی تصریح بھی کردی ہے۔ پس قوی ترین قول تو یہی ہے اور اس کی بنا پر آیت ہذا سے ہمارا استدلال بھی بالکل ظاہر ہے۔

کیونکہ اس تفسیر کی بنا پر آیت کا مفاد یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام حق تعالےٰ کے سوال کے جواب میں فرمائیں گے کہ خداوندا! ہم کو اپنی قوموں اور اپنے امتیوں کے ایمان و اخلاص کا پورا حال معلوم نہیں کیونکہ اُن میں سے بعض ایسے بدنصیب بھی تھے جن کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ اور ہم کو صرف اُن کے ظاہری حال کا علم ہو سکا غیبوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔

اور جب کہ بنی آدم کے جملہ ظاہری و باطنی احوال ما کان و ما یکون میں داخل ہیں تو معلوم ہوا کہ جمیع ما کان و ما یکون کا علم اللہ کے سوا کسی رسول کو بھی نہیں اور نہ قیامت تک ہوگا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا یہ بیان قیام قیامت کے بعد ہی ہوگا۔

آیت ہذا کی تفسیر میں ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اگرچہ یہ معلوم ہے کہ ہماری حیات میں فلاں فلاں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا تھا اور ہمارا دین قبول کیا تھا لیکن اُن کو یہ پوری طور پر معلوم نہیں کہ ان میں سے کون کون اس پر قائم رہا اور کس کا کیسا انجام ہوا اور کس کس نے کیا کیا نئی باتیں نکالیں اس لئے وہ فرمائیں گے کہ "لا علم لنا" یعنی ہم کو اُن کے انجام اور ہماری وفات کے بعد کے حالات کا علم نہیں اور جزا و سزا کا تعلق خاتمہ ہی سے ہے۔" اس قول کو امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر (ج ۷، پ) اپنی سند سے ابن جریج سے روایت کیا ہے اور اسی سے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ص۴۴ ج ۲ پر نقل کیا ہے نیز امام بغویؒ نے معالم ص۸۹ ج ۲ میں بھی اس کو ابن جریج ہی سے نقل کیا ہے۔

اور علامہ خازنؒ نے لباب التاویل ص۸۹ ج ۲ پر اور علامہ ابوالسعودؒ نے اپنی تفسیر ص۸۳ ج ۲ پر اس قول کو بغیر کسی خاص شخص کی طرف منسوب کئے "قیل" کے لفظ سے نقل کیا ہے اور علامہ نسفیؒ نے مدارک ص۲۳۹ ج ۱ پر اور قاضی بیضاویؒ نے انوار التنزیل ص۲۱۰ ج ۱ پر اور علامہ معین بن صفی نے جامع البیان ص۱۰۸ پر اس قول کو بطور احتمال کے نقل کیا ہے اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس قول کو نقل فرما کر لکھا ہے کہ اس کی تائید

بھی آیت کے آخری جزو "انك انت علام الغیوب" سے ہوتی ہے۔ تفسیر کبیر ص۴۶۸ ج ۳۔ بہرحال یہ قول بھی فی نفسہٖ قوی ہے اور کسی مفسر نے اس پر جرح بھی نہیں کی اور اس کی بناء پر بھی آیت سے ہمارا استدلال ظاہر ہے کیونکہ اس صورت میں آیت کا مفاد یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد اُن کی امتوں پر جو احوال طاری ہوئے اُن کا تفصیلی علم اُن کو نہیں اور ظاہر ہے کہ وہ احوال بھی ماکان ومایکون میں داخل ہیں پس معلوم ہوا کہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو جمیع ماکان ومایکون کا علم تفصیلی عطا نہیں فرمایا گیا۔ وھو المرام

اس آیت کی ایک تیسری توجیہ جس کے متعلق امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت ہذا کی تفسیر لکھتے وقت ہی وہ میری سمجھ میں آئی یہ ہے کہ "علم سے مراد خاص علم یقینی ہے جو احکام آخرت میں معتبر ہوتا ہے اور مخلوقات میں سے ایک کو دوسروں کے اندرونی احوال کا جو علم ہوتا ہے وہ عام طور پر (باستثناء مخصوصات) ظنی ہی ہوتا ہے اور وہ دنیوی احکام کے اجراء کے لئے کافی ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

نحن نحکم بالظاھر و اللہ یتولی السرائر — ہم تو ظاہر پر حکم لگا دیتے ہیں اور اندرونی احوال کا تعلق اللہ سے ہے۔

نیز ایک دوسری حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ

"تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو اور شاید کہ تم میں سے کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو اور وہ اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعوے کا ثبوت پیش کر دے تو ایسی صورت میں اگر میں اُس کو سچا سمجھ کر اُس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اس کے لئے حلال ہو گیا بلکہ وہ اس کے لئے پھر بھی جہنم کا ٹکڑا ہے" (ملخصاً و شرحاً)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو حیات دنیا میں

عہ۔ رواہ الائمۃ الستۃ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا بالفاظٍ مختلفۃٍ ۱۲ منہ غفرلہٗ۔

بھی اپنے امتیوں کے اس قسم کے اندرونی احوال کا جو علم ہوتا تھا وہ عام طور پر ظنی ہی تھا۔ اور چونکہ عالم آخرت کے احکام میں اس کا اعتبار نہیں اس لئے انبیاء علیہم السلام نے حق تعالیٰ کے سوال کے جواب میں فرمادیا کہ "لا علم لنا" یعنی ہم کو اپنے امتیوں کے احوال کا علم یقینی نہیں اس توجیہ کو مفسرین میں سے صرف امام رازیؒ ہی نے تفسیر کبیر ص۴۶۸ ج ۳ پر ذکر کیا ہے اور یہ بھی ہماری مدعا کے موافق ہے کما لایخفی۔ ایک چوتھی توجیہ اس آیت کی یہ بھی کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جواب "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا! ہم کو معلوم نہیں کہ آپ کے اس سوال میں کیا حکمت ہے" اس قول کو امام بغویؒ نے معالم ص۸۹ ج ۲ پر اور علامہ خازنؒ نے لباب التاویل ص۸۹ ج ۲ پر قیل کے لفظ سے نقل کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ توجیہ الفاظ قرآن سے بعید ہے اور پھر اس کا قائل تک معلوم نہیں تاہم ہمارے مدعا کے خلاف نہیں۔

ایک پانچویں توجیہ اس آیت میں یہ بھی کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو چونکہ معلوم تھا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے امتیوں کا تفصیلی علم حاصل ہے اور ایک ذرہ بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے اس لئے انہوں نے بمقتضائے ادب سکوت اور اللہ کے حوالہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اور اسی بنا پر یہ کہا کہ "لا علم لنا انك انت علام الغیوب" ہم کو علم نہیں آپ ہی غیوب کے جاننے والے ہیں۔ اس توجیہ کو امام رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر ص۴۶۸ ج ۳ پر محض احتمال کے طور پر سب سے آخر میں ذکر کیا ہے اور وہیں سے علامہ خازنؒ نے تفسیر لباب التاویل ص۸۹ ج ۲ پر دوسرے تمام اقوال کے بعد نقل کیا ہے لیکن اس کی تائید یا تضعیف میں دونوں مفسروں میں سے کسی نے بھی کوئی لفظ نہیں کہا۔

واضح رہے کہ اس توجیہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے امتیوں کے احوال کا پورا پورا علم تھا مگر انہوں نے محض ازراہِ ادب یہ جواب دیا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جواب میں صرف آخری جزء انك انت علام الغیوب کہا جاتا۔ اور "لا علم لنا" نہ کہا جاتا کما لا یخفی علی المتامل المتیقظ۔

بلکہ اس توجیہ کا مطلب یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو احوال امم کا پورا علم یقینی تفصیلی تو تھا نہیں اور جس قدر تھا بھی تو اس کا اظہار اس موقع پر کوئی خاص فائدہ نہ دیتا۔ اس لئے ازراہِ ادب انہوں نے یہی جواب دینا مناسب سمجھا لا علم لنا انك انت علام الغیوب بہرحال یہ پانچویں توجیہ بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ بالکل موافق ہے۔ اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے اس کو اپنے موافق سمجھ کر جو "الکلمۃ العلیا" میں اختیار کیا ہے درحقیقت یہ اُن کی خوش فہمی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس توجیہ کو کسی مفسر نے اختیار بھی نہیں کیا بلکہ محض رازیؒ و خازنؒ نے صرف بطور احتمال کے اور وہ بھی تمام اقوال کے بعد نقل کیا ہے۔ پس اس احتمالی توجیہ کو اختیار کرنا اور ان مذکورۃ الصدور توجیہات سے (جن کو خود رازیؒ و خازنؒ نے ترجیح دی اور نظم قرآن اور روایت و درایت نے جن کی تائید کی) انکار و انحراف کرنا محض ہوی پرستی اور ہٹ دھرمی ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

ایک چھٹی توجیہ اس آیت میں یہ کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جس وقت یہ سوال ہوگا اُس وقت گھبراہٹ کی وجہ سے اُن کے حواس حاضر نہ ہوں گے اور وہ اُس گھڑی بہت سی باتوں کو بھول جائیں گے اور اسی وجہ سے خدا کے سوال کے جواب میں "لا علم لنا" کہہ دیں گے۔ اس قول کا حاصل صرف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا علم سے انکار کرنا ذہول اور نسیان کی بنا پر ہوگا اور یہ ذہول و نسیان اُس وقت کی ہولناکیوں کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام پر طاری ہوجائے گا۔

اس قول کو امام ابن جریر طبریؒ نے حضرت مجاہدؒ اور حضرت حسن بصریؒ اور سدّی سے روایت کیا ہے اور وہیں سے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے صـ۱۱۴ ج ۲ پر نقل کیا ہے لیکن ان دونوں صاحبوں نے اس قول کو اختیار نہیں کیا بلکہ جیسا کہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے ان ہر دو مفسرین کا مختار وہی قول ہے جو پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہوا اور معالم التنزیل صـ۸۹۲ ج ۲ و تفسیر ابی السعود صـ۸۳ ج ۲ میں اس چھٹی توجیہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔

بہرحال یہ تفسیر بھی سلف سے منقول ہے لیکن مفسّرین کرام نے اس پر شدید اعتراضات کئے ہیں اور اس کا ضعف بچند وجوہ ظاہر کیا ہے چنانچہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں کہ۔

وھذا الجواب وان ذھب الیہ جمع عظیم من الاکابر فھو عندی ضعیف لانہ تعالٰی قال فی صفۃ اھل الثواب لا یحزنھم الفزع الاکبر و قال ایضا وجوہ یومئذٍ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ بل انہ تعالٰی قال ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی والصابئین من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر وعمل صالحًا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون فکیف یکون حال الانبیاء والرسل اقل من ذالک ومعلوم انھم لو خافوا لکانوا اقل منزلۃً من ھؤلاء الذین اخبر اللہ تعالٰی عنھم انھم لا یخافون البتۃ۔

اس توجیہ کو اگرچہ اکابر کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے مگر وہ میرے نزدیک ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اہلِ ثواب کے بیان میں فرمایا ہے کہ "اُن کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی" اور نیز حق تعالٰی فرماتا ہے کہ قیامت کے دن (مومنین صالحین کے) چہرے چمکتے ہوں گے ہشاش بشاش ہوں گے" بلکہ اللہ تعالٰی نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ مسلمان، یہود، نصارٰی صابئین میں سے جو بھی (صحیح معنی میں) اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں اُن کو ان کا پورا بدلا دیا جائے گا اور اُن پر کوئی خوف طاری نہ ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے" (پس جب مومنین صالحین کا یہ حال ہے کہ اُن کو بھی قیامت کے دن حزن وغم اور خوف نہ ہوگا بلکہ وہ ہشاش بشاش ہوں گے) تو انبیاء علیہم السّلام کا حال اُن سے کمتر کیونکر ہو سکتا ہے (اور اُن پر کیوں اس قدر خوف وہراس طاری ہو سکتا ہے) اور ظاہر ہے کہ اگر اُن کو اُس دن خوف ہوگا تو وہ اُن سے کم درجہ کے ٹھہریں

گے جن کے متعلق حق تعالٰے نے مذکورہ صدر (تفسیر کبیر ص۴۶۸ ج ۳)
آیات میں خبر دی ہے کہ اُن پر وہاں کوئی خوف نہ ہوگا اور انبیاء علیہم السلام
کا مومنین صالحین سے کمتر ہونا بالبداہت باطل ہے الغرض اس وجہ سے یہ
قول ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

اور علامہ خازنؒ اس چھٹی توجیہ کو نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں۔

وھذا فیہ ضعف و نظر لان	اور یہ قول ضعیف ہے اور اس میں نظر ہے
اللہ تعالیٰ قال فی حق الانبیاء	کیونکہ حق تعالٰے تو انبیاء علیہم السلام
"لا یحزنھم الفزع الاکبر"	کے بارہ میں فرما رہا ہے کہ بڑی گھبراہٹ اُن
(تفسیر خازن ص۸۹ ج ۲)	کو غم و حزن میں نہ ڈالے گی" پھر یہ خیال کیوں

کر صحیح ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس قدر خوف زدہ ہوں کہ حواس
بھی برقرار نہ رہیں۔

اور علامہ ابو السعودؒ اس قول کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ آیتِ کریمہ میں "لا علم لنا"
کی جو علت بیان کی گئی ہے (یعنی انک انت علام الغیوب) وہ اس توجیہ کے مناسب
نہیں علامہ ممدوح کے الفاظ اس موقعہ پر یہ ہیں۔ ولا یلائمہ التعلیل المذکور

(تفسیر ابو السعود ص۸۳ ج ۴)

الغرض یہ چھٹی توجیہ اگرچہ بعض اکابر سلف سے منقول ہے مگر محققین نے بوجوہ
مذکورہ بالا اس کو ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اس کے بعد یہ ناچیز راقم
الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر بفرض اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ تسلیم بھی کر لیا جائے
کہ اُن کو کچھ خوف و ہراس کسی وقت ہوگا تو خاتم النبیین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم
کے متعلق تو کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ قیامت کے دن آپ پر بھی ایسا خوف و ہراس
طاری ہو کہ آپ کے حواس مبارکہ بھی بجا نہ رہیں۔

مولوی احمد رضا خان صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے خانہ ساز عقیدہ علم
جمیع ما کان وما یکون کے تحفظ کی خاطر اس آیت کے جواب میں یہ تسلیم کر لیا کہ حضورؐ پر بھی

قیامت کے دن ایسا خوف وہراس طاری ہوگا اور حضور کی اس فضیلت اور خصوصیت کی کوئی پرواہ نہ کی جو آپ کے لئے احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن جب کہ ساری مخلوق پریشان اور بے چین ہوگی اُس وقت بھی آپ کو دل جمعی اور استقامت حاصل ہوگی۔

درحقیقت تعصب اور سخن پروری بڑی بلا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالك

بہرحال سورۃ مائدہ کی اس آیت "یوم یجمع اللہ الرسل الآیہ" کی تفسیر میں یہ کل چھ احتمال مفسرین نے بیان کیئے ہیں جن میں سے یہ آخری احتمال جس کو مولوی احمد رضا خان صاحب نے اختیار کیا ہے حسب تصریح ارباب تحقیق ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے اور پہلے پانچوں اقوال کی بنا پر آیت سے ہمارا استدلال بالکل بے غبار ہے بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی پہلی تفسیر اور اُس کے بعد والی ابن جریج کی تفسیر کی بنا پر تو ہمارا مدعا بہت ہی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ وہی دونوں تفسیرین قوی اور قابل اعتماد ہیں۔ وللہ الحمد۔

آیت (١٩)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ط (ہود آخری رکوع)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"وخدائے راست علم غیب آسمانہا وزمین۔ وبسوئے او باز گردانیدہ میشود کار ہمہ آں۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے سارا کام۔ (امام التراجم)

اس آیت میں ظرف (للہ) کی تقدیم حصر کے لئے ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین کے کل مخفیات[1] کا علم صرف حق تعالیٰ کو ہے اور بس اُسی کی یہ شان ہے

(حاشیہ صفحہ نمبر ١٦٦ پر ملاحظہ فرمائیے)

کہ زمین و آسمان کی کوئی مخفی چیز اُس کے علم سے باہر نہیں۔
چنانچہ قاضی بیضاویؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(وﷲ غیب السمٰوٰت والارض) خاصة لا یخفی علیه خافیة فیهما۔ (تفسیر بیضاوی ص۳۳۹ ج۱)	(آسمان اور زمین کے غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) اُسی کے ساتھ خاص ہے اور زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ چیز اُس پر مخفی نہیں۔

آیتِ ہذا کی تفسیر میں علامہ علی بن محمد خازنؒ نے تفسیر لباب التاویل کے ص۲۱۲ ج۳ پر اور علامہ نسفی حنفیؒ نے تفسیر مدارک ص۱۶۱ ج۲ پر اور خطیب شربینی نے تفسیر سراج منیر کے ص۸۵ ج۲ پر اور علامہ معین بن صفی نے تفسیر جامع البیان ص۱۸۷ ج۱ پر بعباراتِ مختلفہ یہی مضمون ادا کیا ہے۔ حضرت کعب احبار جو کتبِ قدیم کے بھی بہت بڑے عالم تھے فرماتے ہیں۔

خاتمة التوراة خاتمه هود۔	یہ آیت جو ہود کی آخری آیت ہے توراتِ مقدسہ کا خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے۔

گویا توراتِ مقدس کا آخری اعلان بھی یہی ہے کہ "زمین و آسمان کے کل غیوب کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے۔"

اس کو عبداللہ بن احمد نے کتاب الزہد میں، اور ابن الضریس نے فضائل القرآن میں اور ابن جریرؒ و ابوالشیخ نے اپنی تفسیروں میں روایت کیا ہے کما فی الدر المنثور ص۳۵۷۔ نیز ابن جریرؒ ہی کے حوالے سے حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ خازنؒ و امام بغویؒ نے اپنی تفسیر ص۲۱۲ ج۳ پر اور خطیب شربینی نے سراج منیر ص۸۵ ج۲ پر اور علامہ نسفیؒ نے مدارک التنزیل ص۱۶۱ ج۲ پر بھی اس کو نقل کیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ نمبر ۱۶۵) لہ مفسرین کرامؒ نے اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں علم کلی کی نفی غالباً غیب کی اضافت سے نکالی ہے کیونکہ الف لام کی طرح اضافت بھی استغراق کی مفید ہو جاتی ہے جیسا کہ مطول اور اس کے حواشی میں مذکور ہے۔ ۱۲ منہ عفرلہٗ

آیت (۲۰)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (نحل ع ۱۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"وخدائے راست علم پنہاں آسمانہا وزمین ونیست کار قیامت یعنی نزدیک قدرتِ او۔ مگر مانند چشم زدن بلکہ او نزدیک تراست، ہر آئینہ خدا بر ہمہ چیز توانا است۔" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اور اللہ کے پاس ہیں بھید آسمان اور زمین کے اور قیامت کا کام ویسا ہے جیسے پلک نگاہ کی یا اس سے قریب، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

(امام التراجم)

اس آیت کے صرف پہلے جز سے ہمارا استدلال ہے اور اس کا مضمون بلکہ الفاظ بھی وہی ہیں جو اس سے پہلی آیت میں تھے۔ اس لئے اگرچہ اس کی توضیح یا تشریح میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اپنے التزام کے مطابق ہم چند ائمہ مفسرین کی عبارات پیش کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ "وللہ غیب السمٰوٰت والارض" یفید الحصر معناہ ان العلم بھٰذہ الغیوب لیس الا للہ تعالیٰ۔	حق تعالیٰ کا یہ فرمان ۔ وللہ غیب السمٰوٰت والارض" حصر کا فائدہ دیتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام غیوب (یعنی آسمان و زمین کے مخفی امور) کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

(تفسیر کبیر صہ ۳۳۹ ج ۵) صہ ۲۲۱

علامہ معین بن صفی کی عبارات کا حاصل بھی اس موقعہ پر یہی ہے ملاحظہ ہو جامع البیان

اور علامہ نسفی حنفیؒ مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں۔

(وللہ غیب السمٰوٰت والارض) ای یختص بہ علم ماغاب فیہما عن العباد وخفی علیہم علمہ اواراد بغیب السمٰوٰت و الارض یوم القیٰمۃ علی ان علمہ غائب عن اھل السمٰوٰت و الارض۔ لم یطلع علیہ احدٌ منھم۔

(تفسیر مدارک التنزیل ص۲۲۷ ج ۲)

(اور اللہ ہی کو ہے آسمان وزمین کے غیب کا علم) یعنی اُس کے ساتھ خاص ہے اُن تمام چیزوں کا علم جو آسمان وزمین کے اندر بندوں سے غائب ہیں اور اُن کا علم اُن سے مخفی ہے یا اس آیت میں "غیب السمٰوٰت والارض" سے یوم قیامت مراد ہے اس بنا پر کہ اس کا علم زمین وآسمان کی رہنے والی تمام مخلوق سے غائب ہے ان میں سے کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں۔

اور اسی کے قریب قریب قاضی بیضاویؒ نے اپنی تفسیر کے ص۲۹۲ ج ۱ پر لکھا ہے۔

اور خطیب شربینیؒ کی عبارت سراج منیر میں اس طرح ہے۔

(وللہ) لا لغیرہ (غیب السمٰوٰت والارض) وھو ماغاب فیہما عن العباد بان لم یکن محسوسًا ولم یدل علیہ محسوس وقیل الغیب ھٰھنا ھو قیام الساعۃ فان علمہ غائب عن اھل السمٰوٰت والارض۔

(تفسیر سراج منیر ص۲۵۰ ج ۲)

اور صرف اللہ ہی کو نہ اُس کے سوا کسی اور کو زمین وآسمان کے غیب کا علم اور وہ تمام وہ چیزیں ہیں جو زمین وآسمان کے اندر بندوں سے غائب ہیں بایں طور کہ نہ وہ خود محسوس ہیں اور نہ کسی اور محسوس چیز سے اُن کا پتہ لگتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ غیب سے قیامت کا آنا مراد ہے کیونکہ اُس کا علم زمین وآسمان کے رہنے والوں سے غائب ہے گویا اس حیثیت سے اُس کو غیب السمٰوٰت والارض سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

اور علامہ علی بن محمد خازنؒ رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

اخبر اللّٰہ عز وجل فی الآیۃ عن کمال علمہ وانہ عالم بجمیع الغیوب ولا تخفی علیہ خافیۃ ولا یخفیٰ علیہ شئ منہا وقیل الغیب ھھنا ھو علم قیام الساعۃ	حق تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے کمال علم کی خبر دی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ وہی تمام غیوب کو جاننے والا ہے پس اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "غیب" سے اس جگہ قیامت کا علم مراد ہے۔

(تفسیر خازن صفحہ ۸۷ ج ۴)

اور علامہ ابو السعودؒ فرماتے ہیں۔

(وللّٰہ) تعالیٰ خاصۃ لا لاحد غیرہ استقلالاً ولا اشتراکاً (غیب السمٰوٰت والارض) ای الامور الغائبۃ عن علوم المخلوقین قاطبۃ وقیل غیب السمٰوٰت والارض عبارۃ عن یوم القیٰمۃ بعینہ لما ان علمہ بخصوصہ غائب عن اھلہما۔ (تفسیر ابی السعود صفحہ ۳۵۷ ج ۶)	(اور اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) بالخصوص اُس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں نہ مستقل طور پر اور نہ مشترک طور پر (آسمان و زمین کے غیب کا علم) یعنی اُن امور کا علم جو تمام مخلوق کے علم سے غائب ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "غیب السمٰوٰت والارض" سے خاص یوم قیامت مراد ہے۔ کیونکہ اس کا علم بخصوصہ اہلِ ارض وسما سے غائب ہے۔

ناظرین کرام کو مفسرین عظام کی ان تصریحات سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ اس آیت کی کل دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ "غیب السمٰوٰت والارض" سے زمین و آسمان کے تمام غیوب مُراد ہوں (اور یہی تمام مفسرینؒ کے نزدیک راجح ہے اور قوی ہے) اور دوسرے یہ کہ اس سے خاص طور پر صرف علم قیامت مراد ہو۔ بہر تقدیر ہمارا مدعا اس آیت سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کے غیوب عموماً۔ اور قیامِ قیامت خصوصاً "ما کان وما یکون" میں داخل ہیں۔
(کما لا یخفیٰ)

آیت (۲۱)

لَہٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِہٖ وَاَسْمِعْ (الآیۃ) (کہف ع ۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"او راست علم غیب آسمانہا و زمین چہ قدر بینا است وچہ قدر شنوا است"
(فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اُسی پاس ہیں چھپے بھید آسمان و زمین کے عجب دیکھتا سُنتا ہے۔"
(امام التراجم)

اس آیت کا مضمون بھی بالکل وہی ہے جو اس سے پہلی دونوں آیتوں کا تھا۔ یعنی یہ کہ۔ "زمین و آسمان کے غیب کا علم کلی صرف حق تعالےٰ کو ہے۔"

چنانچہ علامہ علی بن محمد خازن علیہ الرحمہ اس کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

یعنی انہ تعالیٰ لا یخفی علیہ شئ من احوال اھلھا فانہ العالم وحدہ بہ	یعنی اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کے حالات میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ پس وہی تنہا اُن کا جاننے والا ہے۔

(تفسیر خازن صہ ۱۶۹ ج ۴)

نیز علامہ نسفی علیہ الرحمۃ نے تفسیر مدارک التنزیل صہ ۹ ج ۳ پر اور علامہ ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کے صہ ۵۸ ج ۶ پر۔ اور علامہ جلال الدین محلی نے تفسیر جلالین صہ ۱۸۴ پر مختلف الفاظ و عبارات میں تقریباً یہی مضمون ادا کیا ہے۔

رضاخانی تاویلات

ان تینوں آیتوں کے جواب میں رضاخانی حضرات کی طرف سے تین باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ ان آیات میں کل غیوب کے علم کو حق تعالےٰ کے ساتھ خاص بتلایا گیا ہے اور اُس کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اور ہمارا دعویٰ کل غیوب کے علم کا نہیں ہے

بلکہ صرف "جمیع ماکان و ما یکون" کے علم کا ہے جو غیبِ مطلق سے اخص ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ان سب آیات میں "غیب السمٰوٰت والارض" کے علم ذاتی ہی کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے اور وہ محلِ نزاع نہیں۔

(۳) یہ کہ ان آیات کے نزول کے تمامی نزولِ قرآن تک یہ علم بھی دے دیا گیا ہوگا۔ غرض ان آیات سے اس کی نفی نہیں نکلتی۔ کہ یہ علم جس کا ذکر ان آیات میں ہے وہ بعد نزول ان آیات کے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا نہیں ہوا۔

مولوی احمد رضا خان صاحب وغیرہ کے رسائل علم غیب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی طرف سے ان آیتوں کے جواب میں بس یہی کہا جا سکتا ہے۔ ہماری طرف سے پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ

(۱) ان آیات میں مطلق غیب کا ذکر نہیں ہے بلکہ "غیب السمٰوٰت والارض" کا ذکر ہے اور اسی کو حق تعالیٰ کے لئے خاص کرتے ہوئے دوسروں سے اُس کی نفی کی گئی ہے۔ اور زمین و آسمان اور اُس کے اندر کی تمام کائنات خواہ وہ غائب ہو یا شاہد۔ مخفی ہو یا ظاہر آپ کے دعویٰ "ماکان و ما یکون" میں داخل ہے پس ہمارا استدلال صحیح ہے۔

(۲) دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ علمِ ذاتی خواہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہو یا عالمِ شہادت سے۔ اور خواہ ایک ذرہ کا ہو یا اس سے بھی کم کا۔ بہر حال حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور کسی مخلوق کے لئے اُس میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر اگر ان آیات میں محض علمِ ذاتی مراد لیا جائے گا تو غیب اور وہ بھی "غیب السمٰوٰت والارض" کی تخصیص بے معنی ہو جائے گی۔ (کما لا یخفیٰ علیٰ اھل العلم) پس اِن آیات کا مطلب صرف یہی ہے۔ کہ "زمین و آسمان کے تمام غیوب کا علم صرف خدا ہی کو ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کو یہ علم محیط کسی طرح حاصل نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۳) تیسری تاویل کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں "غیب السمٰوٰت والارض" کے علم محیط کے ساتھ حق تعالیٰ کا تفرد بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سے اس کی مدح کی گئی ہے اور یہ مدح جب ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ یہ تفرد عارضی نہ ہو۔ دائمی ہو۔ پس اگر یہ مان لیا جائے

کہ یہ علم کسی وقت کسی مخلوق کو بھی کسی طور پر حاصل ہو گیا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ حق تعالےٰ کا تفرّد باقی نہیں رہے گا۔ اور ان آیات میں اس تفرّد واختصاص کے ساتھ اُس کی جو مدح کی گئی ہے وہ باطل ہو جائے گی۔ (والعیاذ باللہ)

بہر حال یہ تینوں آیتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے بالکل محکم ہیں اور اُن کا مقتضیٰ یہ ہے۔ آسمان وزمین کے تمام غیوب کا علم صرف حق تعالےٰ کو ہے اُس کے سوا کسی دوسرے کو ہے نہ کسی وقت ہو گا۔ اور یہی ہمارا مدّعا ہے۔ (وللہ الحمد)

آیت (۲۲)

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَاکُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ہ (بقرہ ع ۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"میدانم پنہاں آسمان وزمین ومیدانم آنچہ آشکارا میکنید وآنچہ پوشیدہ مے داشتید" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب فرماتے ہیں۔

"مجھ کو معلوم ہیں پردے آسمان اور زمین کے اور معلوم ہے جو تم ظاہر کرد اور جو چھپاتے ہو۔ (امام التراجم)

آیت (۲۳)

اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ط (فاطر ع۵)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ہر آئینہ خدا دانندۂ پنہاں آسمانہا وزمین است ہر آئینہ وے دانا است بآنچہ مکنون است در سینہ ہا۔" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اُس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں" (امام التراجم)

آیت (۲۴)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (حجرات ع)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ہر آئینہ خدا می داند پنہاں آسمانہا و زمیں و خدا بینا است بآنچہ مے کنید۔" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہو تم" (امام التراجم)

ان تینوں آیتوں میں حق تعالےٰ عزاسمہ و وسع علمہ کا یہ کمال بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ ارض و سمٰوات کے کل غیوب کا علم رکھتا ہے اور زمین و آسمان کی کوئی مخفی سے مخفی چیز ایسی نہیں جو اُس کے علم میں نہ ہو۔ نیز وہ تمام بندوں کے کل ظاہری و باطنی احوال و افعال کا بھی عالم ہے اور کسی مخلوق کے دل میں جو خطرہ بھی گذرتا ہے اُس کی بھی اُس کو پوری طرح خبر ہے اور یہ تنا جب ہی زیادہ زیبا ہے جب کہ اس کمال میں کوئی دوسرا کسی طور پر کسی وقت بھی اُس کا شریک نہ ہو۔ بہر حال جن خوش نصیبوں کو فہم قرآن سے کوئی حصہ عطا ہوا ہے وہ ان آیات سے بادنیٰ تامل اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ زمین و آسمان کے غیوب اور افعال و احوالِ عباد کا علمِ کلّی صرف حق تعالےٰ ہی کو ہے کسی دوسرے کو اُس نے یہ چیز عطا نہیں فرمائی۔ رضاخانی صاحبان کی طرف سے ان آیات میں بھی شاید وہی تاویلات پیش کی جائیں جو پہلی آیتوں کے ذیل میں عرض کی گئیں۔ اور اُن کے جوابات بھی وہی ہیں جو پہلے معروض ہوئے۔

آیت (۲۵)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ ع)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"میداند آنچہ پیش روئے آدمیان است وآنچہ پسِ پشت ایشاں است وآدمیاں درنجیر ند خدارا از روئے دانش" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"وہ جانتا ہے جو اُن کے آگے اور پیچھے ہے۔ اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کر" (امام التراجم)

اس آیت کی تفسیر میں دو احتمال ہیں جن کو اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے ایک یہ کہ "بہ" کی ضمیر حق تعالےٰ کی طرف راجع کی جائے اس صورت میں آیت کے آخری جز کا مطلب یہ ہوگا کہ "بنی آدم کو حق تعالےٰ کا علمِ محیط حاصل نہیں" اور اس معنی کے لحاظ سے آیت محل نزاع سے غیر متعلق ہوگی (کیونکہ ذات خداوندی کے متعلق ہمارے مخالفین کو بھی یہ تسلیم ہے کہ اس کا علمِ محیط کسی کو بھی حاصل نہیں بلکہ اس کا امکان بھی نہیں) دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر "مابین ایدیھم اور "ماخلفھم" کی طرف راجع ہو۔ اسی احتمال کو امام رازیؒ وغیرہ مفسرین نے قواعد عربیت اور قرینۂ مقام سے ترجیح دی ہے اور اسی بنا پر ہمارا استدلال ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالےٰ کو تو ہماری دنیا و آخرت کا علمِ کل حاصل ہے اور بنی آدم کو نہ اپنی دنیا کا علم محیط ہے اور نہ آخرت کا۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے۔

(یعلم مابین ایدیھم) (اللہ تعالےٰ جانتا ہے اُس سب کو جو اُن کے آگے ہے) من علوم الاٰخرۃ (وما خلفھم) (یعنی آخرت کے معلومات کو) اور

عن امور الدنیا (ولا یحیطون بہ علماً) لا یعلمون ذالك۔ (تفسیر جلالین ص۲۶۵)

اس کو جو اُن کے پیچھے ہے۔ یعنی دنیا کی باتوں کو (اور وہ احاطہ نہیں کرتے اُس کا) یعنی بنی آدم کو دُنیا و آخرت کا علم محیط نہیں۔

اور علامہ علی بن محمد خازن اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(ولا یحیطون بہ علماً) قیل الکنایة ترجع الی ما۔ ای ھو یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم وھم لا یعلمونه والمعنیٰ ان العباد لا یحیطون بما بین ایدیھم وما خلفھم علماً۔

کہا گیا ہے کہ آیت ہذا میں "بہ" کی ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے آگے اور پیچھے کی سب باتوں کو جانتا ہے اور وہ ان کو نہیں جانتے مطلب یہ ہے کہ بندوں کو علم محیط نہیں ہے اپنے آگے کی باتوں کا اور اپنے پیچھے کی باتوں کا۔

(تفسیر خازن ص۲۲۷)

نیز امام بغوی نے بھی اس موقعہ پر یہی لکھا ہے ملاحظہ ہو تفسیر معالم التنزیل ص۲۲۷۔ آخر میں ان ہر دو مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ "بہ" کی ضمیر حق تعالےٰ کی طرف راجع ہے۔ اسی طرح علامہ نسفی حنفی نے بھی اسی ترتیب سے دونوں احتمال ذکر کیئے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر مدارک ص۵۱ ج۳۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے بھی ان دونوں احتمالوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اُنہوں نے قواعد عربیہ اور اقتضائے مقام سے اس کو ترجیح دی ہے کہ ضمیر کا مرجع ما موصولہ کو قرار دیا جائے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص۲۳ ج۶) اسی راجح احتمال پر ہمارا استدلال مبنی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں آیت کا حاصل مطلب یہ ہوتا ہے کہ۔

"اللہ تعالےٰ ہی کو بنی آدم کی دُنیا اور اُن کی آخرت کا علم محیط ہے اور بنی آدم کو نہ کائناتِ دُنیا کا علم محیط ہے نہ احوال آخرت کا"

اور ہمارے مخالفین کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ما کان وما یکون"

کا علم تفصیلی محیط حاصل تھا۔

ہمارے اس استدلال کے جواب میں مخالفین کی طرف سے شاید یہ چار باتیں کہی جائیں۔

(۱) ایک یہ کہ آیت کی تفسیر میں چونکہ دوسرا احتمال بھی ہے اس لئے آیت قابل استدلال نہیں رہی۔

(۲) دوسرے یہ کہ جس احتمال پر استدلال کی بنیاد ہے اس کی بنا پر بھی دنیا و آخرت کے مجموعہ کے علم محیط کا حق تعالیٰ کے لئے اثبات اور دوسروں سے اس کی نفی کی گئی ہے اور ہمارا دعویٰ صرف دنیا کے علم محیط کا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ آیت میں علم ذاتی کا بیان ہے۔

(۴) چوتھے یہ کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد بھی نفی علم پر اس آیت کی دلالت نہیں۔

ان کا جواب بھی بہ ترتیب ملاحظہ ہو۔

(۱) چونکہ دونوں تفسیریں باہم متعارض اور متناقض نہیں۔ اور آیۃ کریمہ کے الفاظ دونوں معنی کو متحمل ہیں۔ اس لئے دونوں ہی معنی مراد لئے جائیں گے۔ اور ہر معنی کے لحاظ سے آیت حجت ہوگی۔ بہرحال کسی آیت کی تفسیر میں وجوہ متعددہ کا ہونا منافی استدلال نہیں اس مضمون کو خود مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنے رسالہ الدولۃ المکیہ میں اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے الکلمۃ العلیا میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور علماء معتبرین میں سے امام رازیؒ اور زرقانیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(۲) آیتِ کریمہ میں "مابین ایدیھم" اور "ماخلفھم" کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا اس پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ جمیع علوم دنیا اور آخرت کے مجموعہ ہی کا حق تعالیٰ سے خاص کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ علوم دنیا کا احاطہ بجائے خود ایک مستقل اور خاص کمال ہے۔ اور اسی طرح علوم آخرت کا احاطہ ایک مستقل اور علیحدہ کمال ہے۔ اور بنی آدم کو ان دونوں میں سے کسی کا بھی احاطہ حاصل نہیں، چہ جائیکہ مجموعہ

کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) آیتِ ہذا میں بنی آدم سے علم محیط کی نفی کی گئی ہے اور ذاتی تو کسی کو ایک ذرہ بلکہ اس سے کمتر سے کمتر کا بھی نہیں ہو سکتا۔ پس یہ کہنا کہ آیت ہذا میں صرف علم ذاتی کا بیان ہے اور اسی کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے قرآن مجید کی تحریف ہے۔

(۴) چونکہ یہ آیت مقام مدح میں ہے اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بعد میں دوسروں کو یہ علم محیط دے دیا گیا ہو گا کیونکہ اس صورت میں یہ چیز لائق مدح نہیں رہے گی۔ جیسا کہ پہلے مفصلاً عرض کیا جا چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیت (۲۶)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۖۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۠ (اعراف ع ۲۳)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"بگو نمی توانم برائے خود نفع رسانیدن و نہ ضرر کردن مگر آنچہ خدا خواستہ است، و اگر من دانستے علمِ غیب را ہر آئینہ بسیار جمع کردمے از جنس منفعت و نہ رسیدے بمن ہیچ سختی نیستم من مگر بیم کنندہ و مژدہ دہندہ برائے گروہے کہ ایمان دارند" (فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"تو کہہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات تو بہت خوبیاں لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی، میں تو یہی ہوں ڈر اور خوشی سنانے والا ماننے لوگوں کو۔

آیتِ ہذا کے شانِ نزول میں امام محی السنۃ علامہ بغوی رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ناقل ہیں۔

ان اھل مکة قالوا یا محمد الا یخبرک ربک بالسعر الرخیص قبل ان یغلو فتشتریه فتربح عند الغلاء وبالارض التی یرید ان تجدب فترحل عنها الیٰ ما قد اخصبت فانزل اللہ تعالیٰ قل لا املک لنفسی نفعًا۔ الخ

(تفسیر معالم التنزیل ص۲۶۶ ج ۲)

کہ اہلِ مکّہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد! کیا تمہارا پروردگار گرانی سے پہلے نرخ کی ارزانی کی خبر نہیں دیتا تاکہ آپ اُسی ارزانی کی حالت میں خریدیں اور پھر گرانی کے زمانہ میں بیچ کر خاطر خواہ نفع حاصل کریں؟ اور کیا آپ کا رب آپ کو یہ بھی نہیں بتلاتا کہ فلاں زمین پر قحط نازل ہونے والا ہے تاکہ آپ وہاں سے کسی سرسبز اور شاداب علاقہ کی طرف کوچ کر جائیں۔

غرض جب مکّہ والوں کی طرف سے یہ سوال ہوا تو اسی کے جواب میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ۔

"اے ہمارے رسولؐ آپ ان نا آشنایانِ حقیقت سے کہہ دیجیے کہ میں تو خود اپنے نفع اور نقصان کا بھی مالک و مختار نہیں مگر جو اللہ کو منظور ہو اور اگر مجھ کو غیوب کا علم ہوتا تو میں بہت منافع حاصل کر لیتا اور بہت زیادہ مال و دولت جمع کر سکتا۔ اور مجھ کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ نہ کبھی کوئی نقصان پہنچتا۔ حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ میرا حال اس کے خلاف ہے پس اسی سے سمجھ لو کہ مجھ کو غیب کا علم نہیں۔ میرا کام تو ماننے والوں کو ہوشیار کرنا اور بشارت سنانا ہے اور اس کے لیے ان غیوب کے علم کی ضرورت نہیں۔"

گویا اس آیت کریمہ میں "عدمِ استکثارِ خیر" اور "مسِ سوء" کو شاہد بنایا گیا ہے عدمِ علمِ غیب پر۔ اب صرف یہ چیز قابلِ غور ہے کہ یہاں "خیر" اور "سوء" سے کون سی بھلائی اور بُرائی مراد ہے؟ آیا دنیا کی یا آخرت کی؟ اور غیب سے کون غیب مراد ہے؟ اور پھر اُس

کے کس قسم کے علم کی نفی مقصود ہے؟ ان تینوں چیزوں کی تنقیح کے بعد استدلال کا مطلع بالکل صاف ہو جائے گا۔

پس معلوم ہونا چاہیئے کہ اگرچہ بعض حضرات نے "خیر وسوء" سے بھلائی اور بُرائی باعتبار آخرت کے بھی مراد لی ہے لیکن وہ کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ یہ چیز قطعی اور یقینی ہے کہ آخرت کی بھلائیاں اور نیکیاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھرپور حاصل کیں اور اُخروی بُرائیوں سے آپ بالکل محفوظ رہے۔ پس اس صورت میں استکثار خیر اور اجتناب سوء کی نفی کسی طرح صحیح نہ ہو سکے گی۔ اور اسی واسطے محققین مفسرین نے اس قول کو رد کر دیا ہے۔ پس راجح بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہاں خیر وسوء سے دُنیاوی نفع نقصان مراد ہے۔ اور اسی کے متعلق اہلِ مکّہ کا سوال بھی تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ جلیل القدر مفسرین کی بھی یہی رائے ہے۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

اب رہا یہ کہ "غیب" سے یہاں کیا مراد ہے تو اس میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ "مطلق غیب" مراد ہو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر مجھے غیب کی کسی بات کی بھی خبر ہوتی تو میں بہت کچھ منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ اور نہ کبھی نقصان پہنچتا۔" اور ظاہر ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو غیب کی بہت سی باتیں معلوم بھی ہو جائیں لیکن وہ ایسی نہ ہوں جن کا دنیوی منافع اور مضار سے کوئی خاص تعلق ہو تو صرف اُن کے معلوم ہو جانے سے وہ شخص دنیاوی منافع کی تحصیل اور مضرات سے اجتناب میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ہر مسلمان کو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے جنّت کا علم ہے۔ دوزخ کا علم ہے۔ پُل صراط اور حوضِ کوثر کا علم ہے۔ فرشتوں کا علم ہے۔ جنّت کی بہت سی نعمتوں اور دوزخ کی بہت سی تکالیف کی خبر ہے اور یہ سب چیزیں عالمِ غیب کی ہیں۔ لیکن صرف ان کے معلوم ہونے سے کوئی شخص دنیوی منافع کی تحصیل اور دنیوی مضرات سے بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان امور کا دنیوی نفع ونقصان سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں ہے۔ بہرحال یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ مطلق غیب کا علم استکثارِ خیر اور اجتناب سوء کے لئے کسی طرح بھی کافی نہیں۔

پس آیتِ ہذا میں لفظِ "غیب" سے مطلق غیب تو مراد نہیں ہو سکتا نیز چونکہ بعض غیوب کی اطلاع انبیاء علیہم السلام کو شروع ہی سے ہوتی ہے (مثلاً اللہ تعالیٰ۔ اس کے صفات اور اس کے احکام کی) اس واسطے بھی مطلق غیب کے علم کی نفی وہ حضرات کسی وقت بھی نہیں فرما سکتے۔ پس اس وجہ سے بھی آیتِ ہذا میں مطلق غیب کے علم کی نفی مراد نہیں لی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ الف لام کو استغراقِ حقیقی کے لیے مانا جائے اور غیب سے کل غیوب غیر متناہیہ مراد ہوں اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ

"اگر مجھے تمام غیوب غیر متناہیہ کا بالاستیعاب علم ہوتا تو میں بہت سے دنیوی منافع حاصل کر لیتا۔ اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا"

مگر ظاہر ہے کہ دنیوی منافع کی تحصیل اور نقصانات سے اجتناب تمام غیوب غیر متناہیہ کے علم محیط پر موقوف نہیں بلکہ اس کے لیے صرف اُن غیوب کے علم کی ضرورت ہے جو عادۃً اس تحصیل و اجتناب میں تسبب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

نیز یہ کہ اہلِ مکہ کا سوال بھی کل غیوب کے متعلق نہیں تھا کہ آپ عدم استکثارِ خیر اور مس سوء سے اُس کے انتفاء پر استشہاد فرمائیں۔ جیسا کہ "لو" کا مقتضیٰ ہے پس اس آیتِ کریمہ میں لفظ غیب سے نہ "مطلق غیب" ہی مراد ہو سکتا ہے۔ نہ کل غیوبِ غیر متناہیہ ہی کا مراد لینا انسب ہے۔ بلکہ اس سے خاص اس نوع کے غیوب مراد لینے چاہیئں جن سے دنیوی منافع اور مضار اس عالم اسباب میں وابستہ ہو سکتے ہیں اور انہی کے متعلق اہلِ مکہ کا سوال بھی تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ نتیجۃً اس صورت میں کل غیوب کے علم محیط کی نفی بھی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

تیسری تنقیح طلب چیز یہ رہ جاتی ہے کہ یہاں کس قسم کے علم کی نفی کی گئی ہے آیا ذاتی کی یا عطائی کی۔؟ مدعیانِ علم غیب میں سے بعض حضرات نے اس آیت کا جواب دیتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ یہاں صرف علمِ ذاتی کی نفی مقصود ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ:۔

پس آیت ہذا میں لفظ "غیب" سے مطلق غیب تو مراد نہیں ہو سکتا نیز چونکہ بعض غیوب کی اطلاع انبیاء علیہم السلام کو شروع ہی سے ہوتی ہے (مثلاً اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اور اس کے احکام کی) اس واسطے بھی مطلق غیب کے علم کی نفی وہ حضرات کسی وقت بھی نہیں فرما سکتے۔ پس اس وجہ سے بھی آیت ہذا میں مطلق غیب کے علم کی نفی مراد نہیں لی جا سکتی۔ واللہ اعلم

دوسرا احتمال یہ ہے کہ الف لام کو استغراق حقیقی کے لیے مانا جائے اور غیب سے کل غیوب غیر متناہیہ مراد ہوں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ :۔ "اگر مجھے تمام غیوب غیر متناہیہ کا بالاستیعاب علم ہوتا تو میں بہت دنیوی منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔"

مگر ظاہر ہے کہ دنیوی منافع کی تحصیل اور نقصانات سے اجتناب تمام غیوب غیر متناہیہ کے علم محیط پر موقوف نہیں بلکہ اس کے لئے صرف ان غیوب کے علم کی ضرورت ہے جو عادۃً اس تحصیل و اجتناب میں تسبب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ نیز یہ کہ اہل مکہ کا سوال بھی کل غیوب کے متعلق نہیں تھا کہ آپ عدم استکثار خیر اور مس سوء سے اس کے انتفاء پر استشہاد فرمائیں۔ جیسا کہ "لو" کا مقتضی ہے۔ پس اس آیت کریمہ میں لفظ غیب سے نہ "مطلق غیب" ہی مراد ہو سکتا ہے نہ کل غیوب غیر متناہیہ ہی کا مراد لینا انسب ہے۔ بلکہ اس سے خاص اس نوع کے غیوب مراد لینے چاہئیں جن سے دنیوی منافع اور مضار اس عالم اسباب میں وابستہ ہو سکتے ہیں اور انہی کے متعلق اہل مکہ کا سوال بھی تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ "نتیجۃً" اس صورت میں کل غیوب کے علم محیط کی بھی نفی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

تیسری تنقیح طلب چیز یہ رہ جاتی ہے کہ یہاں کس قسم کے علم کی نفی کی گئی ہے آیا ذاتی کی یا عطائی کی؟ مدعیان علم غیب میں سے بعض حضرات نے اس آیت کا جواب دیتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ یہاں صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ :۔

"اگر مجھکو ذاتی علم غیب ہوتا اور میں بلا خدا کے بتلائے غیب کی بات کو جان لیتا تو بہت زیادہ منافع حاصل کر لیتا، اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی۔"

لیکن اس توجیہ کا اہمال اس قدر ظاہر اور واضح ہے کہ بیان کی بھی حاجت نہیں۔

اوّل تو جن اہل مکّہ کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ان کا سوال خود علم ذاتی کے متعلق نہیں تھا بلکہ انہوں نے یہ دریافت کیا تھا کہ الا یخبرک ربک بالسعر الرخیص قبل ان یغلو...... وبالارض التی ترید ان تجدب الخ" یعنی کیا آپ کا پروردگار گرانی سے پہلے ارزانی کی خبر نہیں دیتا؟ کیا زمین پر قحط نازل ہونے سے پہلے آپکو اس کی اطلاع نہیں دی جاتی، تاکہ آپ اس کے مطابق عمل کر کے نفع حاصل کریں اور نقصانات سے بچ جایا کریں (ملخصًا) اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اگر مجھ کو بلا خدا کے بتلائے غیب کا علم ہوتا تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا۔ اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچی"۔ ہر صاحب عقل کی نظر میں سوال "از آسمان جواب از ریسمان" کا مصداق ہوگا جس سے قرآن وصاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام یقیناً پاک ہیں اور پھر جب کہ ان مشرکین کو حضورؐ کے متعلق علمِ ذاتی کا شبہ بھی نہ تھا اور نہ آپ نے کبھی اس کا ادعا کیا تھا بلکہ آپ کا دعویٰ صرف وحی رسالت کا تھا تو پھر ان کے اصل سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا اور اپنی ذات سے علمِ ذاتی کی نفی کرنا (جس کا خود ان مشرکین کو بھی یقین تھا) اور بھی بے محل بلکہ محض مہمل سی بات ہوگی۔

دوسرے یہ کہ استکثار خیر اور اجتناب عن مس السوٗ کے لئے اس عالم اسباب میں صرف اسباب منفعت و مضرت کا معلوم ہونا ضروری ہے نہ کہ معلوم بہ علمِ ذاتی ہونا۔ ایک سلیم الطبع اور صاحبِ عقل کو زہر کی مضرت سے بچنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کو یہ بات معلوم ہو کہ یہ زہر ہے اور اس کے کھانے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ علیٰ ہٰذا جو شخص شہد کے منافع حاصل کرنا چاہے اس کو صرف یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ شہد ہے اور اس کے یہ منافع ہیں؛ اتنا معلوم ہونے کے بعد وہ اگر چاہے گا تو بتوفیق الٰہی شہد کھا کر نفع حاصل کر سکے گا اور زہر سے بچ سکے گا بہرحال اس کے لیے منافع اور مضرات کا علم ذاتی ضروری نہیں، بلکہ مطلق علم اس باب میں اس کی رہبری کے لیے کافی ہے۔ پس یہ کہنا کہ آیت ہٰذا میں علم غیب ذاتی ہی کی نفی ہے اور وہی استکثار خیر وعدم مس سوء میں مؤثر ہے۔ محض مغالطہ ہے۔

الغرض آیتِ ہٰذا میں صرف علم ذاتی ہی کی نفی نہیں کی گئی بلکہ دانِ غیوب کیلئے مطلق علم

کی نفی مقصود ہے۔ ان تین تنقیحوں کے بعد اس آیت سے ہمارے استدلال کا مطلع بالکل بے غبار ہو جاتا ہے کیونکہ اب آیت کا حاصل مطلب یہ ہوگا کہ

(اے رسولؐ آپ سے جو اہل مکہ یہ سوال کر رہے ہیں کہ کیا تمہارا پروردگار قحط اور گرانی کی خبر پہلے سے نہیں دیتا کہ تم اس کے بموجب عمل کر کے خاطر خواہ منافع حاصل کر سکو اور نقصان و تکلیف سے بچ سکو؟) تو آپ اس کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر مجھے ان تمام غیوب کی خبر ہوتی تو میں بہت زیادہ منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی تکلیف نہ ہوتی اور نہ نقصان میرے پاس پھٹکتا۔ (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ نہ میں نے کثیر منافع حاصل کئے نہ میں مصائب روزگار سے بچ سکا۔ تو بس سمجھ لو کہ مجھ کو ان غیوب کی خبر نہیں اور نہ ان غیوب کا معلوم کرنا میرے لیے ضروری ہے) کیونکہ میرا کام جس پر میرے خدا نے لگایا ہے وہ یہی ہے کہ لوگوں کو شرک و کفر اور عصیان و طغیان کے بدنتائج سے ڈراؤں اور ایمان و اسلام کی بہترین جزا کی خوشخبری سناؤں اس کے لیے ان باتوں کے معلوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کہ غلہ کب تک ارزاں رہے گا اور کب گراں ہوگا اور خشک سالی کب اور کہاں ہوگی؟ اور کون سا علاقہ سرسبز و شاداب رہے گا؟ بہر حال ان امور کا میرے فرائض منصبی سے کوئی خاص تعلق نہیں۔

بس یہی ہے اس آیت کا حاصل جو حضرات مفسرین نے مختلف الفاظ و عبارات میں ادا کیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

(۲۳۰) (ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر) لعلمت اذا اشتریت شیئاً ما اربح فیه فلا ابیع شیئاً الا ربحت فیه ولا یصیبنی الفقر۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۵ (۳۰۲)	اگر میں غیب کو جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔ یعنی اگر ایسا ہوتا تو جب کوئی چیز بغرض تجارت خریدتا تو مجھے انجام معلوم ہو جایا کرتا اور ہر معاملہ میں مجھ کو نفع ہی ہوا کرتا، اور ناداری میرے پاس بھی نہ پھٹکتی۔

اور تابعین و تبع تابعین میں سے بعض مفسرین نے اسی کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے:۔

(۲۳۱) معنی ذٰلک لو کنت اعلم الغیب لاعددت للسنة المجدبة من المخصبة ولوقت الغلاء من الرخص (حکاه ابن جریر) تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۷۵ ج ۲ (۳۰۳)	مطلب یہ ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو قحط کے سال کیلئے شادابی کے سال سے اور گرانی کے زمانہ کے لیے ارزانی کے موسم سے سامان تیار کر لیا کرتا۔

اور امام بغویؒ نے بھی معالم التنزیل میں قریب قریب یہی لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ای لو کنت اعلم الخصب والجدب لاستکثرت من المال لسنة القحط وما مسنی السوء ای الضر والفقر والجوع۔ معالم صفحہ ۲۶۶ ج ۲	مطلب یہ ہے کہ اگر میں شادابی اور قحط کے زمانہ کو جانتا تو قحط کے سال کیلیے بہت سامال و متاع پہلے سے جوڑ لیا کرتا اور مجھے تکلیف نہ ہوتی، اور ناداری اور بھوک میرے پاس نہ پھٹکتی

اور قریب قریب یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ خازن کے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر لباب التاویل جلد دوم صفحہ ۲۶۶۔ اور قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ آیت "لو کنت اعلم الغیب" کا مطلب یہ ہے کہ:۔

ولو کنت اعلمہ لکانت حالی علی خلاف ما ھی علیہ من استکثار المنافع واجتناب المضار حتی لا یمسنی سوء۔ بیضاوی ج ۱ صفحہ ۲۶۷	اور اگر میں غیوب کو جانتا تو میرا حال اس کے برعکس ہوتا جو اب ہے یعنی میں بہت سے منافع حاصل کرتا اور مضرتوں سے بچا رہتا۔ یہاں تک کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔

اور علامہ معین بن صفی اپنی تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ:۔

(ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء) ای لکانت حالی من استکثار الخیر واستغزار المنافع واجتناب السوء علی خلاف ما ھی علیہ فلم اکن غالبا مرۃ ومغلوبا اخری ورابحا وخاسرا فی التجارۃ۔ جامع البیان صفحہ ۱۴۴ ج ۱	اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میرا حال موجودہ حال کے برعکس ہوتا یعنی میں خیر کثیر حاصل کرتا اور بہت زیادہ منافع سمیٹ لیتا۔ اور تکلیف و نقصان سے بالکل محفوظ رہتا۔ بس یہ نہ ہوتا کہ کبھی غالب رہتا اور کبھی مغلوب کبھی تجارت میں نفع اٹھاتا اور کبھی نقصان۔ بلکہ ہمیشہ نفع اور غلبہ ہی ہوا کرتا۔

اور علامہ ابو السعودؒ نے اسی مضمون کو بہت زیادہ تفصیل سے لکھا ہے ہم بخوف طوالت پورا مضمون درج نہیں کرتے۔ اس کی آخری سطر جو آیت کے تتمہ "ان انا الا نذیر وبشیر" کی تفسیر میں لکھی گئی ہے یہ ہے کہ:۔

ای ما انا الا عبد مرسل للانذار والبشارۃ شانی حیازۃ ما یتعلق بھما من العلوم الدینیۃ والدنیویۃ لا الوقوف علی الغیوب التی لا علاقۃ بینھا وبین الاحکام والشرائع (تفسیر ابو السعود صفحہ ۵۴۶ ج ۴)	اس کا مطلب یہ ہے میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں جو ہوشیار کرنے اور بشارت سنانے کیلیے بھیجا گیا ہوں میرا کام ان دینی اور دنیوی علوم کو حاصل کرنا ہے جنکو انذار و تبشیر سے کوئی تعلق ہو باقی غیب کی وہ باتیں جن کو احکام و شرائع سے تعلق نہیں ان کا معلوم کرنا میری شان نہیں،

یہاں تک جس قدر بھی تفسیری عبارات درج ہوئیں آپ ان سب پر غائر نظر ڈالیے سب کا

حاصل اور خلاصہ وہی ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال عدم استکثار خیر اور مس سوء کو اس کا شاہد بنایا گیا ہے کہ آپ کو ان غیوب کا پورا علم نہیں جن سے انسان کا نفع و نقصان عادۃً اس عالم اسباب میں وابستہ ہوتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال اخیر زمانہ حیات تک رہا (کہ نہ آپنے استکثار خیر کیا اور نہ مس سوء سے محفوظیت حاصل ہوئی) اس لئے معلوم ہوا کہ ان غیوب کا علم آپکو اس وقت تک بھی حاصل نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

عدم استکثار خیر کے ثبوت کے لیے تو اتنا کافی ہے کہ جس وقت حضورؐ نے وصال فرمایا ہے آپ کی زرہ مبارک چند صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی ہوئی تھی (رواہ مسلم) اور مس سوء کا ثبوت آپ کا آخری مرض ہے۔ بالخصوص یہ واقعہ کہ اخیر ایام مرض میں ایک دن جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ مسجد میں میرا انتظار کر رہے ہیں تو آپنے پانی منگوایا اور غسل فرما کر مسجد جانے کے لیے اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر دیر کے بعد جب ہوش آیا اور پھر آپکو معلوم ہوا کہ ابھی تک لوگ مسجد میں میرے منتظر ہیں تو دوبارہ غسل فرمایا اور پھر اٹھے اور پھر غشی طاری ہو گئی۔ یہاں تک تین بار ایسا ہی ہوا کہ آپ غسل فرما کر مسجد جانے کے لیے اٹھے اور پھر بیہوشی طاری ہو گئی اور آپ نہ جا سکے اور بالآخر مایوس ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ بہرحال یہ تین دفعہ مسجد آنے کے لیے اٹھنا اور ہر بار غشی طاری ہو جانا بھی مس سوء میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اگر آپکو اس وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ ارادہ پورا ہونے والا نہیں ہے اور میں جب اٹھوں گا مجھے غشی ہو جائے گی تو یقیناً آپ یہ ارادہ نہ فرماتے اور نہ بار بار مسجد کے لیے اٹھتے۔

بہرحال یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اخیر زمانۂ حیات تک عدم استکثار خیر اور مس سوء کے باب میں آپ کا حال وہی رہا جو پہلے سے تھا پس معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی آپکو ان غیوب کا پورا علم عطا نہیں فرمایا گیا جو استکثار خیر اور اجتناب عن مس السوء میں عادۃً مؤثر ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

آیت مذکورہ میں رضاخانی تاویلات

آیت کا مطلب اور اس سے ہمارے مدعا کا ثبوت تو ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا اور اسی

کے ذیل میں ضمناً ان تاویلات کا جواب بھی دے دیا گیا جو رضا خانی صاحبان اس آیت میں کرتے ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ان جوابات کی تصریح بھی کر دی جائے جو پہلے ضمناً اور اشارۃً مذکور ہوئے ہیں۔

رضا خانی صاحبان کی طرف سے پہلی تاویل تو یہ کی جاتی ہے کہ اس آیت میں صرف علم غیب ذاتی کا ذکر ہے۔ یہ چیز اگرچہ بعض اگلے علماء کے قلم کی لغزش سے بھی نکل گئی ہے لیکن اس قدر لچر اور پوچ ہے کہ کسی عالم کی طرف اس کا انتساب ہی اس کے دامن علم کے لیئے داغ ہے کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اہل مکہ کا سوال علم ذاتی کے متعلق نہیں تھا۔ پھر ان کے جواب میں علم ذاتی کی نفی کرنا "سوال از آسمان جواب از ریسماں" کا مصداق ہوگا علاوہ ازیں استکثار خیر اور عدم مس سوء کے لیے عادۃً صرف منافع اور مضار کے علم کی ضرورت ہے نہ کہ علم ذاتی کی، بلکہ اس کا تو کسی مخلوق کے لیئے احتمال بھی نہیں۔ بہرحال ان وجوہ سے یہ ذاتی کا احتمال تو بالکل ہی "ساقط اور لا یعبأ بہ" کے درجہ میں ہے۔

دوسری بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ یہ آیت مکی ہے اس کے بعد حضورؐ کو یہ علم بھی عطا فرما دیا گیا تھا اس کا جواب بھی گزر چکا ہے کیونکہ عدم استکثار خیر اور مس سوء حضورؐ کی حیات طیبہ میں آخر تک مستمر رہا اور اسی کو اس آیت میں عدم علم غیب پر شاہد بنایا گیا تھا تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ علم غیب آپ کو اخیر زمانہ تک بھی عطا نہیں ہوا پس آیت کا مکی ہونا استدلال میں قادح نہیں۔

ایک تیسری تاویل بعض لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ اس آیت میں علم غیب کی نفی برسبیل تواضع و انکساری کی گئی ہے اس میں تو شک نہیں کہ اس میں تواضع اور انکساری یہی ہے لیکن اس تواضع کا یہ مطلب سمجھنا کہ فی الواقع آپ کو ان تمام غیوب کا علم تھا اور آپ نے بطور انکسار معاذ اللہ خلاف واقع عدم علم ظاہر کیا (جیسا کہ ان مدعیان علم غیب کا گمان ہے) انتہائی جہالت ہے پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ اپنے متعلق خود حضورؐ کا اپنا بیان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے اور قرآن پاک میں ہے اور حق تعالیٰ شانہ اور اس کی مقدس کتاب اس سے پاک اور بری ہے کہ کسی عنوان سے بھی اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی واقعی کمال کی نفی کر کے ان کے مرتبہ کو کم دکھلائے تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

بہرحال یہ آیت مبارکہ بھی ہمارے مدعا پر واضح اور مستحکم دلیل ہے مگر ہدایت اور استقامت اللہ کی توفیق ہی پر موقوف ہے۔ وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یومنون۔

ستائیسویں آیت

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ (سورہ ابراہیم ع ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

"آیا نیامدہ است بہ شما خبر آنانکہ پیش از شما بودند قوم نوح و عاد و ثمود و کسانیکہ بعد از ایشان آمدند نمیدانند ایشاں را مگر خدا" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح کی اور عاد و ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے ان کی خبر نہیں مگر اللہ کو (ا مام الترجم)

اس آیت میں قوم نوح اور عاد و ثمود کے بعد کی بعض ایسی قوموں کا پتہ دیا گیا ہے جن کے حالات حق تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

اس آیت کے تحت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انہ قال بین ابراھیم وعدنان ثلاثون قرناً لا یعلمھم الا اللہ — کہ حضرت ابراہیم اور عدنان کے درمیان تیس[۳۰] قرن ایسے ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(معالم و خازن صفحہ ۳۰۹ / ۲۸ ج ۴)

اور بعض روایات میں بجائے اس کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ

بین عدنان واسمعیل ثلاثون اباً لا یعرفون — عدنان اور حضرت اسمعیل کے درمیان تیس[۳۰] آباو اجداد نامعلوم ہیں۔

اخرجہ ابو عبید وابن المنذر کما فی الدر المنثور صفحہ ۷۲ / ۳۱۰ جلد ۴

حضرت ابن عباس کے اس ارشاد کو علامہ ابوسعود نے اپنی تفسیر کے صـ۱۸۸ جـ۳ پر اور علامہ نسفی نے مدارک صـ۱۹۷ جـ۲ پر اور امام رازی نے کبیر صـ۲۲۱ جـ۵ پر اور خطیب شربینی نے سراج منیر صـ۱۶۹ جـ۲ پر بھی ذکر کیا ہے۔

اور ابن الضریس نے ابو مجلز سے روایت کیا ہے کہ

قال رجل لعلی بن ابی طالب انا انسب الناس۔ قال انک لا تنسب الناس قال بلیٰ۔ فقال علی رضی اللہ عنہ ارأیت قولہ تعالیٰ وعاداً و ثمود واصحاب الرس وقروناً بین ذالک کثیراً قال انا انسب ذالک الکثیر قال ارأیت قولہ الم یاتکم نبأ الذین من قبلکم قوم نوح وعاد و ثمود والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ فسکت (درمنثور صـ۳۱۵ جلد ۴)	ایک شخص نے امیر المومنین حضرت علی سے عرض کیا کہ میں بڑا نسب دان ہوں تمام لوگوں کا نسب بیان کر سکتا ہوں حضرت علی نے فرمایا تم سب کا نسب بیان نہیں کر سکتے اس نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا کیا تم کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول معلوم ہے "اور عاد و ثمود اور اصحاب الرس اور ان کے درمیان بہت سے قرون" (حضرت علی کا مطلب یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے جن اقوام خامدہ کا ذکر "وقروناً بین ذٰلک کثیراً" کے الفاظ میں کیا ہے کیا تم ان کو بھی جانتے ہو؟) اس نے عرض کیا ہاں میں ان قرون کثیرہ کا بھی نسب بیان کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اچھا تم کو حق تعالیٰ کا ارشاد ..... "والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ" بھی معلوم ہے (آپ کا مطلب یہ تھا کہ جن اقوام کے متعلق اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انکو ہمارے سوا کوئی نہیں جانتا، ان کا علم تم کو کیونکر ہو سکتا ہے) اس پر علم انساب کے اس مدعی کو خاموش ہو جانا پڑا۔

....

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

کان اذا قرء ھذہ الایۃ یقول "کذب النسابون"۔	آپ جب اس آیت کو تلاوت فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ پورا نسب بیان کرنے والے کاذب ہیں۔

اخرجہ عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم درمنثور صـ۳۱۶ جلد ۴

وحکاہ ایضاً البغوی فی المعالم[317] والخازن فی اللباب[318] وابو السعود فی تفسیرہ[319] والرازی فی الکبیر[320] والخطیب فی السراج المنیر[321]۔

اور ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے حضرت عمر بن المیمون[239] رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیت کے ذیل میں یہی مقولہ روایت کیا ہے۔ (درمنثور[322] صفحہ ۷۲ جلد ۴)

اور علامہ نسفی نے براہ راست خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس آیت کے نزول کے وقت ارشاد فرمایا :۔

"کذب النسابون"[240] (مدارک[323]) پورا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔

بہرحال اس آیت کے ذیل میں یہ الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کیے گئے ہیں اور آپ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابن مسعود اور عمر بن میمون سے بھی اور مطلب اس کا یہ ہے کہ "نسابین" اس کے مدعی ہیں کہ ان کو حضرت آدم علیہ السلام تک کا کل سلسلہ نسب معلوم ہے۔ حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے سوا اس سلسلہ کا پورا علم کسی کو بھی نہیں، چنانچہ مفسرین ہی نے اس کا یہ مطلب ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

یعنی انھم یدعون علم النسب الی آدم وقد نفی اللہ علم ذالک عن العباد
خازن[323]، معالم[324]، ابوالسعود[325]، کبیر[326]، سراج منیر[327]

مطلب یہ ہے کہ "نسابین" مدعی ہیں کہ ان کو حضرت آدم علیہ السلام تک کا سلسلہ نسب پورے طور پر معلوم ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں بندوں سے اس کی نفی فرمادی ہے

اور اسی واسطے امام مالک[241] رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب آدم علیہ السلام تک مسلسل بیان کرے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ان کا مسلک یہی ہے کہ آپ کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک مسلسل نہ بیان کیا جائے کیونکہ بعض درمیانی آباؤ اجداد کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ (معالم التنزیل[328] ص ۲۸ جلد ۴)

انہ کان فی انتسابہ لایجاوز معد بن عدنان بن ادو (تفسیر کبیر[329] ص ۲۲۱ ج ۵، وسراج منیر[330] ص ۱۶۹ ج ۲)

کہ آپ اپنا نسب مطہر بیان کرنے میں معد بن عدنان بن ادد سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

آیت مسطورہ عنوان اور اس کے ذیل میں جو آثار و روایات مذکور ہوئیں ان سب سے

واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں بعض قومیں اور حتیٰ کہ حضور ہی کے سلسلۂ نسب میں بعض ایسے آباء و اجداد بھی ہیں جن کا علم اس زمانہ میں خدا کے سوا کسی کو نہیں حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پورے طور پر معلوم نہیں۔ واللہ اعلم

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس آیت میں ذاتی اور عطائی کی بحث کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ علم ذاتی تو غیر اللہ کو کسی ایک چیز کا بھی نہیں ہو سکتا نیز مندرجہ بالا آثار و روایات نے اس احتمال کا بھی قلع قمع کر دیا کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان قرون غیر معلومہ اور ان نامعلوم آباؤ اجداد کا بھی علم دے دیا گیا ہوگا (کما لایخفی) بہرحال یہ آیت بھی ہمارے مدعا پر واضح اور مستحکم دلیل ہے

اٹھائیسویں آیت

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۔ (یٰس)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمے میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"ونیا موختیم ایں پیغامبر را شعر و لائق نیست او را۔ نیست ایں مگر پند و قرآن آشکارا" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں یہ تو نری سمجھوتی ہے اور قرآن ہے صاف" (امام التراجم)

اس آیت کا صریح مفاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم شعر عطا نہیں فرمایا اور وہ اللہ کے نزدیک حضور کے لیے مناسب بھی نہیں اور جب قرآن پاک نے حضور کے لیے علم شعر کو نامناسب اور غیر لائق قرار دے دیا تو احتمال بھی نہیں رہا کہ "اس آیت کے نزول کے بعد دیدیا گیا ہوگا" یہی وجہ ہے کہ باوجود انتہائی فصاحت و بلاغت کے آپ سے کبھی ایک شعر کہنا ثابت نہیں بلکہ جب کبھی آپ نے کسی دوسرے کا شعر بھی پڑھنا چاہا تو اس طرح پڑھا گیا کہ اس کی شعریت ختم ہوگئی۔

عبدالرزاق اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے

روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ

انه قيل لعائشة رضى الله عنها هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتمثل بشئ من الشعر قالت كان ابغض الحديث اليه غير انه كان يتمثل ببيت اخى بنى قيس يجعل اوله آخره وآخره اوله ويقول : "ويأتيك من لم تزود بالاخبار"۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور کبھی کوئی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ شعر آپ کو سب باتوں سے زیادہ ناپسند تھا البتہ کبھی کبھی آپ قیسی شاعر کا یہ بیت "ویاتیک بالاخبار من لم تزود" الٹ پلٹ کر پڑھا کرتے تھے اس طرح کہ "من لم تزود" کو مقدم اور "بالاخبار" کو موخر کرکے "ویاتیک من لم تزود بالاخبار" پڑھتے تھے۔

فقال له ابوبكر رضى الله عنه ليس هكذا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انى والله ما انا بشاعر وما ينبغى لى (در منثور[۲۳۱])

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! اصل شعر یوں نہیں ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں اور شعر میرے لیے مناسب بھی نہیں۔

اور ابن سعد و ابن ابی حاتم اور مرزبانی نے حضرت حسن بصری[۲۳۲] سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یہ بیت پڑھا کرتے تھے "کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا" (حالانکہ اصل موزوں مصرعہ اس طرح ہے "کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا"، مگر حضور اقدس ہمیشہ اسی طرح الٹ پلٹ کرکے پڑھتے تھے) پس حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا:

اشهد انك رسول الله ما علمك الشعر وما ينبغى لك (در منثور[۲۳۳] و ابن کثیر[۲۳۴])

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول حق ہیں اس نے آپکو شعر کا علم نہیں دیا اور آپکے لئے وہ مناسب بھی نہیں۔

اور ابن سعد نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے روایت کیا ہے کہ:۔

ان النبى[۲۳۵] صلى الله عليه وسلم قال للعباس بن مرداس ارأيت قولك "اصبح نهبى ونهب العبيد بين الاقرع و

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن مرداس سے فرمایا ذرا بتلاؤ وہ تمہارا کیا قول (شعر) ہے "اصبح نهبى ونهب العبيد بين الاقرع وعیینہ" پس

عیینۃ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ
بابی انت وامی یا رسول اللہ ما انت بشاعرٍ
ولا راویہ ولا ینبغی لک انما قال بین
عیینہ والاقرع (در منثور ص ۳۳۵)

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ پر
میرے ماں باپ قربان ہوں نہ آپ خود شاعر
ہیں نہ شعر کے راوی ہیں اور نہ آپ کے لیے یہ سزاوار ہے
اصل مصرعہ یوں ہے: "بین عیینہ والاقرع"

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کریمہ "وما علمناہ الشعر" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

یقول عز وجل مخبراً عن نبیہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم انہ ما علمہ الشعر
وما ینبغی لہ ای ما ھو فی طبعہ فلا
یحسنہ ولا یحبہ ولا تقتضیہ جبلتہ ولھذا ورد
انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یحفظ
بیتاً علی وزن منتظم بل ان انشدہ
زحفہ او لم یتمہ وقال ابو زرعۃ
الرازی حدثنا اسمعیل بن مجاھد
عن ابیہ عن الشعبی انہ قال ما
ولد عبد المطلب ذکراً ولا انثی الا یقول
الشعر الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(ذکرہ ابن عساکر) تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۲/۳۳۵ ج ۸

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
سے خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو شعر کا علم نہیں
دیا اور نہ وہ ان کے لئے مناسب ہے یعنی وہ آپ کی
طبیعت میں داخل نہیں اس واسطے نہ وہ آپکو پسندیدہ ہے
اور نہ آپ کی فطرت اس کی مقتضی ہے اور اسی واسطے وارد
ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھیک وزن پر
ایک شعر بھی محفوظ نہ تھا بلکہ جب آپ کوئی شعر پڑھتے تھے
تو اس کو گرا پڑا دیتے تھے یا ناتمام پڑھتے تھے اور ابو زرعہ
رازی اپنی سند سے شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ عبد المطلب
کی اولاد میں کوئی بچہ لڑکا یا لڑکی ایسا پیدا نہیں
ہوا جو شعر نہ کہتا، بجز رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے۔

اور علامہ علی بن محمد خازن تفسیر "لباب التاویل" میں فرماتے ہیں۔

(وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ)
ای ما یسھل لہ ذلک وما یصلح منہ
بحیث لو اراد نظم شعر لم یتات
لہ ذلک کما جعلناہ امیاً لا یکتب ولا
یحسب لتکون الحجۃ اثبت والشبھۃ

(اور ہم نے آپکو شعر نہیں سکھایا اور نہ آپکے لیے وہ سزاوار ہے)
یعنی نہ آپکے واسطے سہل ہے اور نہ آپ سے بنتا ہے بایں طور کہ
اگر آپ ایک شعر نظم کرنا چاہیں تو یہ آپ سے نہیں ہو سکتا ٹھیک
اس طرح جس طرح کہ ہم نے آپکو امی بنایا ہے کہ نہ آپ لکھ سکتے
ہیں اور نہ حساب کتاب کر سکتے ہیں اور یہ سب کچھ اس واسطے ہے

اوحض۔ قال العلماء ماکان یتزن لہ بیت شعروان تمثل بیت شعر جری علی لسانہ منکسراً۔ (تفسیر خازن[۲۳۶])

کہ حجت پوری مضبوطی کے ساتھ قائم ہوجائے اور شک و شبہ کیلئے گنجائش نہ رہے۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شعر موزوں نہ ہوتا تھا اور اگر کسی کا شعر کبھی پڑھا تو ٹوٹ پھوٹ کر یعنی بے وزن ہو کر آپ کی زبانِ مقدس پر جاری ہوا۔

اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس موقع پر یہی مضمون کچھ اختصار کے ساتھ ادا کیا ہے (معالم التنزیل[۲۳۸] ص۱۲ پ۲۳) ـــــ اور علامہ نسفی حنفی اپنی تفسیر "مدارک التنزیل" میں فرماتے ہیں۔

(وماعلمناہ الشعر) وماعلمنا النبی علیہ السلام قول الشعراء او وماعلمنا بتعلیم القرآن الشعر علی معنی ان القرآن لیس بشعر۔[۲۳۹]

(اور ہم نے نہیں سکھایا انکو شعر) یعنی ہم نے پیغمبر علیہ السلام کو شعراء کے قول کا علم نہیں دیا یہ کہ ہم نے قرآن کی تعلیم سے شعر کی تعلیم نہیں دی اس معنی اگر کہ قرآن شعر نہیں ہے۔

اس کے بعد "وماینبغی لہ" کی تفسیر میں علامہ موصوف نے بھی قریب قریب وہی لکھا ہے جو علامہ خازن نے فرمایا۔ (مدارک[۲۴۰] ص۱۱ جلد ۴)

یہاں تک جو روایات اور جو تفسیری عبارات مذکور ہوئیں ان کی روشنی میں یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے شعر کا علم عطا نہیں فرمایا اور حکمتِ الٰہی میں وہ حضورؐ کے شایانِ شان بھی نہ تھا اور آپ کی طبع مبارک کو شعر شاعری سے بہت زیادہ بعد تھا۔

آیت ہذا میں رضاخانی تاویلات

مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی متعدد تحریروں میں اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں ملکۂ شعر کی نفی کی گئی ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا" ـــــ اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اسی کے ساتھ ایک دوسری تاویل یہ بھی

کی ہے کہ اس آیت میں شعر سے شعر عرفی مراد نہیں ہے بلکہ "شعر منطقی" مراد ہے اور اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے رسول کو "قیاس شعری" نہیں سکھایا جو مقدمات مخیلہ اور قضایا کاذبہ سے مرکب ہوتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں تاویلوں کا ہمارے استدلال پر کوئی اثر نہیں، کیونکہ شعر سے خواہ ملکۂ شاعری مراد ہو یا شعر منطقی دونوں چیزیں ماکان وما یکون میں داخل ہیں اور جب ان میں سے کسی ایک کی نفی حضرت سے ہوگئی تو جمیع ماکان وما یکون کا ادعا باطل ہوگیا ہے۔ واللہ اعلم

مولوی حشمت علی صاحب نے سنبھل کے مناظرہ میں اسی آیت کا جواب دیتے ہوئے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کہنا ثابت ہے اور اس کے ثبوت میں صحیح بخاری سے وہ روایت پیش کی تھی جس میں مذکور ہے کہ غزوہ حنین میں آپ یہ رجز پڑھتے تھے ؎ انا النبی لا کذب - انا ابن عبد المطلب

اس کا جواب جو اس مناظرہ میں بھی دیا گیا تھا یہ ہے کہ اس قسم کے رجز جو بلا قصد شعر گوئی زبان پر جاری ہو جائیں عرف اور اصطلاح میں شعر نہیں کہے جاتے پس غزوہ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رجز پڑھا وہ سرے سے شعر ہی نہیں جیسا کہ اسی حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ شارحین حدیث نے تصریح فرمائی ہے نیز امام بغوی، علامہ خازن، علامہ نسفی وغیرہ عام مفسرین نے بھی اس آیت وما علمناہ الشعر کے تحت میں اس کو صاف کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر مدارک میں ایک یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجز میں بھی کذب کی ب کو زبر اور "مطلب" کی "ب" کو زیر پڑھا تھا جس کے بعد اس میں شعری موزونیت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ بہر حال اس رجز سے نص قرآن کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم شعر ثابت کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ حضورؐ نے معاذ اللہ شعر کہا ہے افسوسناک جہالت اور خطرناک ضلالت ہے۔

فتاویٰ[۲۵] قاضی خان میں علماء حنفیہ سے ایسے شخص کی تکفیر نقل کی ہے جو یہ کہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کوئی شعر کہا ہے۔ قاضی خان[۱] (کتاب الردۃ)

الحاصل آیت مسطورۂ عنوان اور اس کے تحت میں مندرج شدہ روایات اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر غائر نظر ڈالنے سے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی علمی کمالات سے نوازنے کے باوجود شعر کا علم عطا نہیں فرمایا تھا اور اس میں یہ حکمت تھی کہ مبادا اگر آپ شاعر ہوتے تو معاند دشمن یہ کہہ سکتے تھے کہ جناب! یہ پہلے ہی سے ایک کامیاب شاعر ہیں انہوں نے اگر اپنے شاعرانہ کمال سے کام لے کر قرآن جیسی فصیح بلیغ کتاب خود بنالی ہو تو کیا عجب ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس قسم کے شکوک کا دروازہ بند کرنے کے لیے اور آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل قرآن حکیم سے شکوک و شبہات کے بادل چھانٹنے کے لیے آپ کو علم شعر سے قطعی محفوظ رکھا اور اس کی طرف سے طبیعت میں اتنا بعد پیدا کر دیا کہ آپ کبھی کسی دوسرے کا شعر بھی ٹھیک وزن کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے اور یہ بالکل اس طرح ہوا جس طرح کہ آپ کو حق تعالیٰ نے امی رکھا کیونکہ اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو تاریک باطن دشمنوں کو یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ جناب انہوں نے یہ اعلیٰ مضامین کسی کتاب سے نقل کر لیے ہوں گے۔ قرآن کہتا ہے :-

وما كنت تتلوا من قبله من كتٰب ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون۔ عنکبوت پ۲۱	اور آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، نہ کوئی کتاب لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ اہل باطل کچھ شبہ نکالتے۔

الغرض آپ کی نبوت کو روشن سے روشن تر کرنے کے لیے حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ آپ کو علم شعر نہ دیا جائے چنانچہ آپ کو اس سے بالکل بے بہرہ رکھا گیا اور اب جو شخص آپ کے لیے کسی تاویل سے علم شعر ثابت کرتا ہے فی الحقیقت وہ آپ کی نبوت کو دشمنوں کی نظروں میں مشکوک کرنے کی سعی باطل کرتا ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

انتیسویں آیت

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ع۱۰)

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں :-

وسوال می کنند ترا از روح، بگو روح از فرمانِ پروردگار من است و شما نداده شده اید از علم مگر اندکے" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو، تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے، اور تم کو خبر دی ہے بہت تھوڑی سی" (امام التراجم)

اس آیت کا شانِ نزول جو روایاتِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کفار کی ایک جماعت نے امتحان اور آزمائش کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا تھا جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ط

اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَقوله۔ قل الروح من امر ربی ای من شانه ومما استاثر بعلمه دونکم ولهذا قال وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ای وما اطلعکم من علمه الا علی القلیل فانه لا یحیط احدٌ بشیءٍ من علمه الا بما شاء تبارک وتعالیٰ۔ تفسیر ابن کثیر ص۳۰۱ ج۳

اس کا مطلب یہ ہے کہ روح اللہ کے فعل سے ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جن کے علم کو اللہ نے اپنے ہی لئے خاص کر لیا ہے اور تم کو نہیں دیا ہے اور اسی واسطے بعد میں فرمایا" وما اتیتم من العلم الا قلیلا" یعنی اللہ نے اپنے علم کے بہت تھوڑے سے حصہ پر تم کو اطلاع دی ہے کیونکہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو علم الٰہی میں سے کسی چیز کو بھی پورے طور پر جانتا ہو بجز اسقدر کے کہ خدا چاہے۔

اور علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ہذا کی تفسیر میں اس روح کے متعلق جس کا آپ سے سوال کیا گیا تھا۔ پہلے تو چند معروف و غیر معروف اقوال لکھے ہیں اور ان میں سے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ یہ سوال روح انسان ہی کے متعلق تھا، جس سے انسان کی زندگی کا قیام ہے اس کے بعد علامہ موصوف نے اس روح انسانی کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں بھی چند اقوال نقل کئے ہیں ان تمام اقوال کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

واولی الاقاویل ان یوکل علمه الی اللہ عزوجل" وھو قول اھل السنۃ قال عبد اللہ بن بریدہ ان اللہ لم یطلع علی الروح ملکًا مقربًا ولا نبیًا مرسلا بدلیل قولہ قل الروح من امر ربي، ای من علم ربی الذی استاثر بہ	اور روح کے بارے میں بہترین قول یہ ہے کہ اس کا علم خدا ہی کے سپرد کیا جائے۔ اور اہل سنت کا یہی قول ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن بریدہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے روح کی اطلاع کسی مقرب فرشتے اور کسی فرستادہ پیغمبر کو بھی نہیں دی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "قل الروح من امر ربي" یعنی روح اللہ تعالیٰ کے اس علم میں سے ہے جس کو اس نے اپنے واسطے خاص کر لیا ہے۔

اس کے بعد علامہ خازنؒ نے ایک قول کسی نامعلوم شخص کا یہ بھی نقل کیا ہے کہ روح کا علم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، لیکن چونکہ دوسروں کو اس کی خبر دینا نبوت کی علامت تھی اس لئے آپ نے کسی دوسرے کو نہیں بتلایا لیکن اس قول کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

والقول الاصح ھو ان اللہ عزوجل استاثر بعلم الروح (خازن[۲۴۲] ص۱۴۸ ج ۴)	صحیح تر قول یہی ہے کہ اللہ عزوجل نے روح کا علم اپنے ہی واسطے خاص کر لیا ہے۔

علامہ بغوی[۲۵۳] رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کے ذیل میں وہی سب کچھ لکھا ہے جو خازنؒ سے لکھا گیا۔ (معالم[۲۴۳] ص۴۸ جلد ۴)

اور خطیب[۲۵۴] شربینی نے معالم کے حوالہ سے یہی لکھا ہے اور اسی کو خود اختیار کیا ہے۔ (سراج منیر[۲۴۴] ص۳۳۱ جلد ۲)

اور علامہ نسفی حنفیؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی) ای من امر یعلمه ربی الجمھور علی انه الروح الذی فی الحیوان سئلوہ عن	مطلب آیت کا یہ ہے کہ روح اللہ کے اس امر سے ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جمہور کا مسلک ہے کہ اس آیت میں جس روح کا ذکر ہے وہ روح حیوانی ہی ہے اور اس کی حقیقت کا انہوں نے حضورؐ سے

حقیقتہ فاخبر انہ من امر اللہ ای مما استاثر بعلمہ۔ وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ لقد مضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما یعلم الروح وقد عجزت الاوائل عن ادراک ماھیتہ بعد انفاق الاعمار الطویلہ علی الخوض فیہ والحکمۃ فی ذالک تعجیز العقل عن ادراک معرفۃ مخلوق مجاورلہ لیدل علی انہ عن ادراک خالقہ اعجز۔ (مدارک ص ۲۵۱ جلد ۲)

سوال کیا تھا پس آپ نے ان کو بتلایا کہ وہ اللہ کے امر سے ہے یعنی ان امور میں سے ہے جن کے علم کو اللہ نے اپنے واسطے خاص کر لیا ہے اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِفانی سے تشریف لے گئے اور حال یہ کہ آپ کو روح کا علم نہ تھا اور اگلے لوگ غور و فکر میں لمبی لمبی عمریں خرچ کرنے کے باوجود روح کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز رہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی مخلوق کی معرفت سے اپنے عقل کی عاجزی محسوس کر کے جو ہمہ وقت اس کیساتھ ہے یہ سمجھ لے کہ وہ اپنے خالق عزوجل کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز تر ہے۔

اور علامہ ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قل الروح من امر ربی) الاضافۃ للاختصاص العلمی لا الایجادی لاشتراک الکل فیہ ..... ای ھو من جنس ما استاثر اللہ بعلمہ من الاسرار الخفیۃ

"من امر ربی" میں اضافت اختصاصِ علمی کے لئے ہے نہ کہ اختصاص تکوینی کے لیے کیونکہ اس میں سب مخلوق مشترک ہے .... اور مطلب یہ ہے کہ روح ان اسرار خفیہ میں سے ہے جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی لئے خاص فرما لیا ہے۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

وفیہ تنبیہ علی انہ مما لا تحیط بکنھہ دائرۃ ادراک البشر وانما

اس میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ روح ان چیزوں میں سے ہے جن کی کنہ اور حقیقت کو دائرہ ادراک

الممکن ھذا القدر الاجمالی المندرج ما استثنی بقولہ تعالیٰ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" (تفسیر ابو السعود صـ۱۱ ج۶)

بشری محیط نہیں ہو سکتا اور بشر کیلئے روح کی اس قدر اجمالی معرفت ممکن ہے جو یہاں مذکور ہوئی اور جو "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" کے استثناء میں داخل ہے۔

اور علامہ معین بن صفی جامع البیان میں فرماتے ہیں:۔

قل الروح من امر ربی) مما استاثر بعلمہ، (تفسیر جامع البیان صـ۲۳۵)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے یعنی ان امور مخصوصہ میں سے ہے جن کے علم کو حق تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرما لیا ہے۔

مفسرین کرام کی جو عبارات یہاں تک مذکور ہوئیں ان سب میں آیت کا مفاد یہ بتلایا گیا ہے کہ حقیقت روح کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے اور اس نے اپنے ہی واسطے خاص کر لیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ کی جو روایت "مدارک التنزیل" کے حوالہ سے اوپر نقل ہو چکی ہے، اس میں بھی تصریح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات کے وقت تک بھی حقیقتِ روح کا علم حاصل نہ تھا۔

اور علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور اہل سنت کا اس باب میں یہی خیال ہے اور وہ آیت ہذا کی روشنی میں اسی طرف لے گئے ہیں، کہ حقیقتِ روح کا علم مخصوصاتِ باری تعالیٰ سے ہے اور کسی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں دی گئی ہے، اور اکابر صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف کے حوالے سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:۔

انہ قال الروح استاثر اللہ بعلمہ فلم یطلع علیہ احداً من خلقہ (فتح الباری صـ۱۳۹ جز۱۹)

آپ نے فرمایا کہ روح کے علم کو حق تعالیٰ نے اپنے واسطے خاص کر لیا ہے اور کسی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

لیکن بعض متاخرین صوفیہ اور اسی طرح بعض مفسرین نے بھی جمہور کے اس مسلک سے

اختلاف کیا ہے اور ان کے نزدیک یہ چیز نہایت ہی مستبعد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقتِ روح کا علم نہ ہو۔ امام غزالی اور امام رازی بھی ان ہی میں سے ہیں اور مؤخر الذکر نے تفسیر کبیر میں اس پر حسب عادت بسیط کلام کیا ہے لیکن جو وجوہات پیش کئے ہیں وہ خلاف توقع بہت ہی کمزور ہیں۔ چونکہ ہمارے مخالفین اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے انہی چیزوں کو پیش کیا کرتے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ یہاں ان پر بھی کلام کر دیا جائے۔
امام رازی علیہ الرحمہ نے پہلی چیز تو پیش کی ہے کہ :۔

"روح خواہ کیسی ہی لطیف کیوں نہ ہو۔ مگر حق تعالیٰ شانہ سے تو بلند مرتبہ نہیں ہے، پھر جب کہ حق سبحانہ کی معرفت ممکن بلکہ حاصل ہے، تو پھر روح کی معرفت سے کون سی چیز مانع ہے"

حق تعالیٰ امام رازی پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ حیرت ہے کہ ان کے قلم سے ایسی کمزور بات کیوں نکل گئی۔ اہل سنت میں سے اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی پوری پوری معرفت یعنی اس کی کنہ اور حقیقت کا ادراک کسی مخلوق کو حاصل ہے۔ کائنات میں سے جس کو جس قدر بھی معرفتِ خداوندی حاصل ہے وہ صرف فی الجملہ معرفت اور ادراک بوجہ من الوجوہ ہے۔ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ما عرفناك حق معرفتك" اور اگر امام ممدوح کا مقصد یہی فی الجملہ معرفت ہے تو اس سے کس کو انکار ہے سب بے شک حق تعالیٰ اور اسی طرح روح کی فی الجملہ معرفت مخلوق کو بھی حاصل ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ حصہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

ایک دوسری بات امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدعا کی تائید میں بھی لکھی ہے کہ :۔

"روح کی معرفت تو معمولی درجہ کے فلاسفر اور ادنیٰ درجہ کے متکلمین کو بھی حاصل ہوتی ہے پس ایسی صورت میں حضورؐ کا یہ فرمانا کہ "مجھے روح کی حقیقت معلوم نہیں" لوگوں کی نظروں میں حضورؐ کی بے قدری اور کم وقعتی کا باعث ہوگا۔ پس آیت کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ روح کا علم صرف خدا ہی کو ہے"

لیکن ظاہر ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وجہ پہلی سے بھی زیادہ کمزور ہے بالخصوص ان کا یہ فرمانا کہ "اصاغر فلاسفہ اور اراذل متکلمین کو روح کی معرفت حاصل ہے" ۔ سخت حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے ۔ وہ کون سا فلسفی یا متکلم ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اس کو حقیقتِ روح کی پوری معرفت حاصل ہے ۔

معاذ اللہ ھم یدعون معرفۃ الحقائق وایم اللہ انھم اجاھل الناس بھا الا ان جلھم مرکبٌ ان یقولون الا ظنا وان الظن لا یغنی من الحق شیئًا ؏

وہ حقائق اشیاء کی معرفت کے مدعی ہیں اور خدا کی قسم ان کو تو اس کوچہ کی ہوا بھی نہیں لگی اور وہ تو اس باب میں دوسروں سے بھی زیادہ بیخبر ہیں لیکن ان کا جہل مرکب ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں محض اٹکل اور تخمین سے کہتے ہیں ۔ اور یہاں اٹکل اور تخمین سے کام نہیں چلتا

ایک تیسری وجہ امام موصوف نے یہ بھی لکھی ہے کہ :

"حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے" الرحمن علم القرآن" اور فرمایا ہے " وما علمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما" نیز ارشاد فرمایا ہے "وقل رب زدنی علما" اور قرآن پاک کے بارے میں ارشاد ہے ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "ارنا الاشیاء کما ھی" پس نفس پاک کا یہ حال ہو اس کے لئے کس طرح لائق ہے کہ وہ روح کی حقیقت کے متعلق کہہ دے کہ "میں اس کو نہیں جانتا" حالانکہ یہ تو ان مشہور اور متداول مسئلوں میں سے ہے جو جمہور ناس کے ذکر میں آتے رہتے ہیں ۔"

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ نصوص مذکورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیشک غیر معمولی علمی وسعت ثابت ہے اور یقیناً آنحضرت ؐ کو حق تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ علمی کمال دیا تھا ۔ لیکن بایں ہمہ یہ ضروری نہیں کہ آپ کو حقیقتِ روح کا بھی علم عطا فرمایا گیا ہو ۔ جس طرح اس کمالِ علمی کے باوجود کسی حکمت کی وجہ سے آپ کو علم شعر نہیں دیا گیا

؏ ای الفلاسفۃ ۱۲ منہ

اور جس طرح کہ کسی مصلحت سے قیامت کا وقت خاص آپ سے بلکہ تمام مخلوق سے مخفی رکھا گیا (جیسا کہ خود امام ممدوح نے تفسیر کبیر میں جابجا تصریح کی ہے) ایسے ہی اگر کسی خاص وجہ سے حقیقتِ روح کو بھی آپ سے اور تمام مخلوقات سے پوشید رکھا گیا ہو تو کیا عجب ہے؟ اور اس میں جو حکمت ہے وہ بھی تفسیر مدارک اور تفسیر ابو السعود کی عبارات میں مذکور ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ چیز کتب سابقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت بتلائی گئی تھی اور اسی واسطے یہود نے حضورؐ سے یہ سوال کیا تھا۔

خطیب[۱۵] شربینی سراج منیر میں فرماتے ہیں:-

"امام رازی کا یہ کہنا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ کے لیے یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آپ حقیقتِ روح سے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائیں" درست نہیں کیوں کہ یہ تو آپ کی نبوت کی علامت ہے"

(تفسیر سراج منیر ص ۳۴۹ ج ۲)

امام رازی کے علاوہ بھی جن علماء نے مسئلہ روح میں جمہور کے مسلک سے اختلاف کیا ہے انہوں نے بھی اس سے زیادہ کوئی اور ایسی دلیل پیش نہیں کی ہے جس کا جواب ہماری اس بحث میں نہ آگیا ہو۔ بہر حال جمہور ہی کا مسلک اس بارے میں صحیح ہے کہ حقیقت روح کا پورا علم حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور "قل الروح من امر ربی و ما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" کا یہی مفاد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیسویں آیت

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :۔
"خدا میداند آنچہ در شکم بر میدارد ہر زنے وآنچہ ناقص میکنند رحمہا، وآنچہ زیادہ میگردانند وہر چیزے نزدیک او باندازہ است داناست بہ پنہان وآشکارا، بزرگ است بلند مرتبہ است یکسان است از شما کسے کہ بپوشد سخن را، وکسے کہ بآواز بلند گوید آنرا وکسے کہ وے پنہاں است در شب وکسے کہ او راہ میرود در روز" (فتح الرحمٰن)
اور حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :۔
"اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں، اور ہر چیز کی اس کے پاس گنتی ہے۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا، سب سے بڑا اوپر برابر ہے تم میں جو چپکی بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو" (امام التراجم)
اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ کا کمال علمی بیان کیا گیا ہے کہ اس کی یہ شان ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں جو حمل ہوتا ہے وہ اس کو پوری طرح جانتا ہے (کہ اچھا ہوگا یا بُرا خوبصورت ہوگا یا بدصورت، نیک بخت ہوگا یا بدبخت، عمر زیادہ ہوگی یا کم، غرض مستقبل میں اس پر جو حالات اور عوارضات وارد ہونے والے ہوتے ہیں وہ بہ تفصیل ان سب کو بھی جانتا ہے) نیز رحموں کی کمی بیشی، جنین کا نقصان و کمال بھی اس کو معلوم رہتا ہے اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ازل ہی سے ایک اندازہ ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتی اور ہم میں سے جو شخص آہستہ بولے اور جو بلند آواز سے پکارے اور جو رات کی اندھیریوں میں کہیں چھپتا پھرے اور جو دن کے اجالے میں راہ عام پر چلے وہ سب برابر ہے اور آیت کا سیاق بتا رہا ہے کہ وہ علیم وخبیر اپنی اس شان میں منفرد اور لا شریک ہے لیکن اگر ہم اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے بھی جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط تفصیلی مان لیں (جیسا کہ رضاخانی صاحبان کا خیال ہے) تو یہ تفرد و اختصاص باقی نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں اس (عالم جمیع ماکان ومایکون) پر بھی یہ بات صادق آئے گی کہ اس کو ہر مادہ کے حمل کا پورا پورا علم ہے وہ رحموں کے گھٹاؤ بڑھاؤ کو تفصیلی طور پر جانتا ہے اور آہستہ

سے بولنے والے اور زور سے پکارنے والے اسی طرح رات کی اندھیریوں میں چھپنے والے اور دن کو راستوں میں چلنے والے اس کے لیے سب برابر ہیں۔"

الغرض یہ آیت بھی صاف بتلا رہی ہے کہ جمیع ماکان و مایکون کا علم تفصیلی محیط حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ چونکہ یہ آیت سورہ لقمان کی اس آخری آیت کے ہم مضمون ہے جو کتاب ہذا کے صفہ پر درج ہو چکی ہے اور وہاں ہم اس پر کافی بحث کر چکے ہیں اور مخالفین کی طرف سے پیش کی جانے والی تمام تاویلات و تحریفات کا مکمل جواب دے چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اس کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ناظرین کرام وہاں ہی ملاحظہ فرمالیں۔

ناظرین کرام کو یاد ہو گا کہ ہم نے اس سلسلہ کے آغاز میں منشأ نزاع کی تعیین کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ اہل بدعت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے جمیع ماکان و مایکون کا علم تفصیلی محیط ثابت کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو حضور اقدس کے اس عالم میں تشریف لانے سے بھی پہلے شکم مادر ہی میں آپ کے لیے اس علم محیط کا حصول مانتے ہیں[1] دوسرے وہ جو شب معراج میں اس علم کے عطا ہونیکے قائل ہیں[2] اور تیسرے وہ جو کہتے ہیں کہ یہ علم بدأ نبوت سے تدریجاً آپ کو عطا ہوتا رہا یہانتک کہ ختم نزول قرآن کے ساتھ اس علم کی بھی تکمیل ہو گئی۔[3]

چونکہ فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی مناظرانہ تصانیف میں اسی آخری راستہ کو زیادہ پر امن سمجھ کر اختیار کیا ہے اور ان کی ذریت بھی تنقیح دعوے کے وقت اکثر یہی کہتی ہے اس لئے ہم نے بھی ساری گزشتہ بحث میں صرف اسی کو مد نظر رکھا،

---

[1] اہل بدعت کے مشہور مصنف اور مفتی قاضی فضل احمد لدھیانوی نے اپنی کتاب "انوار آفتاب صداقت" کے صفحہ ۱۳۸ پر ایسا ہی لکھا ہے ۱۲ م

[2] مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کا عقیدہ غالباً یہی ہے جیسا کہ ان کی کتاب "الکلمۃ العلیا" کے صفحہ ۲۳، ۲۴ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ ۱۱ م

[3] مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنے رسائل "انباء المصطفے" وغیرہ میں اس کو اختیار کیا ہے۔

اور اب تک جو تیس آیتیں پیش کیں وہ براہ راست اسی کے رد میں پیش کیں۔ اگرچہ انہی سے اس پہلے اور دوسرے فریق کا بھی رد ہو جاتا ہے جو حضور کے لئے ماکان وما یکون کا علم تفصیلی شکم مادر ہی میں یا شب معراج میں مانتے ہیں لیکن اب حسب وعدہ ہم اپنی بحث کا رخ خاص انہیں دونوں فریقوں کی طرف پھیرتے ہیں۔

اب جو آیات ہم پیش کریں گے وہ خصوصیت کے ساتھ انہی پر حجت ہوں گی۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اکتیسویں آیت

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (انفال ع ۹)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"سزاوار نبود پیغامبر را کہ بدست وے اسیران باشند تا آنکہ قتل بسیار بوجود آرد در زمین، میخواہید شما مال دنیا و خدا میخواہد مصلحت آخرت را و خدا غالب با حکمت است، اگر نبودے حکم خدا پیشے گرفتہ میرسید بشما در آنچہ گرفتید عذاب بزرگ"۔

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"نہ چاہیئے نبی کو کہ اس کے یہاں قیدی آویں جب تک نہ خون کرے ملک میں، تم چاہتے ہو جنس دنیا کی، اور اللہ چاہتا ہے آخرت اور اللہ زور آور ہے، حکمت والا ہے۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جو لکھ چکا اللہ آگے تو تم کو آپڑتا اس لینے میں بڑا عذاب"۔

اس آیت کے نزول کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ ——— "جنگ بدر[۲۲۰] میں مشرکین کے ستر آدمی

مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں پر احسان کیا جائے اور کچھ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس سے ہم کو مالی قوت بھی حاصل ہوگی اور پھر یہ بھی امید ہے کہ کسی دن یہ لوگ راہ راست پر آجائیں گے اور اسلام قبول کرلیں گے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے ان کے فدیہ سے آپ کو مستغنی کر دیا ہے اور یہ سب آئمہ کفر اور سرداران مشرکین ہیں اگر ان کو یہیں تہ تیغ کر دیا جائے تو کفر کی بڑی طاقت ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے جس کا جو عزیز قریب ان میں ہو وہ اس کے حوالے کیا جائے اور وہی اس کی گردن مارے۔ میرا فلاں عزیز میرے حوالہ کر دیا جائے۔ علیؓ کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں، اور حمزہؓ کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں دیا جائے اور ہم خود اپنے ان عزیزوں کو قتل کریں رحمۃ للعٰلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند نہیں کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ کو اختیار فرمالیا، اور ان تمام قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دیا"— اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا مناسب نہ تھا ان کو تہ تیغ ہی کر دینا چاہیئے تھا۔"

یہ واقعہ (مفصلاً و مختصراً) حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کتب مختلفہ میں مروی ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت مسند احمد[۳۵۰] اور صحیح مسلم[۳۵۱] اور سنن ابی داؤد[۳۵۲] میں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت جامع ترمذی[۳۵۳] تفسیر ابن جریر[۳۵۴] اور مستدرک حاکم[۳۵۵] میں (مع تصحیح کے) مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث کو حافظ ابو بکر بن مردویہ نے روایت کیا ہے (ذکرہ ابن کثیر[۳۵۶])۔ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت کا ذکر حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر[۳۵۷] میں کیا ہے۔

باوجود اختلاف الفاظ و عنوانات اتنی چیز بطور قدر مشترک کے ان تمام روایات سے نکلتی ہے کہ اس واقعہ میں زیادہ پسندیدہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کی رائے تھی اور یہی صریحاً

آیت محررہ بالا کا مفاد ہے پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا علم تفصیلی محیط اس وقت تک بھی حاصل ہوتا تو آپ اس رائے کو اختیار نہ فرماتے، جو حق تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہ تھی —— واضح رہے کہ غزوہ بدر ہجرت سے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ماہ رمضان میں ہوا ہے اور معراج کے متعلق یہ متفق علیہ ہے کہ وہ ہجرت سے کافی عرصہ پہلے ہوئی ہے۔"

بتیسویں آیت

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران ۱۳)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"نیست ترا ازیں کار چیزے یا مہربانی باز گردد بر ایشاں یا عذاب کند ایشاں را زیرا کہ ایشاں ستمگارند۔"

اور حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں"

صحیحین (بخاری ۳۵۸ و مسلم ۳۵۹) میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک روایت تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مروی ہے کہ غزوۂ احد میں جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شدید زخم آئے تو آپ چہرۂ مبارک سے خون صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ قوم کیونکر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا ہو اور اس کے دانت تک توڑے ہوں ایسے حال میں جب کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف بلا رہا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اور آپ کو بتلایا گیا کہ" ان لوگوں کی فلاح و عدم فلاح میں آپ کو کچھ دخل نہیں، خدا ان کو اسلام کی توفیق دے یا ان کو سزا دے۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس جنگ میں جو لوگ کفار کی طرف سے پیش پیش تھے اور لشکر

مشرکین کی کمان کر رہے تھے ان میں سے بھی بہت سے مشرف باسلام ہوئے اور بعض حالت کفر میں فی النار بھی ہوئے اور دوسری روایت اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیحین ہی میں یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سرکش کافروں "صفوان بن امیہ" اور حارث ابن ہشام" اور سہیل ابن عمر وغیرہ کا نام لے کر نماز فجر میں بددعا کرنی شروع کی اور چند روز تک کی بھی تو اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی اور آپ کو بتلایا گیا ہے کہ ان کے انجام کے معاملہ میں آپکو دخل نہیں خداوند تعالے یا ان کو توفیق ہدایت دے یا ان کی بدکرداریوں کی سزا دے ——— تو حضرت نے بددعا کرنی ترک فرمادی ——— اور ——"صفوان بن امیہ" وغیرہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام بھی ہوگئے" ——— ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں واقعے قریب ہی قریب کے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان دونوں واقعوں پر آیت کا نزول ہوا ہو۔ بہرکیف اتنی بات دونوں میں مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض کافروں کے بدانجام کے متعلق کچھ فرمایا اور حق تعالیٰ کے علم ازلی اور اس کی مشیت میں وہ مناسب نہ تھا کیونکہ ان میں سے بعض بالآخر ایمان لانے والے تھے اس لئے اس آیت کے ذریعے آپ کو اس سے روک دیا گیا۔ پس اگر حضرت کو اس وقت تک بھی جمیع ماکان ومایکون کا علم ہوتا تو وہ کلمات آپ کی زبان اقدس سے نہ نکلتے جو مشیت الٰہی کے مواقف نہ تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ واقعہ اواخر ۳ھ ہجری کا ہے۔

تینتیسویں آیت

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا

۱؎ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بھی اس غزوہ میں مسلمانوں کے خلاف خوب داد شجاعت دی تھی بلکہ کافروں کی شکست کو انہی کی بہادری نے فتح سے بدلا تھا اور بالآخر حق تعالے نے ہدایت کی توفیق دی اور وہ کارنامے کئے جن کی یاد آج تک تاریخ اسلام میں تازہ ہے ۱۲ م

تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ہر آئینہ ما فرو در آوردیم بسوئے تو کتاب را براستی تا حکم کنی میاں مردماں بانچہ شناسا ساختہ است ترا خدا مباش خصومت کنندہ برائے حمایت خیانت کنندگان و آمرزش خواہ از خدا ہر آئینہ خدا ہست آمرزندہ مہربان، وخصومت مکن از جانب آنانکہ خیانت میکنند با جنس خویش، ہر آئینہ خدا دوست نمی دارد آنرا کہ باشد خیانت کنندہ گنہگار"

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"ہم نے اتاری تجھ کو کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو سمجھاوے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو دغا باز گنہگار"

اس آیت کا جو شان نزول امام ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، اور حاکم نے روایت کیا ہے اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ:۔

مشہور صحابی قتادہ بن النعمان کے چچا جناب "رفاعہ" (رضی اللہ عنہما) کے مکان میں نقب لگا کر چوری کی گئی، جس میں کچھ کھانے کا سامان اور کچھ ان کے ہتھیار چوری کیے گئے تفتیش سے بالیقین معلوم ہوا کہ یہ حرکت "بنو ابیرق" کی ہے "قتادہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا ماجرا آپ کو سنایا اور یہ بھی عرض کر دیا کہ ہم کو تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ کارروائی بنو ابیرق کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ کم از کم ہمارے ہتھیار ہی ہم کو واپس مل جائیں حضور نے توجہ فرمانے کا وعدہ فرمایا۔

جب بنو ابیرق کو اس کا پتہ چلا تو آپس میں سازش کر کے وہ لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور! قتادہ اور اس کے چچا رفاعہ نے ہمارے بعض آدمیوں پر

(جو مسلمان اور اہل صلاح ہیں) بلا گواہ اور بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے
—— "قتادہؓ" فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور
میں نے کچھ عرض کیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا تم نے بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے ایسے لوگوں پہ
چوری لگائی ہے جن کو مسلمان اور صالح بیان کیا جاتا ہے —— "قتادہ" کہتے ہیں کہ مجھے
بہت افسوس ہوا کہ کاش میں اس معاملہ میں حضورؐ سے کچھ بات ہی نہ کرتا اور میں نے
اپنے چچا کو حضورؐ کا یہ جواب بتلا دیا۔

ان کی زبان سے نکلا " اللہ المستعان " پس اسی وقت یہ آیتیں حضرت
پر نازل ہوئیں —— (ملخصاً من الدر المنثور ص۲۱۶ جلد ۲)

اور معالم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو شان نزول
مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ :۔

" اسی واردات میں اصل چور (طعمہ بن ابیرق) نے چوری کا سامان ایک یہودی
(زید بن سمین) کے یہاں رکھوا دیا جب تفتیش سے کسی طرح یہ معلوم ہوا کہ مال
مسروقہ یہودی کے یہاں ہے اور اس سے اس بارے میں بات کی گئی تو اس نے
صاف کہہ دیا کہ میرے پاس یہ چیزیں "طعمہ ابن ابیرق" نے رکھی ہیں جب یہ راز کھلنے
لگا تو بنو ابیرق سازش کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور طعمہ کی برات اور
یہودی کے اصل چور ہونے کی گواہی دی حضور نے ان کی شہادت کے اعتماد پر
"طعمہ" کو بری اور اس یہودی کو چور ٹھہرایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جن میں آپکو
بتلایا گیا کہ آپ ان خائنوں اور دغا بازوں (بنو ابیرق) کی حمایت اور انکی طرف
سے جواب دہی نہ کریں اور (قتادہ کی بات کو غلط خیال کرنے یا یہودی کو چور
سمجھنے میں آپ سے جو بلا قصد اجتہادی لغزش ہو گئی ہے اس پر) خدا
سے استغفار کریں "

بعض تفسیری روایات میں یہی واقعہ کچھ معمولی سے فرق کے ساتھ بھی مذکور
ہے لیکن اتنی چیز تمام روایات میں مشترک ہے۔

"حضورؐ نے بعض لوگوں کے بیانات کے اعتماد پر اصلی چور کو بے قصور اور بری قرار دینے کا ارادہ فرما لیا تھا اور ان آیات میں اسی پر تنبیہ فرمائی گئی حالانکہ اگر اس وقت تک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم ہوتا تو آپ سے یہ اجتہادی لغزش نہ ہوتی اور یہ واقعہ ۴ھ کا ہے جیسا کہ ابن سعد کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔" (ملاحظہ ہو در منثور ج ۲ ص ۲۱۴)

"اگرچہ آیت ہذا سے ہمارا استدلال بالکل صاف ہے تاہم مزید توضیح اور تائید کے لیے بعض مفسرین کی عبارات بھی نقل کی جاتی ہیں۔

امام بغوی آیت ہذا کے آخری حصہ "واستغفر اللہ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں

مما هممت به من معاقبة اليهودی وقال مقاتل و استغفر الله من جدالك عن طعمة (معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۷۴)	مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہودی کو سزا دینے کا جو خیال کیا تھا اس سے استغفار کیجئے اور حضرت مقاتل نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آپ نے طعمہ کی طرف سے جو جوابدہی کی اس سے استغفار کیجئے۔

اور یہی بعینہ اس موقع پر علامہ علی بن محمد خازن نے لکھا ہے نیز یہی علامہ بعد کی آیت "وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ" کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:- لانك بنيت الامر "على ظاهر الحال وما خطر ببالك ان الامر على خلاف ذلك" (تفسیر خازن ص ۴۹۵)

"مطلب یہ ہے کہ ان دغا بازوں (بنو ابیرق) نے جو آپ کو غلط راستہ پر لگانا چاہا تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا کیونکہ آپ نے تو ظاہر حال پر معاملہ کی بنیاد رکھی تھی (اور انہی کی شہادتوں کی بنا پر طعمہ کو بری اور یہودی کو چور خیال کیا تھا) اور یہ بات تو آپ کے دل میں گزری بھی نہ تھی کہ اصل معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے (تو ایسی صورت میں اس کا وبال انہی پر ہوگا)"

اور یہی علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے ذیل میں "عصمت" کے مسئلے پر کلام کرتے

ہوئے اسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"ان قوم طعمة لما شهدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ببراءة طعمة من السرقة ولم يظهر في الحال الرسول الله صلى الله عليه وسلم ما يوجب القدح في شهادتهم هم بان يقضى على اليهودى بالسرقة"

"معنی طعمہ کی قوم نے حضورؐ کے سامنے طعمہ کے بری اور بے قصور ہونے کی شہادت دی اور فی الحال حضور کو ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی جو اُن کی شہادت کو مجروح کرتی تو آپ نے یہودی پر فرد جرم لگانے کا ارادہ فرمایا (کیونکہ مال مسروقہ اسی کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔")

اور علامہ خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ "واستغفر اللہ" کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں

"واستغفر الله[240] مما هممت به اى من الذب عنه" (تفسیر سراج منیر ج ۱ ص ۳۴۸[347])

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو طعمہ کی طرف سے جواب دہی کا خیال کیا اس سے استغفار کیجئے۔"

پھر یہی علامہ "وما يضرونك من شيء" کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

فان الله[241] عصمك وما خطر ببالك كان اعتماداً منك على ظاهر الامر[348] ايضاً[349]

"یہ دغاباز لوگ (بنوابیرق) اپنے عزائم مشؤمہ سے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے تھے کیوں کہ حق تعالیٰ عزوجل نے آپ کو معصوم کیا ہے اور (طعمہ کو بے قصور اور بری کرنے کا) جو خیال آپ کے دل میں گذرا تھا وہ ظاہر امر پر اعتماد کی وجہ سے تھا۔"

اور ابو السعودؒ[242] نے اپنی تفسیر[369] ج ۳ ص ۲۷۲ میں اور علامہ نسفی[243] رحمہ نے تفسیر[240] مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۹۵[170] میں بھی اس موقعہ پر قریب قریب یہی لکھا ہے۔

بہرحال مفسرین عظام کی ان تصریحات سے بھی یہ بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اصل حقیقت پہلے سے معلوم نہ تھی اور اسی لئے بنوابیرق کے کہنے سننے کی وجہ سے اصلی مجرم کو بری کرنے کا خیال آپ کو ہوا تھا جس پر آپ کو

حق تعالیٰ کی جانب سے (نہایت پیارے انداز میں) یہ تنبیہہ کی گئی اور پھر آپ کو اس کی حقیقت کی اطلاع بھی دے دی گئی۔ بہر کیف اس آیت اور اس کے متعلق مذکورہ بالا روایات اور مفسرین عظام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بالکل واضح ہے کہ آیت ہذا کے نزول تک آپ کو جمیع ماکان و مایکون کا تفصیلی علم حاصل نہ تھا اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ اور اس کے متعلق اس آیت کا نزول ۴ھ میں ہوا ہے۔

یہ آیت جس رکوع میں واقع ہے اس کے بعد والے رکوع میں اسی سلسلہ میں ایک آیت یہ بھی ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۝ اس آیت سے ہمارے مخالفین اپنے اس عقیدہ جمیع ماکان و مایکون پر بھی استدلال کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ یہ تمام آیات خود ان کے خلاف حجت ہیں۔ ہم انشاء اللہ ان کے اس استدلال پر پوری بحث حسب وعدہ کتاب ہذا کی دوسری جلد میں کریں گے جس میں ہم کو صرف ان کے دلائل پر تنقید کرنی ہے" واللہ الموفق"

چونتیسویں آیت

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (تحریم ع ۱)

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں

"اے پیغمبر چرا حرام میکنی چیزے را کہ حلال ساختہ است خدا برائے تو، مے طلبی خوشنودی زنان خود، و خدا آمرزگار مہربان است"

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر، چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔"

اس آیت کا شان نزول جو صحیحین (مسلم ج ۱ ص ۴۷۹، بخاری ج ۲ ص ۷۲۹) اور دیگر کتب حدیث میں بھی مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"آنحضرت[۲۷۳] صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ (حضرت زینب بنت جحش کے حجرہ میں جایا کرتے تھے اور وہ آپ کو شہد پیش کرتی تھیں (جو آپ کو مرغوب تھا) اور آپ اس کو نوش فرماتے تھے۔ بتقاضائے نسوانیت حضورؐ کی بعض دوسری ازواج مطہرات کو اس پر غیر معمولی رشک ہوا اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کے دہان مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو "مغافیر" نہیں کھایا ہاں زینب کے یہاں شہد ضرور کھایا ہے۔ ان زوجہ مطہرہ نے عرض کیا تو شاید اس شہد کی مکھیوں نے اسی درخت کے پھول سے وہ شہد لیا ہو جس سے مغافیر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد حضورؐ نے عہد فرما لیا کہ اب میں شہد نہیں کھاؤں گا اور گویا اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آپ کو اس عہد پر تنبیہ (منجانب اللہ) کی گئی اور آپ سے کہا گیا کہ "آپ اپنی بیویوں کی دلداری کے لیے کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں، جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے اور پھر "اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" کہہ کر آپ کو تسلی بھی دے دی گئی۔"

سنن نسائی وغیرہ کی ایک دوسری روایت میں اسی آیت کے شان نزول میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باندی "حضرت ماریہ قبطیہ" رضی اللہ عنہا کی تحریم کا[۲۷۴] واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے لیکن صحیح تر روایت صحیحین ہی کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

چنانچہ علامہ خازنؒ "لباب التاویل" میں فرماتے ہیں:۔

قال العلماء الصحیح فی سبب نزول الآیۃ انھا فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المرویۃ فی غیر الصحیحین ولم تات قصۃ ماریۃ من طریق صحیح قال النسائی اسناد حدیث عائشۃ فی العسل جید صحیح غایۃ (تفسیر لباب التاویل ج ۴ ص ۹۷)	حضرات علماء نے فرمایا کہ آیت کے شان نزول میں صحیح قول یہی ہے کہ وہ شہد کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے نہ کہ "ماریہ" کے اس قصہ میں جو غیر صحیحین میں مروی ہے اور وہ قصہ کسی صحیح طریق سے مروی نہیں امام نسائی خود فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے شہد والا جو واقعہ مروی ہے وہ بہت زیادہ صحیح ہے۔

ـــــ یہ ایک بدبودار گوند ہے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے قریب قریب وقوع میں آئے ہوں، اور ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو، جیسا کہ ائمہ تفسیر نے اصول تفسیر میں تصریح فرمائی ہے کہ بہت سی آیتیں کئی کئی واقعات کے متعلق بھی نازل ہوئی ہیں ۔۔ بہر کیف آیت ہذا کا نزول ان دونوں واقعوں میں سے خواہ کسی ایک میں ہوا ہو یا دونوں میں اتنی چیز بہر صورت متعین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج کی دلداری کیلیے کسی ایسی چیز کے ترک کرنے کا عہد فرمالیا تھا جو آپ کے لیے حلال تھی اور یہ بات حق تعالیٰ شانہ کی مرضی کے خلاف تھی پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی "جمیع ماکان ومایکون" کا علم ہوتا تو آپ ایسا اقدام نہ فرماتے اور واضح رہے کہ یہ واقعہ ۹ ھ ہجری کا ہے۔

پینتیسویں آیت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (بقرہ رکوع ۲۵)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :-

"وازمردماں کسے ہست کہ بشگفت مے آرد ترا سخن او درباب زندگانی دنیا و گواہ مے آرد خدا را برانچہ در دل دلیست حالانکہ او سخت ترین ستیزندگان است"

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

"اور بعضا آدمی ہے کہ خوش آوے تجھ کو بات اس کی دنیا کی زندگی میں اور گواہ پکڑتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے"

علامہ علی بن محمد خازن اس آیت کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

نزلت فی الاخنس بن شریق الثقفی (۲۷۵) وکان یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویجالسہ ویظھر

یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ کے پاس بیٹھتا تھا اور اپنے

الاسلام ویقول انی لاحب ویحلف باللہ علی ذلک وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدنی مجلسہ وکان الاخنس منافقا فنزل فیہ " وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ - ای یسروک وتستحسنہ ویعظم فی قلبک الخ

تفسیر لباب التاویل صـ ۱۶۱ ج ۱ [۳۷۵]

کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اور حضورؐ سے بہت زیادہ اظہار محبت کیا کرتا تھا اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو اپنے قریب بٹھاتے تھے اور در حقیقت وہ منافق تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ومن الناس من یعجبک الخ یعنی اے رسول! لوگوں میں بعضا آدمی وہ ہے جس کی بات آپ کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ اسکو اچھا سمجھتے ہیں، اور آپ کے دل میں اس کی عظمت ہے (حالانکہ فی الحقیقت وہ بڑا شریر بڑا فسادی اور بڑا مغرور ہے)

علامہ بغوی [۳۷۵] رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کے ذیل میں بالکل یہی لکھا ہے (معالم التنزیل [۳۷۶] صـ ۱۶۱ ج ۱)

اور علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ "ومن الناس من یعجبک قولہ" کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں

ای ومنھم من یروقک کلامہ ویعظم موقعہ فی نفسک الخ

(تفسیر ابو السعود [۳۷۷] صـ ۴۹۱ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ بعضا آدمی وہ ہے جس کی بات اے رسول! آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ کے دل میں اس کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے (حالانکہ وہ بڑا شریر ہے)

اور اسی کے مثل علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ (مدارک التنزیل [۳۷۸] صـ ۸۱ ج ۱)

اور قریب قریب یہی الفاظ اس موقع پر علامہ معین بن صفی کے بھی ہیں (تفسیر جامع البیان صـ ۲۸)

اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں:۔

وھو الاخنس [۳۷۹] بن شریق کان منافقا حلو الکلام للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یحلف انہ مومن بہ ومحب لہ فیدنی مجلسہ فاکذبہ اللہ تعالی فی ذالک

تفسیر جلالین [۳۸۰]

(جس شخص کا اس آیت میں ذکر ہے) وہ اخنس بن شریق ہے وہ منافق تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی میٹھی میٹھی باتیں کیا کرتا تھا اور اپنے مومن اور عاشق رسول ہونے پر قسمیں کھایا کرتا تھا اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو اپنے قریب بٹھاتے تھے پس اللہ نے اسکو اس دعوائے ایمان و عشق میں جھوٹا قرار دیا۔"

آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ اور مفسرین عظام کی مندرجہ بالا تصریحات سے صاف ظاہر ہے

کہ جس منافق (اخنس بن شریق) کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اس کی بد باطنی کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے نزول تک نہیں ہوئی تھی اور آپ اس کی شیریں کلامی اور چکنی چپڑی باتوں سے متاثر تھے اور آپ کے نفس میں اس کی وقعت تھی۔ پس اگر اس وقت تک بھی آپ کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوتا تو اس منافق کے بارے میں آپ کو یہ دھوکا نہ ہوتا

اور تفسیر کبیر میں حضرت ابن عباس اور ضحاک سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے [۲۸۱-۲۸۲] کہ یہ آیت ان دغا بازوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضور سے درخواست کی تھی کہ ہم لوگ مسلمان ہوگئے ہیں آپ ہماری تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیج دیں چنانچہ حضور نے چند منتخب صحابہ کرام ان کے ساتھ کر دیئے جن کو ان لوگوں نے دغا دے کر "بطن رجیع" میں شہید کر ڈالا (تفسیر کبیر صفحہ ۱۸۴ ج ۲) ۔ اور یہ واقعہ ۴ سنہ ھ میں وقوع میں آیا تھا پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت ۴ سنہ ھ میں نازل ہوئی اور ہو سکتا ہے کہ آیت میں اخنس بن شریق اور یہ غدار لوگ (جنہوں نے غداری کر کے ان معلمین صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر ڈالا تھا) سب ہی مراد ہوں بلکہ یہ قرین قیاس ہے، واللہ اعلم،

چھتیسویں آیت

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ الآیۃ (سورہ منافقون ع ۱)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :۔

"وچون بہ بینی ایشاں را متعجب کند ترا ابدان ایشاں و اگر بگویند گوش نہی بسخن ایشاں"

اور حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

"اور جب تو دیکھے ان کو خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل، اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات :"

یہ آیت "سورۂ منافقون" کی ہے اور اس میں بعض خاص منافقین ہی کا ذکر ہے اس کے ذیل میں

امام بغوی اور علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہما "وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں " ای فتحسب انه صدق " (خازن معالم پ ۲۸ ج ۷)

اب آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ اے رسول! یہ منافق ایسے خوش منظر اور بظاہر معقول آدمی ہیں کہ جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ اس کو سچ سمجھیں۔

ظاہر ہے کہ جھوٹی بات کو سچ سمجھنا اسی صورت میں متصور ہے جب کہ سامع کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ آیت ہذا میں جن منافقین کا ذکر ہے ان کے باطن کا پورا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے نزول تک معلوم نہیں ہوا تھا حالانکہ وہ بھی " ماکان وما یکون " میں داخل ہے۔

اور صحیح بخاری شریف کتاب التفسیر میں سورہ منافقون کی ابتدائی آیات (جس میں آیت محولہ بالا بھی داخل ہے) کے نزول کا واقعہ حضرت زید بن ارقم کی روایت سے مذکور ہے اس کے متعلق سنن نسائی کی روایت میں تصریح ہے کہ وہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا (جو ۹ھ میں ہوا تھا) اور عام اہل سیر کا خیال یہ ہے کہ وہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق کا ہے (جو ۵ھ میں ہوا تھا) اسی اختلاف روایت کے ماتحت آیت مندرجہ بالا کے سنہ نزول میں بھی اختلاف رہا۔ پس نسائی کی روایت کی بنا پر اس کا نزول ۹ھ میں ہوا اور عام اہل سیر کے خیال کے مطابق ۵ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم

سینتیسویں آیت

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :۔

" وبعض اہل مدینہ خوگر شدہ اند بر نفاق تو نمے دانی ایشاں را ما میدانیم ایشاں را "

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

"اور بعضے مدینے والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو ان کو نہیں جانتا ہم کو معلوم ہیں"

اس آیت میں "مدینہ" کے بعض نہایت گہرے منافقین کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی منافقت اتنی گہری ہے کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو بھی ان کا پتہ نہیں بس ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔

علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

(لا تعلمهم) یعنی انهم بلغوا فی النفاق الی حیث انك لا تعلمهم یا محمد مع صفاء خاطرك و اطلاعك علی الاسرار۔ (تفسیر خازن ص۱۱۵ ج۲)[۲۸۵][۳۸۶]	یعنی وہ ایسے گہرے درجہ کے منافق ہیں، اور ان کا نفاق اتنا عمیق ہے کہ اے محمد! آپ بھی باوجود روشن دلی اور اطلاع اسرار کے ان کو نہیں جانتے۔

اور علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

(لا تعلمهم) ای یخفون علیك مع فطنتك وصدق فراستك لفرط تنوقهم فی تحامی ما یشککك فی امرهم..... (نحن نعلمهم) (تفسیر مدارک التنزیل ص۱۸ ج۲)[۲۸۶][۳۸۷]	(یعنی اے رسول!) باوجود کمال ذکاوت اور صحیح فراست کے آپ ان منافقین کو نہیں جانتے کیونکہ جو چیزیں ان کے معاملہ کو مشکوک کرنے والی ہیں وہ ان سے بے حد بچتے ہیں، اور اس میں خوب ماہر ہیں، (مگر) ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:۔

(لا تعلمهم) لا تعرفهم باعیانهم (نحن نعلمهم) ونطلع علی اسرارهم ان قدروا ان یلبسوا علیك لم یقدروا ان یلبسوا علینا۔ (تفسیر بیضاوی ص۳۰۱)[۲۸۷][۳۸۸]	(یعنی مطلب یہ ہے کہ اے رسول) آپ ان منافقین کو نہیں پہچانتے وہاں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم کو ان کی پوشیدہ باتوں کی اطلاع ہے وہ اگر آپ کو فریب دینے پر قادر ہو گئے تو ہم کو وہ فریب نہیں دے سکتے۔

اور قریب قریب یہی علامہ معین بن صفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ تفسیر جامع البیان ص۱۶۴[۳۸۹]

———— ظاہر ہے کہ مدینہ کے جن منافقین کا ذکر یہاں کیا گیا ہے ان کا نفاق اور ان کے

دوسرے ظاہری و باطنی احوال سب ہی "ماکان و مایکون" میں سے ہیں لیکن اس آیت میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی منافقت اور منافقانہ ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا پس معلوم ہوا کہ آیت ہذا کے نزول تک حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا اور یہ آیت "سورۂ توبہ" کی ہے جس کے متعلق مفسرین کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تمام سورتوں سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔

اڑتیسویں آیت

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"عفو کناد خدا از تو چرا دستوری دادی ایشاں را منع اذن تا آں وقت بود کہ ہویدا شدند راست گویاں و بدانی دروغ گویاں را۔

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اللہ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دی تو نے ان کو جب تک معلوم ہوتے تجھ پر جنہوں نے سچ کہا اور جانتا تو جھوٹوں کو۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا اور اس کے لیے نفیر عام ہوئی تو منافقین نے آ آ کر مختلف قسم کے عذر پیش کئے اور اپنی مجبوریاں بیان کیں، اور اس غزوہ میں نہ جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے ان سب کو اجازت دے دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ سے عتاب آمیز مگر نہایت پیارے انداز میں کہا گیا ہے کہ۔ آپ نے ان کے اعذار کا سچ اور جھوٹ معلوم ہونے سے پہلے کیوں ان کو اجازت دے دی۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وکان صلی اللہ علیہ وسلم اذن — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد

لجماعةٍ فی التخلف باجتهاد منه فنزل عتابًا له وقدم العفو تطمینا لقلبه (عفا الله عنك لم اذنت لهم) فی التخلف وهلا ترکتهم (حتی یتبین لك الذین صدقوا) فی العذر (وتعلم الکٰذبین)

(تفسیر جلالین[390] ص۱۵۸)

سے ایک جماعت (منافقین) کو (غزوۂ تبوک سے) رہ جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اسی کے عتاب میں یہ آیت نازل ہوئی اور آپ کی تسلی کے لئے معافی کے اعلان کو مقدم کر کے اس طرح فرمایا گیا (اللہ نے آپ کو بخش دیا، کیوں آپ نے ان کو رہ جانے کی (اجازت دے دی) اور کیوں نہ اُن کے معاملہ کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھا (جب تک کہ آپ کو سچے عذر والوں اور جھوٹے عذر والوں کی تحقیق ہو جاتی ہے)

اور علامہ معین بن[290] صفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کے قریب قریب[391] تحریر فرمایا ہے (جامع البیان ص۱۵۸)

اور علامہ ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

کانه قیل لم سارعت الی الاذن لهم وهلا تانیت حتی ینجلی الامر کما هو قضیة الحزم۔

(تفسیر ابوالسعود[392] ص۱۳۳ جلد ۵)

گویا آپ سے کہا گیا کہ آپ نے (ان منافقوں کو) اجازت دینے میں کیوں اتنی جلدی کی اور کیوں اتنا توقف بھی نہ کیا کہ اصل معاملہ آپ کو کھل جاتا جیسا کہ دور اندیشی کا مقتضا تھا۔

اور علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

معناه مالك اذنت لهم فی القعود عن الغزو وحین استاذنوك واعتلوا لك بعللهم وهلا استانیت بالاذن (حتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ) مدارک التنزیل[393] ص۹۸ ج۲

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو کیا ہوا تھا کہ آپ نے اُن کو غزوہ سے رہ جانے کی اجازت دے دی۔ جب کہ انہوں نے اجازت چاہی اور حیلے کئے، اور کیوں نہ آپ نے اتنا توقف کیا کہ آپ کو انمیں سچے اور جھوٹے معلوم ہو جاتے۔

اور اسی کے قریب قریب[394] قاضی بیضاوی[395] رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے تفسیر بیضاوی ص۲۹۲

آیت کے ظاہری الفاظ اور اس کے ذیل میں مفسرین کرام کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعذار کی بنا پر غزوہ سے

رہ جانے کی اجازت دی تھی ان کے اعذار کا سچ اور جھوٹ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت معلوم نہ تھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خاص اسی آیت کے ذیل میں مروی ہے فرمایا

لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرف المنافقین یومئذ معالم التنزیل ص۲۹۵ ج۳	اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو پہچانتے نہ تھے۔

اور واضح رہے کہ یہ آیت ۹ سنہ ہجری کی ہے کیونکہ غزوہ تبوک اسی سنہ میں ہوا ہے

انتالیسویں آیت

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن ع ۸)

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"وہر آئینہ فرستادیم پیغمبران را پیش از تو از ایشاں کسے ہست کہ قصہ اش خواندہ ایم بر تو واز ایشاں کسے ہست کہ قصہ اش نخواندہ ایم بر تو۔"

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

"اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے کوئی ان میں ہیں کہ سنایا تجھ کو ان کا احوال اور کوئی ہیں کہ نہیں سنایا۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ رسولوں میں بھی کچھ ایسے ہیں کہ جن کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمایا گیا اور آپ کو ان کے حالات کی اطلاع نہیں دی گئی امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

بعث اللہ عبداً حبشیا نبیا فھو ممن لم یقص علی محمد (	اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک حبشی بندہ کو نبی بنا کر بھیجا تھا اور وہ ان نبیوں میں سے ہیں جن کا قصہ

صلی اللہ علیہ وسلم (درمنثور و کنز العمال ۲۹۶ ، ۲۹۷ ، ص ۱۹۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا گیا۔

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

ای منهم من اوحینا الیك خبرهم وقصصهم مع قومهم كیف كذبوهم ثم كانت للرسل العاقبة والنصرة ومنهم من لم نقصص علیك وهم اكثرهم ممن ذكر باضعاف اضعاف ۔ (۲۹۶)	یعنی رسولوں میں سے کچھ وہ ہیں جن کی خبر بذریعہ وحی کے ہم نے (اے رسول) تم کو دی ہے اور بتلایا ہے کہ ان کو اپنی قوموں کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔ کیسے ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی پھر کس طرح انجام کار ان کی کامیابی اور نصرت ہوئی اور رسولوں میں سے ایسے بھی ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور وہ ان سے اضعاف مضاعف بدرجہا زیادہ ہیں کہ جن کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔
(تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۴)	

اور علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

ای ولم نذكر لك حال الباقین (۲۹۷)	یعنی باقی رسولوں کا حال ہم نے آپ سے نہیں بیان کیا۔
(تفسیر خازن ص ۳۹۹ ج ۲)	

اور بالکل یہی الفاظ اس موقع پر امام رازی علیہ الرحمۃ کے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۲۹۸ ج ۷)

اور خطیب شربینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت کے اسی حصہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(ومنهم من لم نقصص علیك) لا اخبارهم ولا اخبار اممهم ولا ذكرنا هم لك باسمائهم وان كان لنا العلم التام والقدرة الكاملة (۲۹۹)	(اور رسولوں میں سے ایسے ہیں کہ نہیں بتلائے ہم نے تم کو) یعنی نہ تو ان کے اور ان کی امتوں کے حالات ہم نے آپ کو بتلائے اور نہ ان کے نام آپ سے ذکر کئے اگرچہ خود ہم کو پورا علم اور کامل قدرت حاصل ہے۔
(تفسیر سراج منیر ص ۲۹۸ ج ۴)	

آیت مندرجہ بالا اور اس کے تحت مفسرین کرام کی مذکور شدہ تصریحات سے ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال ،

(بلکہ ان کے اسمار گرامی سے بھی) مطلع نہیں فرمایا گیا۔
یہ آیت کریمہ اگرچہ مکی ہے لیکن بالکل اسی کے ہم معنی آیت جو ذیل میں ہم درج کررہے ہیں وہ مدنی ہے پس معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں بھی رہا۔ واللہ اعلم

چالیسویں آیت

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ (نساء ع ۲۳)

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:۔
"وچنانکہ فرستادیم پیغمبرانے کہ قصہ ایشاں گفتہ ایم بر تو پیش ازیں وپیغمبرانے کہ قصہ ایشاں نہ گفتہ ایم بر تو۔"
اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔
"اور کتنے رسول جن کا احوال سنایا تجھ کو آگے اور کتنے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو"
—— جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا یہ آیت بھی پہلی آیت کے ہم معنی ہے اور اس کا مفاد بھی یہی ہے کہ بعض انبیائے علیہم السلام کا حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا ہے اور بعض کا نہیں بیان کیا گیا۔
چنانچہ مفسر القرآن علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

(وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ) ای لم نسمهم لك ولم نعرفك اخبارهم۔ (تفسیر خازن صفحہ ۵۱۹ ج ۱ [۴۰۲])

یعنی مطلب یہ ہے کہ کچھ پیغمبر ہمارے وہ ہیں کہ (اے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو ان کے نام نہیں بتلائے اور ان کے حالات کی اطلاع بھی نہیں دی۔

حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضیٰ) کا جو قول بروایت طبرانی وابن مردویہ پہلی آیت کے ذیل میں ہم درج کر چکے ہیں وہ (بروایت ابن ابی حاتم) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی منقول ہے۔ (کما فی الدر المنثور صفحہ ۲۴۷ ج ۲ [۴۰۳])

ان آیات میں مخالفین کی تاویلات

ابتدا سے تیسویں آیت تک ہم نے یہ التزام کیا تھا کہ مخالفین کی طرف سے ان آیات کی جو تاویلات کی جاتی ہیں، یا کی جاسکتی ہیں ان کا رد بھی ساتھ ہی ساتھ کر دیا جاتا تھا لیکن اس کے بعد جو دس آیتیں اب تک پیش ہوئیں ان کے متعلق ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ جس مدعی علم غیب فریق کے مقابلہ میں ان آیات کو ہم نے پیش کیا ہے ان کی طرف سے ان آیات کی کوئی قابل اعتناء اور لائق سماعت تاویل نہ کی گئی ہے، نہ کی جاسکتی ہے۔

پہلی چار (اکتیسویں سے چونتیسویں تک) آیات کا تعلق واقعات سے ہے جن کو کسی تاویل و توجیہ سے نہیں بدلا جاسکتا اور بعد کی چار اور آیتیں بھی اپنے مضمون کی مخصوص نوعیت کے لحاظ سے بالکل ہی ناقابل تاویل ہیں جیسا کہ ہر ناظر بادنیٰ توجہ سمجھ سکتا ہے — البتہ آخری دو متحد المعنیٰ آیتیں جو ابھی مذکور ہوئیں ان کے متعلق ہمارے مخالفین کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی اپنے مایۂ ناز رسالہ "الکلمۃ العلیا مذا" پر ان آیتوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آیت شریفہ کی یہ مراد ہے کہ ہم نے بواسطہ وحی جلی کے قصہ نہیں کہا — یہ علم نہ ہونے کی دلیل نہیں۔"

اس لئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بواسطہ وحی خفی کے اس پر مطلع فرمایا ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۰ میں فرماتے ہیں:-

"ھذا الاینا فی قولہ تعالیٰ (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ) لان

المنفی ھو التفصیل والثابت ھو الاجمال، او النفی مقید بالوحی جلی والثبوت متحقق بالوحی الخفی۔"

"(یعنی) ہمارے حضرت سیدنا و مولٰنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں، پس ہمارے حضرت کا انبیاء کی تعداد بتانا آیت کے منافی نہیں اس لئے کہ آیت میں نفی تفصیل کی ہے اور اجمال ثابت ہے، یا آیت کی نفی وحی جلی کے ساتھ مقید ہے اور ثبوت وحی خفی سے متعلق ہے"

ناظرین کرام نے اگر مولوی نعیم الدین صاحب کی اس عبارت کو بغور ملاحظہ فرمایا ہوگا تو وہ خود ہی سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں انہوں نے کس قدر سطحی مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے تاہم ان کے اس مغالطہ کی حقیقت ہم کو بھی ظاہر کرنی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض روایات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار، اور رسولوں کا تین سو پندرہ (اور بعض دیگر روایات میں اس سے کم و بیش بھی) وارد ہوا ہے۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ "مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" کا مفاد یہ ہے کہ بعض پیغمبروں کی اطلاع حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دی گئی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں کے عدد کی تعیین کیسے فرما سکتے ہیں؟ اس کا پہلا جواب تو علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ

"آیت قرآنی میں جو نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان انبیاء کی تفصیل یا ان کے تفصیلی حالات ہم نے نہیں بتلائے اور حدیث سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعداد کا اجمالی علم تھا اور ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس جواب میں اس کو تسلیم کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام کی تفصیل اور ان کے مفصل و مکمل حالات معلوم نہ تھے ـــــــ لیکن اس کے باوجود بھی مولوی نعیم الدین صاحب انکو

اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ سمجھ کر ان کی عبارت پیش کر رہے ہیں یا تو انہوں نے اپنے ناظرین کرام کو بالکل احمق سمجھ لیا ہے یا وہ خود ہی اس مرض کے مریض ہیں۔

دوسرا جواب علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شبہ کا یہ دیا کہ

"لم نقصص" کی نفی کو وحی جلی سے مقید کیا جائے اور حدیث مثبت کے متعلق یہ کہا جائے کہ پیغمبروں کا عدد حضورؐ کو بذریعہ وحی خفی معلوم ہو گیا۔

علامہؒ نے اس دوسرے جواب میں جس امر کے متعلق یہ مانا ہے کہ وہ آپ کو وحی خفی سے معلوم ہو گیا تھا وہ صرف انبیاء علیہم السلام کا عدد ہے کیونکہ حدیث سے صرف اسی کا ثبوت ہوتا ہے

بہر حال ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ کسی طرح نہیں معلوم ہوتا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی خفی کے ذریعہ سے ان پیغمبروں کے اسماء گرامی اور تفصیلی احوال بھی بتلائے گئے ہوں جن کے متعلق قرآن پاک میں "منهم من لم نقصص عليك" فرمایا گیا ہے پس مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ جواب محض مغالطہ اور خالص سفسطہ ہے جو اُن کے سادہ لوح مریدین و معتقدین پر شاید اثر انداز ہو سکے۔

اہل بدعت کے غیبیہ عقیدہ کے رد میں یہاں تک ہم چالیس آیات پیش کر چکے ان میں سے پہلی تیس تو تمام مدعیان علم غیب پر حجت ہیں اور آخری دس صرف ان لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں جو حضور علیہ السلام کے لئے یوم ولادت یا لیلۃ الاسراء سے "جمیع ماکان و مایکون" کا علم محیط ثابت کرتے ہیں۔ لیکن اگر خارجی دلائل و قرائن سے کام لیا جائے تو ان دس میں سے بھی اکثر کو پہلی فہرست میں داخل کیا جا سکتا ہے لیکن ہم نے قیل و قال سے بچنے، اور بحث کو مختصر کرنے کے لئے ان کو دوسری فہرست میں داخل کیا ہے۔

قرآن مجید میں ابھی اور بھی آیتیں ایسی باقی ہیں جن میں ہمارے استدلال کے لئے کافی گنجائش ہے لیکن اس وقت ہم ان چالیس ہی پر اکتفا کرتے ہیں، اور اپنی کتاب کے باب اول کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اس باب کو جلد اول کا پہلا حصہ قرار دیتے ہیں "اللهم لك الحمد في الاولى والاخرة والمسئول منك الهداية في البداية والنهاية"

ایک آخری تنبیہ

اس رسالہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کے متعلق جو بحث کی گئی ہے اس کا تمامتر تعلق صرف اہلبدعت کے خانہ ساز عقیدہ "علم غیب کلی" یا "علم جمیع ماکان و مایکون" ہی سے ہے اس کو اس پر محمول کرنا کہ معاذ اللہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کی تنقیص مقصود ہے انتہائی بے ایمانی اور اعلیٰ درجہ کی شیطنت ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد کمال علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی درجہ ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر اللہ تعالیٰ نے جو علوم و معارف آپ کو عطا فرمائے وہ بحیثیت مجموعی کسی دوسرے رسول، اور کسی مقرب ترین فرشتے کو بھی عطا نہیں ہوئے آپ ہی ہیں وہ جن کے متعلق خدا کی مقدس کتاب نے شہادت دی:۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ( )　　اللہ نے آپ کو وہ علم سکھائے جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھے اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

آپ ہی وہ ہیں جن کے متعلق کتاب الٰہی کا بیان ہے۔

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى　　خدا نے اپنے بندہ کے دل میں ڈال دیا جو ڈال دیا۔

آپ ہی معارف الٰہیہ کے آخری معلم اور علوم ربانیہ کے آخری مبلغ لیکن با ایں ہمہ آپ کے علوم کو علوم الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو ایک مخلوق کو خالق سے ہو سکتی ہے نیز آپ کے علم کی اس غیر معمولی بلکہ بےنظیر وسعت کی وجہ سے "جمیع ماکان و مایکون" کا عالم بھی آپ کو نہیں کہا جا سکتا کیونکہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی اس کے خلاف ناطق ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ پس ان سے روگردانی اور سرتابی کر کے آپ کو "عالم الغیب" یا "عالم جمیع ماکان و مایکون" ماننا محبت نہیں بلکہ معصیت اور موجب قربت نہیں خطرناک بغاوت ہے، رسول اللہ، روحی و قلبی فداہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد کریم ہے۔

لا تطروني كما اطرت النصارى عيسى بن مريم انما انا عبد الله ورسوله فقولوا عبده ورسوله　　تم مجھکو حد سے نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا ہیں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول پس مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

احقر عباد اللہ **محمد منظور النعمانی** عفا عنہ مولاہ

قائلین علم غیب سے آخری اپیل

اگر آپ لوگوں نے اس رسالہ کو ملاحظہ فرمایا ہے تو آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا عقیدہ اور آپ کے "عالم جمیع ماکان ومایکون" ہونے کا خیال قرآن عزیز سے کیسی کھلی بغاوت ہے ——— کیا اس کے بعد بھی آپ کو یہ مغالطہ ہے کہ آپ محبِ رسول ہیں؟ ——— کیا آپ کی لائی ہوئی مقدس کتاب کی مخالفت اور اس کھلی آیات سے سرتابی کے بعد بھی آپ اپنے کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فدائی سمجھتے ہیں؟ ——— اور یہ امید رکھتے ہیں کہ اس محبت و فدائیت کی وجہ سے حضور ہماری شفاعت فرمائیں گے اور ہم سیدھے جنت میں چلے جائیں گے؟

کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ تارکینِ قرآن قیامت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدعا علیہ ہوں گے اور ان پر سرکار رسالت کی طرف سے عدالتِ خداوندی میں یہ سنگین دعویٰ ہوگا کہ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (سورہ فرقان ع ۳)	اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے (آپ کے بھیجے ہوئے اور میرے لائے ہوئے) اس مقدس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

قرآن کی حجت آپ حضرات پر قائم ہو چکی، چالیس آیتیں اس عقیدۂ باطلہ کے خلاف ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیں، اور آپ کے مولوی صاحبان جو لاطائل تاویلیں اور رکیک بحثیں ان میں کیا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں ان کا بھی بقدر کافی رد دلائل ہی کی روشنی میں ہم کر چکے ——— اور خدا جانتا ہے کہ یہ سب کچھ نہ تو جماعتی عصبیت کی وجہ سے کیا گیا ہے نہ اپنے اساتذہ اور اکابر کے عقیدہ کی بیجا حمایت کے لیے بلکہ صرف احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی غرض سے ———

حق تعالےٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور آپ کو رجوع الی الحق کی توفیق دے ——— وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ؕ

قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ

ناشر
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بوارق الغیب علی من یدعی لغیر اللہ علم الغیب

حصہ دوم

مسئلہ "علم غیب" و "علم جمیع ماکان و مایکون" احادیث نبویہ کی روشنی میں!

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود .. گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

کسی مسئلہ کا اطمینان بخش اور قطعی و آخری فیصلہ حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑی حجت حدیث نبوی ہے۔ اور ہم کو حکم ہے کہ اپنے نزاعات میں حضرت حق جل مجدہ کے بعد بارگاہ رسالت کی طرف رجوع کریں اور اسی دربار سے آخری فیصلہ لیں۔ کہ وہ فیصلہ بھی خدا ہی کا فیصلہ ہے۔ "ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" خود کتاب الٰہی نے ہمارے لئے دستور مقرر کیا ہے۔ کہ:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (القرآن پ۵ نساء ع ۸)

پس اگر تم لوگوں میں کسی بارے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ کر دو اور وہیں سے اس کا فیصلہ چاہو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر ہے اور اسی کا انجام خوشتر ہے۔

پھر جب اس دربار سے کوئی فیصلہ صادر ہو جائے تو مومن کا کام نہیں کہ اس سے سرتابی کرے یا اس میں شک بھی لائے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ

اور کسی ایمان وار مرد اور ایماندار عورت کے لئے گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو اللہ اور اس کے

وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (پ۲۲ احزاب ع۵) رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

بلکہ ایمانِ صادق کی نشانی ہی نہیں، بلکہ اس کا رکن رکین یا اس کی اولین شرط ہی یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت سے جو فیصلہ صادر ہو اس کے سامنے قطعی طور پر سرِ تسلیم خم کر دیا جائے اور نہ صرف سر ہی خم کیا جائے بلکہ قلب بھی بلا تردد اور کسی تنگی کے اس کے لئے جھک جائے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (پ۵ نساء ع۹)

(القرآن)

(اور اے رسول) تمہارے رب کی قسم یہ مدعیان ایمان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ بات نہ پیدا ہو کہ یہ اپنے نزاعات کا تصفیہ آپ سے کرائیں۔ اور آپ جو فیصلہ کر دیں تو یہ اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں۔ اور پورے طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔

بہرحال بحیثیت مومن ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ اپنے نزاعات کا فیصلہ دربارِ رسالت سے کرائیں اور پھر وہاں سے جو ارشاد ہو اسی پر اپنے ایمان و ایقان کی بنیادیں استوار کر دیں کہ اسی میں حیات اور اسی سے نجات ہے۔

اس لئے زیرِ بحث نزاعی مسئلہ "علم غیب و علم جمیع ما کان وما یکون" کا فیصلہ بھی ہم نے اسی دربار سے حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس کی ایک قسط تو وہ تھی جو پہلے حصہ میں صرف قرآن پاک سے پیش کی گئی۔ اس کے بعد احادیث نبویہ کے اس مختصر ذخیرہ سے جس حد تک اس عاجز کی دسترس ہو سکی ہے منفرق اوقات اور منتشر مگر تنگ فرصتوں میں جو کچھ جمع کیا جا سکا ہے۔ وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

منشارِ نزاع کی تعیین اور فریقین کے دعوے کی تنقیح پہلے حصہ میں بقدر کافی کی جا چکی ہے۔ ناظرین کرام اس کو ملحوظ رکھیں۔ اور اہلِ سنت کے حدیثی اولہ ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ حصہ اول میں آیاتِ قرآنیہ کی توضیح اور ان سے اپنے استدلال کی تائید

میں جو احادیث و آثار و اقوال ائمہ مفسرین نقل ہو چکے ہیں۔ ان کی تعداد دو سو ساٹھ ہے۔ اور ان کے حوالوں کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہنچی تھی۔ آئندہ اسی حساب سے نمبر شمار ہوں گے۔

حدیث نمبر (۱) لغایت نمبر ۱۰

صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر کتب حدیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے حضرت جبرائیل اور اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک مکالمہ مروی ہے جو عرف علما میں "حدیث جبرئیل" کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ اس کا اجمالی ذکر کتاب ہذا کے حصہ اول ص۵ پر پندرہویں آیات کے ذیل میں بھی کیا جا چکا ہے۔ اور وہاں تفصیل کو حصہ دوم پر محوّل کر دیا گیا تھا۔ چوں کہ یہ حدیث پاک اپنی اہمیت اور جامعیت کی وجہ سے "ام السنۃ" کہی جاتی ہے۔ اور اس کی اسی خصوصیت کے پیش نظر امام مسلم اور امام بغوی جیسے جلیل القدر محدثین نے اپنی کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے۔ اس لئے ہم بھی اس سلسلہ کا آغاز اسی مقدس حدیث سے کرتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور یہ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ یہاں ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ درج کرتے ہیں جسکی تخریج امام بخاری و امام مسلم دونوں نے کی۔

عن ابی ھریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارزًا یومًا للناس فاتاہ رجل فقال ما الایمان قال الایمان ان تومن باللہ وملائکتہ وبلقائہ ورسلہ وتومن بالبعث۔ قال ما الاسلام قال الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ وتقیم الصلٰوۃ وتودی الزکوٰۃ المفروضۃ

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یکایک آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ "ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور (آخرت میں) اس کے سامنے پیش ہونے پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین کرو۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ — آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز کو قائم کرو۔ اور فریضہ

وتصوم رمضان قال ما
الاحسان قال ان تعبد الله
كانك تراه فان لم تكن
تراه فانه يراك . قال
متى الساعة قال ما المسئول
عنها باعلم من السائل
وساخبرك عن اشراطها
اذا ولدت الامة
ربتها واذا تطاول
رعاة الابل البهم
فى البنيان فى خمس لا
يعلمهن الا الله ثم
تلا النبى صلى الله
عليه وسلم ان الله
عنده علم الساعة
الآية ـــــ ثم ادبر
فقال ردوه فلم يروا
شيئاً فقال هذا جبريل
جاء يعلم الناس دينهم
صحيح بخارى كتاب الايمان
باب سوال جبرئيل
(عليه الصلوٰة والسلام)۔
النبى صلى الله عليه و

زکوٰۃ کو ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو۔
پھر اس شخص نے عرض کیا کہ احسان کیا چیز ہے ؟
آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت (خشوع اور خلوص
سے) اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔
سو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔
پھر اس شخص نے عرض کیا کہ قیامت کب ہے ۔
آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ بات پوچھی جا رہی ہے
وہ خود سائل سے زیادہ (اس بات کو) نہیں جانتا۔
اور میں تم کو اس کی علامتیں بتائے دیتا ہوں۔ جب
لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب سیاہ اونٹوں کے
چرانے والے بڑی بڑی بلند عمارتیں بنانے لگیں۔
(تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے ۔ اور وقت قیامت
تو ان پانچ چیزوں میں سے ہے ۔ جن کو خدا کے سوا کوئی
نہیں جانتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور
استشہاد سورۃ لقمان کی یہ آخری آیات تلاوت فرمائی
ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ (جس کا
ترجمہ یہ ہے کہ بہ تحقیق اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت
کے وقت خاص کا اور وہی (اپنے علم کے مطابق)
نازل کرتا ہے بارش کو اور وہی جانتا ہے اس کو
جو رحموں میں ہوتا ہے ۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ
کل کیا کرے گا ۔ اور کسی کو خبر نہیں کہ کس سرزمین میں
اس کو موت آئے گی ۔ بہ تحقیق اللہ ہی جاننے والا
ہے اور خبردار ہے ۔) اس کے بعد وہ سوال کرنے

سلو عن الایمان و الاسلام والاحسان و علم الساعة۔
(۲) صحیح مسلم شرح کتاب الایمان

والا شخص واپس چلا گیا تو حضورؐ نے بعض حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اس کو واپس لاؤ (چنانچہ لوگ اس کے پیچھے گئے) مگر وہاں کوئی نظر نہ آیا ۔۔۔۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درحقیقت یہ جبرئیل تھے لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم کرنے آئے تھے۔

ابوداؤد نے اسی حدیث کو حضرت ابوہریرہ کیساتھ حضرت ابوذر[۲] رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔
(ابوداؤد[۳] کتاب السنۃ)

اور امام مسلم وابن خزیمہ و ابوعوانہ نے اپنی صحاح میں اور امام احمد نے مسند میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس حدیث کو بطرق مختلفہ امیر المومنین حضرت عمر بن[۳] الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں اس سے کچھ زیادہ تفصیل ہے۔ اور مسند احمد و معجم کبیر طبرانی، وحلیۃ ابی نعیم میں بعض طرق سے یہ حدیث حضرت ابن[۴] عمر سے بلا واسطہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھی مروی ہے۔

اور امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اور بزار نے اپنے مسند میں حضرت انس[۵] سے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

اور امام احمد نے اپنے مسند میں حضرت ابن[۶] عباس اور حضرت ابو عامر[۸] اشعری رضی اللہ عنہما سے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(فتح البار[۷]ی الجزء الاول صـ۶۰-۶۱ وعمدۃ القاری الجلد الاول صـ۲۸۲) نیز یہی حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعر[۹]ی اور حضرت عبدالرحمٰن بن[۱۰] غنم (رضی اللہ عنہما) سے بھی روایت کی گئی ہے اخرجہما ابن عساکر کما فی کنز العمال[۱۱] صـ۶۹ و ۱۷۰ جلد اول

علم حدیث کا جو مختصر ذخیرہ اس وقت اس عاجز کے سامنے ہے اس کے محدود مطالعہ سے طبقہ صحابہ میں اس حدیث کے یہ دس راوی معلوم ہو سکے ہیں۔ پھر ذیل کے طبقات میں میں تو روایت کی اس قدر کثرت ہے کہ ان کا ضبط و شمار بھی مشکل ہے۔ ان تمام طرق و روایات پر

عبور حاصل کرنے کے بعد اس کی صداقت اور واقعیت کا ایسا علم یقینی اور قطعی حاصل ہو جاتا ہے جس میں کذب و غلط فہمی وغیرہ کے احتمالات کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی اور بنا بر قول محقق حدیث کے تواتر کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر اور علم یقینی کی مفید ہے۔ ہمارا استدلال اس حدیث کے صرف اس آخری حصہ سے ہے۔ جس میں وقتِ قیامت کے متعلق سوال اور اس کا جواب ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس جواب کے الفاظ عام روایات میں یہ ہیں "ماالمسئول عنہا باعلم من السائل" اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ جس سے اس قیامت کا سوال کیا جارہا ہے۔ وہ خود سوال کرنے سے زیادہ جاننے والا نہیں"۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھ کو اور تم کو دونوں کو ہی اس کا علم نہیں ہے۔ لیکن حدیث کے آخری جزء نے اسی آخری مطلب کو متعین کر دیا۔ کیوں کہ آخر میں حضورؐ نے فرمایا کہ :-

فی خمس لا یعلمھن الا اللہ۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام الآیۃ ۔

یہ قیامت کا وقت ان پانچ چیزوں میں سے ہے۔ کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جن کے علم کے مخصوص بحق تعالےٰ ہونے کا اعلان قرآن کریم کی اس آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ میں کیا جا چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے اس جواب کا یہی مطلب ہے کہ سائل و مسئول دونوں ہی کو اس کا علم نہیں، یا بالفاظ دگر دونوں ہی کو معلوم ہے کہ یہ چیز صرف خدا ہی کے علم میں ہے۔ اور کسی دوسرے کو اس کا علم ہو ہی نہیں سکتا۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی جملہ "ما المسئول عنہا باعلم من السائل" کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وھذا وان کان مشعرًا بالتساوی فی العلم لکن المراد التساوی فی العلم بان اللہ تعالےٰ استاثر

اگرچہ اس لفظ سے بظاہر علم میں مساوات مفہوم ہوتی ہے۔ لیکن مراد یہ ہے کہ سائل و مسئول اس بات کے جاننے میں برابر ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اس علم

بعلمها لقوله بعد خمس لا یعلمهن الا اللہ ۔ (فتح الباری ص۶۳)

کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے۔ کیوں کہ بعد میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس موقع پر لکھتے ہیں۔

والمراد[12] نفی علم وقتها لان علم مجیئها مقطوع به فهو علم مشترك وهذا وان اشعر بالتساوی فی العلم الا ان المراد التساوی فی العلم بان الله استأثر بعلم وقت مجیئها لقوله بعد خمس لا یعلمهن الا الله (الآیة) (قسطلانی مطبوعہ ہند ص۱۱۵)

اس سے مراد وقت قیامت کے علم کی نفی کرنی ہے کیوں کہ اس کے آنے کا علم قطعی ہے۔ لہذا وہ تو مشترک ہے اور اگرچہ بظاہر اس سے علم میں مساوات مفہوم ہوتی ہے۔ لیکن دراصل مراد اس بات کی جاننے میں برابری جتلانا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے وقت خاص کا علم اپنے لئے ہی خاص کر لیا ہے۔ بدلیل اس کے کہ بعد میں خود ارشاد فرمایا کہ وہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور شیخ الاسلام ذکریا تحفۃ الباری شرح بخاری میں اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انما[13] المراد التساوی فی نفی العلم به ۔ الخ تحفۃ الباری ص۲۸۰

اس سے مراد بس علم نہ ہونے میں برابری بیان کرنا ہے۔

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر شارح بخاری اپنی تفسیر میں اسی ما المسئول عنها باعلم من السائل کے معنی بیان کرتے ہوتے ارقام فرماتے ہیں۔

ای تساوی[14] فی العجز عن درك ذلك علم المسئول والسائل ۔ (ابن کثیر ج۴ ص۲۱۹)

مطلب یہ ہے کہ اس (علم قیامت) کی تحصیل سے عاجز رہنے میں سائل و مسئول دونوں برابر ہیں۔

اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حواشی میں ارقام فرماتے ہیں۔

قوله[15] صلی اللہ علیہ وسلم ما المسئول عنها باعلم من السائل کنایة عن

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما المسئول عنها باعلم من السائل کا مطلب یہ ہے

تساویهما فی عدم العلم — کہ سائل ومسئول قیامت کا علم نہ ہونے میں برابر ہیں۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں اسی جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں

یعنی نیستم من داناتر از تو بداں یعنی من و تو ہر دو برابریم درنادانستن آن بلکہ ہر سائل ومسئول ہمیں حال وارد کہ آنرا جز خداوند تعالیٰ کسے نہ داند ووے تعالیٰ ہیچکس را از ملائکہ ورسل براں اطلاع مذادہ (اشعۃ اللمعات ج۱ ص۲۵)	یعنی اس قیامت کے وقت کو میں تم سے زیادہ نہیں جانتا یعنی میں اور تم دونوں اس کے نہ جاننے میں برابر ہیں بلکہ ہر سائل ومسئول کا اس بارہ میں یہی حال ہے کہ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور حق تعالیٰ نے فرشتوں اور رسولوں میں سے کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو علم کی نفی پر ہی محمول کیا اور اس کو عدم علم کا اعتراف قرار دیا ہے۔ چنانچہ "ما المسئول عنہا باعلم من السائل" کے فائدہ میں لکھتے ہیں۔

فیہ انہ (۱) ینبغی للعالم والمفتی وغیرہما اذا سئل عن ما لا یعلم ان یقول لا اعلم وان ذالک لا ینقصہ۔ (نووی علی المسلم ج۱ ص۲۸)	حضرت کے اس جواب میں اس کی تعلیم ہے کہ عالم اور مفتی وغیرہ کو چاہیئے کہ جب ان سے کسی ایسی بات کا سوال ہو جو انہیں معلوم نہ ہو تو صاف کہدیں کہ ہم کو علم نہیں اور اس سے ان کی شان نہیں گھٹتی۔

اور اسی کے قریب اس موقع پر امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ارقام فرمایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فیہ لا ادری من العلم والاعتراف بعدم العلم وان ذالک لا ینقصہ ولا یزیل ما عرف من جلالتہ۔ (عمدۃ القاری ج۱ ص۲۹۰)	حضور کے اس جواب سے ایک فائدہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مجیب کا "لا ادری" (میں نہیں جانتا) کہدینا اور اپنے عدم علم کا اعتراف کر لینا یہ بھی علم میں داخل ہے۔ اور اس سے اس کی شان نہیں گھٹتی۔ اور اس کی جلالت قدر زائل نہیں ہوتی۔

بہرحال ان جلیل القدر شارحین حدیث کی ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ ان تمام حضرات

---

(۱) التعلیق الصبیح ج۱ ص۲۱

کے نزدیک حضورؐ کے اس ارشاد ما المسئول عنہا باعلم من السائل کی مراد اور اس کا مآل یہی ہے کہ اے سائل تیری طرح مجھے بھی قیامت کے آنیکا وقت معلوم نہیں" ——— اور پھر حدیث کے سیاق فی خمس لا یعلمہن الا اللہ" نے اس مراد کو بالکل واضح بھی کر دیا کہ جس کے بعد کسی دوسرے مطلب کا احتمال ہی نہیں رہا۔

پس بعض ارباب ضلالت جو اپنے خود ایجاد اور زمانہ ساز عقیدہ کے تحفظ کے لئے اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ

"اس سے علم کی نفی نہیں نکلتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئول و سائل (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جناب جبریئلؑ) دونوں ہی کو اس کا علم ہے"! سو ان کا یہ قول باطل اور خود نفس حدیث سے مدفوع و مردود ہے علاوہ ازیں اس خیال کے بطلان کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی تصریح ہے کہ اس گفتگو کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریئل کو پہچانا نہیں تھا۔ اور آپ کو معلوم نہیں تھا کہ سائل جبریئل ہیں (کیوں کہ وہ اس وقت اجنبی شکل میں سائل بن کر آئے تھے۔ اور یہ آپ کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جبرائیل امین تھے۔

چنانچہ اسی حدیث ابوہریرہ کی ابوفروہ والی روایت میں ہے۔

والذی بعث محمداً بالحق[19] ما کنت باعلم به من رجل منکم وانه لجبریل۔

(فتح الباری ص۱۰۵ ج۱، عمدۃ القاری ص۲۸۵ ج۱)

قسم ہے اس رب جلیل کی جس نے محمدؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ میں اس سائل کو تم میں سے کسی ایک شخص سے بھی زیادہ نہیں جانتا۔ اور (معلوم ہوا کہ) وہ جبریئل تھے۔

اور سلیمان تیمی کی روایت میں ہے۔

فوالذی نفسی بیده[20] ما شبه علی منذ اتانی قبل مرتی هذه وما عرفته

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب سے جبریئل میرے پاس آتے ہیں وہ کبھی اس دفعہ سے پہلے مجھ پر مشتبہ نہیں ہوئے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا

حتی ولی۔
(فتح الباری ۱۱۸، عمدۃ القاری ۱۹/۱)

کہ میں نے ان کو نہ پہچانا ہو) اور اب کے میں نے ان کو نہیں پہچانا۔ یہاں تک کہ وہ چلے گئے۔

اور حضرت ابو عامر اشعری کی حدیث میں ہے۔

والذی نفس محمد بیدہ ما جاءنی قط الا وانا اعرفه الا ان تكون هذه المرة - (فتح ۱۸/۱ وعمدہ ۱۹/۱)

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ یہ جبرئیل جب کبھی میرے پاس آتے میں ان کو پہچانتا تھا بجز اس دفعہ کے۔

اور حضرت ابو موسےٰ اشعری کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم جبرئیل فی صورة اعرابی ورسول الله صلی الله علیه وسلم لا یعرفه الحدیث (کنز العمال ۷۹/۱۷)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرئیل ایک اعرابی کی شکل میں آتے اور حضور نے ان کو نہیں پہنچانا تھا۔

اور حضرت عبد الرحمٰن بن غنم کی حدیث میں اسطرح وارد ہوا ہے کہ

انه اتاه جبرئیل فی صورة لم یعرفه فیها- الحدیث (کنز العمال ۱/۱۷)

حضور کی خدمت میں جبرئیل ایسی شکل میں آئے کہ آپ اس شکل میں ان کو نہ پہنچانتے تھے۔

ان تمام روایات کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ بات درجۂ یقین کو پہنچ جاتی ہے کہ اس صحبت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو پہچانا نہ تھا۔ اور آپ ان کو ایک نووارد اعرابی سمجھ کر گفتگو فرما رہے تھے۔ پس یہ کیوں کر عقل میں آسکتا ہے کہ جس شخص کو آپ ایک عامی اور اعرابی سمجھے ہوئے ہیں اس سے فرمائیں کہ "مسئول وسائل" یعنی مجھے اور تمہیں دونوں ہی کو قیامت کا وقت معلوم ہے۔ الغرض حدیث کے اس جزء کے ملاحظہ کے بعد یہ احتمال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔

پس حدیث کے تمام اجزا کو پیش نظر رکھنے کے بعد حضور کے جواب ما المسئول عنها باعلم من السائل کا حاصل وہی ٹھہرتا ہے جو عام شارحین حدیث نے بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ اے سائل قیامت کا وقت خاص تیری طرح مجھے بھی معلوم نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حضور نے پھر سیدھا یوں ہی کیوں نہ فرمایا "اس کا علم مجھے نہیں

ے قال الحافظ فی الفتح بعد ما ذکر بعض هذه الروایات دلت الروایات التی ذکرناها علی ان النبی صلی الله علیه وسلم ما عرف انه جبریل الا فی اخر الحال" فتح ۶۵/۱

ہے یا یوں کیوں نہ فرمایا "کہ اس کا علم مجھے تم سے زیادہ نہیں ہے اور یہ تعبیر کیوں اختیار کی مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے" ـــــ تو اس کا جواب شارحین حدیث نے یہ دیا ہے کہ اس، صورت میں صرف آنحضرت ؐ اور سائل ہی سے علم قیامت کی نفی ہوتی اور اس عام تعبیر سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ اس کے معلوم نہ ہونے میں میری یا تمہاری ہی خصوصیت نہیں بلکہ ہر سائل و مسئول کا یہی حال ہے۔ کیوں کہ اس کو مخلوقات میں سے کوئی جانتا ہی نہیں۔

امام بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اسی سوال کا جواب دیتے ہوتے فرماتے ہیں۔

انما قال کذالک اشعاراً بالتعمیم[٢٤] تعریضاً للسامعین ان کل سائل و مسئول فھو کذالک ۔۔ (عمدۃ القاری، ج۱ صـ۲۹۳)	یہ عام تعبیر آپ نے اس لئے اختیار فرمائی تاکہ لوگوں کو اس کی عمومیت معلوم ہو جائے۔ اور سامعین سمجھ جائیں کہ اس بارے میں ہر سائل و مسئول کا یہی حال ہے۔

اور اسی کے مثل حافظ ابن حجر[٢٥] رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح[٢٣] ج۱ صـ۹۳

ان تمام مباحث کے بعد ہمارے استدلال کا مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے اور یہ چیز واضح تر ہو جاتی ہے کہ حضور نے اپنے اس جامع جواب کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان نہایت بلیغ انداز میں فرمایا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم کسی مخلوق کو نہیں۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کا اعلان قرآن پاک کی بہت سی آیات میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس موقعہ پر ان میں سے ایک آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ کا حوالہ دے کر اپنے اس جواب کو قرآن پاک سے مؤید کر دیا ہے۔

پھر حضور اقدس ؐ نے آخر حدیث میں یہ فرمایا کہ انہ جبریل جاء لیعلمکم دینکم " کہ یہ جبرئیل امین تھے اس لئے آئے تھے کہ اس سوال وجواب کے ذریعے تم کو تمہارے دین کی تعلیم دیں " ـــــ یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس سوال وجواب سے جو کچھ تمہیں معلوم ہوا کہ ایمان، اسلام، احسان یہ ہے اور یہ کہ قیامت کے وقت خاص کا علم کسی مخلوق کو نہیں۔ اور اسکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہی تمہارا دین اور ایمان ہے۔ جس پر تمہارا رب تمہیں قائم کرنا چاہتا ہے۔

حضورؐ کے اسی ارشادِ گرامی "جاء یعلمکم دینکم" ہی سے شارحین حدیث نے یہ نتیجہ نکالا کہ قیامت پر یقین رکھنے کے ساتھ ہی اس کے وقتِ خاص کے کسی مخلوق کو معلوم نہ ہونے پر یقین رکھنا بھی جزِ دین ہے اور مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا اور اس کا معلوم ہونا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ایمان و اسلام اور احسان کی حقیقت سے واقف ہونا۔

چنانچہ امام محمود بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قلت الاعتقاد[۲۶] بوجودها وبعدم العلم بوقتها لغير الله تعالیٰ من الدين ايضاً (عمدۃ القاری ص۳۸۲ ج۲۲)	قیامت کے آنے کا اعتقاد اور اس کے ساتھ یہ یقین رکھنا کہ اس کا وقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں جزو دین ہے۔

اور خطیب قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ:-

يدخل فيه اعتقاد وجود الساعة وعدم العلم بوقتها لغير الله تعالیٰ لانهما من الدين (ارشاد الساری ص۱۱۱ ج[۲۵])	امام بخاریؒ کے ارشاد "فجعل کله دینا" میں قیامت کے آنے کا اعتقاد اور اس کے وقت کے غیر خدا کو معلوم نہ ہونے کا یقین بھی داخل ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں عقیدے جزو دین ہیں۔

اور شیخ الاسلام زکریا[۲۷] رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحفۃ الباری شرح بخاری میں اس موقعہ پر بعینہٖ یہی لکھا ہے (تحفۃ الباری مع القسطلانی مصری ص۱۱۱ ج۲)

نیز حضورؐ کے اسی ارشاد "انه جبریل جاء یعلمکم دینکم" سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ اس حدیث میں جو مضامین ہیں وہ بالکل محکم اور اٹل ہیں۔ کہ خاص طور پر ان کی تعلیم دینے اور صحابہ کے مجمع میں سوال و جواب کے دلنشیں انداز میں ان کے دہرانے کے لئے حضرت جبرئیل بھیجے گئے —— بلکہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث پاک اپنی جامعیت اور غیر معمولی اہمیت کے لحاظ سے اس لائق ہے کہ اس کو "ام السنہ" کہا جائے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فتح الباری میں اور امام عینی عمدۃ القاری میں ارقام فرماتے ہیں۔

قال القرطبی هذا الحديث يصلح	علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو

ان یقال لہ ام السنۃ لما تضمن من جملۃ علم السنۃ

ام السنۃ کہنا مناسب ہے. کیوں کہ یہ تمام علوم سنت پر اجمالاً مشتمل ہے۔

اور علامہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں۔

اشتمل ھذا الحدیث علی جمیع وظائف العبادات الظاھرۃ والباطنۃ من عقود الایمان ابتدأ وحالاً ومآلاً ومن اعمال الجوارح ومن اخلاص السرائر والتحفظ من آفات الاعمال حتی ان علوم الشریعۃ کلھا راجعۃ الیہ ومتشعبۃ منہ

(فتح الملہم ج ۱ ص ۱۶۱)

یہ حدیث ہر قسم کی ظاہری و باطنی عبادات یعنی تمام ایمانیات اور اعمال ظاہرہ اور اخلاص نیت (وغیرہ روحانی ملکات) اور آفات شیطانیہ کے تحفظات پر حاوی ہے. گویا کہ تمام علوم شریعت اس کی طرف راجع ہیں اور اس سے نکلتے ہیں۔ (ملخصاً)

بہر حال حدیث کی اس خاص حیثیت اور اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ گویا وہ شریعت مطہرہ کا خلاصہ اور دین قیم کا نچوڑ ہے. یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس صحبت کے بعد حضورؐ کو قیامت کے وقت خاص کا علم بھی دے دیا گیا ہوگا۔ علاوہ ازیں اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ملاقات جس میں یہ سوال وجواب ہوئے، حضور کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔

امام بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہما) اسی حدیث کی شرح کے ذیل میں ناقل ہیں۔

رواہ ابن مندہ فی کتب الایمان باسنادہ الذی علی شرط مسلم من طریق سلیمان التیمی من حدیث عمر رضی اللہ عنہ اولہ ان رجلاً فی آخر عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الحدیث بطولہ

(عمدۃ القاری ص ۲۹۱ وفتح الباری ص ۶۱)

ابن مندہ نے کتاب الایمان میں اپنی اس اسناد سے جو بر شرط امام مسلم صحیح ہے سلیمان تیمی کے طریقہ سے بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس کا شروع ہی یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی جبرئیل بصورت اجنبی) حضورؐ کی عمر کے آخری حصہ میں آپ کی خدمت میں آیا (پھر آگے پوری حدیث ذکر کی ہے)۔

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ واقعہ ہی حضور کی آخری عمر کا ہے۔ جب کہ دین ہر طرح سے بالکل مکمل ہو چکا تھا اور اس کے اندر کسی کمی بیشی کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ امام بدرالدین عینیؒ یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فهذا يدل على انه انما جاء بعد انزال جميع الاحكام لتقرير امور الدين۔ عینی جلد ۱ ص ۳۹۳۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب جبرئیل کی یہ آمد تمام احکام نازل ہو جانے کے بعد امور دین کو منضبط کر کے بیان کرنے کے واسطے ہوئی تھی۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اسی موقع پر لکھتے ہیں کہ

انما جاء بعد انزال جميع الاحكام لتقرير امور الدين التى بلغها متفرقة فى مجلس واحد لتنضبط۔

فتح الباری ص ۶۳ / ۱

حضرت جبرئیل تمام احکام کے نزول کے بعد اس واسطے اس موقع پر آئے تھے کہ دین کی جو اصلی اور ضروری باتیں انہوں نے منتشر اور متفرق طور پر اب تک پہنچائی تھیں ان کو ایک ہی مجلس میں بیان کر دیں تاکہ وہ منضبط ہو جائیں۔

بہر حال ابن مندہ کی مندرجہ بالا روایت اور اس کے متعلق علامہ عینی اور حافظ عسقلانی کی مذکورہ صدر تصریحات نے بھی اس احتمال کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ اس واقعہ کے بعد حضور کو قیامت کے وقت کا علم دے دیا گیا ہوگا۔ کیونکہ معلوم ہو چکا کہ اس حدیث کے جملہ مضامین (جن میں اللہ کے سوا کسی کے لئے قیامت کا علم نہ ہونا بھی داخل ہے) محکم ہیں اور اس میں دین کی آخری اور مکمل حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔

اہل بدعت کی طرف سے اس حدیث میں ایک باطل ترین تاویل بلکہ نہایت جاہلانہ تحریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ اس میں وقتِ قیامت کے صرف علم ذاتی کی نفی ہے اور گویا حضور کے ارشاد "ما المسئول عنها با علم من السائل" کا مطلب یہ ہے کہ اے سائل! مجھے وقت قیامت کا ذاتی علم تجھ سے زیادہ نہیں ـــــ"

اور اس کی تائید میں علامہ قرطبی کی ایک عبارت بھی پیش کی جاتی ہے۔ جو ممدوح نے اسی حدیث کے آخری ٹکڑے فی خمس لا یعلمھن الا اللہ کی شرح میں ارقام فرمائی ہے

اور جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی امام بدر الدین عینی اور خطیب قسطلانی نے شرح بخاری میں اور علامہ علی قاری نے مرقاہ شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

قال القرطبی لا مطمع لاحد فی علم شیٔ من ھذہ الامور الخمس لھذا الحدیث وقد فسر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قول اللہ تعالیٰ "وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" بھذہ الخمس وھو فی الصحیح قال فمن ادعی علم شیٔ منھا غیر مسندہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان کاذبًا فی دعواہ۔

قرطبی نے فرمایا کہ اس حدیث کی رو سے ان پانچ چیزوں (وقت قیامت وقت نزول باراں وغیرہ) میں سے کسی چیز کے علم کی کسی کے لئے امید نہیں کی جاسکتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کے ارشاد "وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" کی تفسیر انہی پانچ چیزوں سے کی ہے اور وہ حدیث صحیح میں ہے۔" پس جو شخص ان پانچ میں سے کسی چیز کے علم کا دعوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔

اس عبارت سے ہمارے مخالفین کے استناد کی تقریر یہ ہے کہ ــــــ اس کے آخری جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان پانچ چیزوں میں سے کسی بات کے علم کا دعوےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے کرے تو اس کی تکذیب نہیں کی جائے گی۔ اور اس کا مقتضےٰ یہ ہے کہ خود حضور کو یہ علوم حاصل ہوں۔" انتہی"

لیکن فی الحقیقت علامہ قرطبی کی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا محض نافہمی یا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان امور خمس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ان کے کلیات دوسرے ان کے جزئیات سو ان کے کلیات کا علم تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو کسی طرح بھی نہیں یعنی یہ بات اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں کہ وہ ان کے تمام افراد پر بطور کلی حاوی ہو اور آیت کریمہ ــــ "اِنَّ اللہ عندہ علم الساعۃ الایۃ" اور "عندہ مفاتح الغیب" میں انہی اصولی اور کلی علم کو صرف حق تعالےٰ کے لئے ثابت کرکے غیر سے اس کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن ان کے بعض جزئیات کا علم اللہ تعالےٰ کی عطا سے دوسروں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ تاہم وہ

جزئیات بھی مغیبات ہی میں سے ہیں۔ اور سنتہ اللہ یہ ہے کہ امور غیب کی یقینی اور غیر مشکوک اطلاع جو دساتس شیطانیہ وغیرہ سے قطعی طور پر محفوظ ہو۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کو براہ راست نہیں دی جاتی۔ جیسا کہ سورۂ جن میں ارشاد ہے۔

فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول الآیۃ یعنی اللہ تعالےٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کے سوا کسی کو براہ راست اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ پس علامہ قرطبی کی مذکورہ بالا عبارت کا مفاد صرف یہ ہی ہے کہ چوں کہ یہ امور خمسہ غیب میں سے ہیں۔ اس لئے ان کی کسی جزئی کے علم کا دعویٰ بھی اگر کوئی بلا واسطہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کرے تو وہ کاذب ہوگا۔ کیوں کہ غیب کی کسی بات کی بھی قابل وثوق اور لائق یقین اطلاع رسولوں کے سوا کسی کو نہیں دی جاتی ــــ رہا ان امور خمسہ کا علم کلی سو وہ بالکل حق تعالےٰ ہی سے خاص ہے اور کسی مخلوق کو کسی طرح بھی حاصل نہیں۔ اور آیاتِ قرآنیہ "ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ" اور "عندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو" میں اسی کا بیان ہے اور اسی کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص بتلا کر غیر اللہ سے اس کی نفی کی گئی ہے۔

بہرحال قرطبی کی ہر گز یہ مراد نہیں ہے کہ ان امور خمس کا علم کلی یا بالفاظ دیگر ان کے کلیات کا علم (یا قیامت کے وقت معین کا علم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعطاء الٰہی حاصل ہے اور قرطبی ہی پر منحصر نہیں کسی معتبر عالم دین نے بھی ایسا نہیں لکھا۔ اور نہ قرآن وحدیث کے بیشمار نصوص کے خلاف کوئی محقق عالم ایسا لکھ سکتا ہے۔ اور جن علماء مصنفین کی اس قسم کی عبارات ہمارے مخالفین کی طرف سے اس بارے میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان سب میں امورِ خمس کے جزئیات ہی کا علم بعطاء الٰہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقربین کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ــــ اور ہم کتاب ہذا کے پہلے حصہ میں بحمد اللہ نہایت مدلل اور مفصل طور پر بتلا چکے ہیں کہ قرآن مجید میں "امورِ خمس" کے صرف علم کلی کو اللہ تعالےٰ کے لئے خاص بتلایا گیا ہے۔ اور اسی پر ہمارے استدلال کی بنیاد ہے۔

خیر امور خمس کی بحث تو یہاں استطراداً آگئی۔ اور چوں کہ ہم حصہ اول میں اس پر مفصل

کلام کر چکے ہیں اس لئے اسی قدر پر اکتفا کیا گیا ورنہ اصلی بحث یہاں وقت قیامت کے علم کی تھی اور ہم کو اہل بدعت کی اس مہمل تاویل کا ابطال کرنا تھا کہ یہاں (حدیث جبرئیل میں) قیامت کے صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا بڑا تمسک علامہ قرطبیؒ کی عبارت سے تھا۔ جس کی حقیقت ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکی۔

اس کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ علم ذاتی نہ ہونے میں قیامت کی کوئی خصوصیت نہیں اور یہ سب کو مسلم ہے کہ حضور کو کسی ایک بات کا بھی علم ذاتی طور پر نہ تھا۔ بلکہ سب خدا کا دیا ہوا اور تعلیم کیا ہوا تھا پھر جب آپ نے حضرت جبرائیل کے دوسرے تمام سوالوں کا جواب صاف صاف دیدیا اور علم قیامت سے انکار کر دیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ حضور کو اس کا علم تھا ہی نہیں ورنہ اگر صرف اس کا اظہار کرنا تھا کہ مجھے اس کا ذاتی علم نہیں تو پھر ہر سوال کا یہی جواب دینا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ آپ کو کسی ایک سوال کے جواب کا بھی ذاتی علم حاصل نہ تھا۔

اور پھر آپ نے قیامت کے سوال کے جواب میں صرف "ما المسئول عنها باعلم من السائل" ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "سَاُخبِرُ عن اشراطها" (کہ میں تمکو اس کی کچھ علامتیں بتلاتا ہوں" اور پھر بتلائیں بھی۔ حالاں کہ ان علامتوں کا علم بھی آپ کو ذاتی نہ تھا بلکہ خدا کی عطا اور اس کی تعلیم ہی سے تھا۔

ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھکر ہر معمولی سمجھ کا انسان بھی معلوم کر سکتا ہے کہ یہ تاویل کس قدر باطل اور کیسی مہمل ہے اور اس کے پیش کرنے والے کس قدر ہٹ دھرم اور علم صحیح و فہم سلیم سے کتنے محروم ہیں۔

بہرحال یہ حدیث پاک جس کو علماء ام السنہ کہتے ہیں، ہمارے مدعا پر نہایت محکم اور ناقابل تاویل دلیل ہے اور اس سے آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو قیامت کے وقت خاص کا علم عطا نہیں فرمایا گیا۔ اور اس حقیقت کے اعلان کو اتنا ضروری سمجھا گیا کہ تمام دین کے مکمل ہو جانے کے بعد حضرت جبرئیل سے مجمع صحابہ میں سوال کرا کے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نفی میں اس کا جواب دلوا کے صحابہؓ

کو اس کا شاہد بنا دیا گیا اور ایمان و اسلام و احسان کی حقیقت کیساتھ اس عقیدہ کا سبق بھی ان کو خاص طور پر دیا گیا۔

ہم پہلے مفصلاً بتا چکے ہیں کہ یہ حدیث دس صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہے۔ اور ہر صحابی کی روایت کے مخرجین کا نام بھی ہم بتلا چکے ہیں۔ اور ان کتابوں کا حوالہ بھی دے چکے ہیں۔ جن میں وہ روایات مذکور ہیں ــــ اور محدثین کا مسلم اصول ہے کہ صحابی کے تعدد سے حدیث کا تعدد ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مضمون کی حدیث کو چار صحابی روایت کریں تو چار حدیثیں مانی جاتی ہیں پس یہاں تک گویا دس حدیثیں مذکور ہو چکیں۔

حدیث نمبر ۱۱

عن(۲۹) جابر (رضی اللہ عنہ) قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشھر تسئلونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ الحدیث (رواہ مسلم) (مشکوٰۃ شریف ۴۸۱ باب قرب الساعۃ)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ اپنی وفات سے صرف ایک مہینہ پیشتر فرماتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو۔ حالانکہ اس کا علم صرف خدا ہی کو ہے۔

اس حدیث کو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (در منثور ۳ صفحہ ۱۵۰)

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

(۳۰) ھمزۃ الانکار مقدرۃ ای اتسئلونی (عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ) ای لا یعلمھا الا ھو
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۲۹ صفحہ ۲۲۲ / ۵۷

ہمزۂ انکاری مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالاں کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ یعنی اس کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کے ترجمہ اور شرح میں ارقام فرماتے ہیں۔

گفت (۳۱) جابر شنیدم آنحضرت را فرمود پیش از رحلت خود بیک ماہ (تسالونی عن الساعۃ) می پرسید مرا از وقت

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاتِ اقدس سے ایک مہینہ پہلے سنا آپ فرماتے

قیام قیامت (دانما علمہا عند اللہ) ونیست علم بہ تعیین وقت آں مگر تر وخداوند عزوجل، یعنی از وقت وقوع قیامت کبریٰ مے پرسید آں خود معلوم من نیست وآنرا جز خدائے تعالیٰ نداند (اشعۃ اللمعات صہ ۳۷۷ ج ۴)[۳۱]

مجھے کہ تم مجھ سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کرتے ہو حالاں کہ اس کے وقت معین کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ... یعنی تم قیامت کبریٰ کے آنے کا وقت مجھ سے پوچھتے ہو وہ تو خود مجھے معلوم نہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔

حدیث نمبر (۱۲)

عن[۳۲] حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الساعۃ قال علمہا عند ربی لا یجلیہا لوقتہا الا ہو ولکن اخبرکم بشاریطہا وما یکون بین یدیہا ان بین یدیہا فتنۃ وھرجا (رواہ احمد) تفسیر ابن کثیر صہ ۲۷۲ ج ۴ و درمنثور صہ ۱۵۰ جلد ۳[۳۲] ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے۔ وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ لیکن میں تم کو اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔ اس سے پہلے فتنے ہوں گے اور قتل۔

حدیث نمبر (۱۳)

عن ابی موسیٰ الاشعری (رضی اللہ عنہ) قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الساعۃ وانا شاھد فقال لا یعلمہا الا اللہ ولا یجلیہا لوقتہا الا ھو ولکن ساخبرکم بشاریطہا وما بین یدیہا من الفتن والھرج الخ اخرجہ الطبرانی وابن مردویہ درمنثور صہ ۱۵۰ ج ۳[۳۳]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت قیامت کا سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ (یعنی اس کے وقت سے پہلے اس کی اطلاع نہیں دی جائے گی) لیکن میں تم کو اس کی بعض علامتیں اور اس سے پہلے جو فتنے اور خونریزیاں ہونے والی ہیں بتلائے دیتا ہوں الخ

ان احادیث کے جواب میں بھی فریق مخالف کی طرف سے وہی دو باتیں کہی جاتی ہیں

جو جبرئیل اور اس مضمون کی آیات مندرجہ حصہ اول کے جواب ہیں ہم ان کی طرف سے نقل کرچکے ہیں اور ان کے جوابات وہی ہیں جو وہاں عرض کئے جاچکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ناظرین خود جاری فرماسکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱

عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقیت لیلۃ اسری بی ابراھیم وموسٰی وعیسٰی علیہم السلام فتذاکروا امر الساعۃ فردوا امرھم الی ابراھیم فقال لا علم لی بھا فردوا امرھم الی موسٰی فقال لا علم لی بھا فردوا امرھم الی عیسٰی فقال اما اجبتھا فلا یعلم بھا احد الا اللہ تعالٰی ۔ الخ

واخرجہ سعید بن منصور واحمد وابن ابی شیبہ وابن ماجہ وابن جریر وابن المنذر والحاکم وصححہ وابن مردویہ والبیہقی فی البعث والنشور — درمنثور ۳۴، صفحہ ۱۵۲/ج ۴ ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا "شبِ معراج میری ملاقات حضرت ابراہیمؑ وموسٰیؑ وعیسٰیؑ علیہم السلام سے ہوئی تو وقتِ قیامت کا ذکر آگیا۔ پس پہلے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں یہ سوال پیش ہوا انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر یہی سوال حضرت موسٰیؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انہوں نے بھی فرمادیا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر یہی سوال حضرت عیسٰیؑ کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے فرمایا کہ اس کے وقوع کے وقت کی خبر تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں" الخ

بظاہر حضرت عیسٰیؑ ہی پر سلسلہ سوال کے ختم ہو جانے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس سوال کے پیش نہ ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے جواب کے بعد سوال کی گنجائش ہی نہیں رہی کیوں کہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ وجناب موسٰیؑ کی طرح صرف یہی نہیں فرمایا کہ "مجھے اس کا علم نہیں —" بلکہ انہوں نے جواب یہ دیا کہ "اس کے وقوع کے وقت کا علم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں —"

اور ظاہر ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر جب اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کے ساتھ یہ فرمادے تو آگے سوال کی ضرورت بلکہ گنجائش بھی نہیں رہتی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

سوال نہیں ہوا یا یوں سمجھ لیجئے کہ حضورؐ کی طرف سے بھی وہی جواب سمجھ لیا گیا۔

نیز یہ کہ حضرت عیسٰی (علی نبینا وعلیہ السلام) کو قیامت کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے کہ وہ اس سے کچھ ہی پہلے دجالی فتنہ کے استیصال کے لئے تشریف لائیں گے۔ اور اسی لحاظ سے وہ اس کی قریبی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ "وانہٗ لعلمٌ للساعۃ"

پس اگر وقت قیامت کا علم کسی مخلوق کو دیا گیا ہوتا تو بہت زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بھی دیا جاتا۔ پس جب ان کو بھی نہیں دیا گیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے وہ کسی کو عطا ہی نہیں فرمایا ہے۔ تو ممکن ہے کہ اس حیثیت سے بھی ان کے کو آخری سمجھا گیا ہو واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ اس آسمانی مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوال پیش نہیں ہوا۔ اور اس واسطے وہاں حضورؐ نے اس کے متعلق اظہار خیال نہیں فرمایا۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جواب ہی آخری جواب سمجھ لیا گیا۔ لیکن جب بعد میں صحابہ کرام کے سامنے حضورؐ نے اس واقعہ کو نقل فرمایا اور حضرت عیسٰی کے جواب "اما وجبتہا فلا یعلم بھا احد الا اللہ تعالےٰ" کو بلا کسی استثناء اور استدراک کے ذکر فرمایا تو گویا حضورؐ کی طرف سے بھی اس جواب پر مہر تصدیق ثبت ہو گئی۔ اور اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ان چاروں جلیل القدر اور عظیم الشان پیغمبروں نے اس عقیدہ پر اجماع اور اتفاق فرمایا کہ قیامت کے وقت خاص کا علم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

امام الحدیث والتفسیر حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر تفسیر میں اسی جلیل القدر حدیث کو امام احمد کی سند سے نقل فرمانے کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

فھولاء الاکابر اولوا العزم من المرسلین لیس عندھم علم بوقت الساعۃ علی التعیین۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۷۴ ج ۲

پس یہ اکابر اور خدا کے اولوالعزم رسول ان کو بھی قیامت کے وقت معین کا علم حاصل نہیں ہے۔

(الحدیث)

حدیث نمبر ۱۵

اخرج عبد اللہ بن حمید وابو الشیخ عن الشعبی قال لقی عیسٰی جبرئیل فقال السلام علیک یا روح اللہ قال وعلیک یا روح اللہ قال یا جبرئیل متی الساعۃ فانتفض جبرئیل فی اجنحتہ ثم قال ما المسئول عنہا باعلم من السائل ثقلت فی السمٰوٰت والارض لاتاتیکم الا بغتۃ (الحدیث درمنثور صفحہ ۱۵۰ جلد ۳)

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عیسٰی (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کی ملاقات جناب جبرئیل سے ہوئی (اسلام وجواب کے بعد حضرت عیسٰیؑ نے) کہا اے جبرئیل قیامت کب تک ہوگی ——؟ جبرئیلؑ نے اپنے بازو جھٹک کر (گویا لرز کر) جواب دیا مسئول کو سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ وہ قیامت تو بھاری ہے آسمانوں اور زمین میں وہ اچانک اور بے خبری ہی میں آئے گی ——

"ما المسئول عنہا باعلم من السائل" کے معنی پر ہم پہلے بقدر کافی کلام کر چکے ہیں اور "ثقلت فی السموات والارض الایۃ" کی تفسیر بھی پہلے حصہ میں گذر چکی ہے۔ اگر وہ سب آپ کے پیش نظر ہے تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت جبرئیل کے اس جواب کے معنی یہ ہوئے کہ —— "کسی سائل ومسئول کو قیامت کے وقت کا علم نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات سے پوشیدہ ہے اور اس کے آنے تک یہ پوشیدگی اور عام مخلوق کی اس سے بے خبری قائم رہے گی" —— بہرحال اگر غور کیا جائے تو اس روایت سے صرف اتنا ہی معلوم نہیں ہوا کہ حضرت جبرئیل وحضرت عیسٰی کو وقت قیامت کا علم نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی اطلاع کسی مخلوق کو بھی نہیں دی گئی۔ اور اس کے آنے تک وہ راز ہی رہے گی۔ یہاں تک کہ بالکل اچانک اور بے خبری ہی میں وہ قائم ہو جائے گی۔

تنبیہ:۔ یہ روایت اگرچہ شعبی پر موقوف ہے لیکن چونکہ "مالا یدرک بالقیاس" کے قبیلہ سے ہے۔ اس لئے حکماً مرفوع ہی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں اس کو عبد ابن حمید اور ابو الشیخ کی تخریج سے نقل کیا ہے اور —— حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے حمیدی کی اسناد سے بیان کیا ہے۔ (فتح الباری صفحہ ۶۳ جلد ۱۷ وعمدۃ القاری صفحہ ۲۹۱ جلد ۱۷)

حدیث نمبر (۱۶)

(۳۷) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتح الغیب خمس لا یعلمہا الا اللہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ" رواہ البخاری (صحیح البخاری تفسیر سورۃ الرعد) (واخرجہ ایضا احمد ومسلم والفریابی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن مردویہ و حشیش بن اصرم فی الاستقامۃ کما فی الدر المنثور ص ۱۵۰/۳ و ص ۱۶۷/۵ وکنز العمال ص ۱۵۶/۱۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مفاتح الغیب" پانچ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بجز خدا کے کسی کو علم نہیں کہ کل کیا واقعات رونما ہوں گے اور سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ بچہ دانیوں میں کیا ہے (نر یا مادہ سیاہ یا سفید، شقی یا سعید وغیرہ وغیرہ) اور اس کے سوا کسی کو خبر نہیں کہ بارش کب ہو گی۔ اور کسی نفس کو پتہ نہیں کہ اس کی موت کس سرزمین میں واقع ہو گی۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔

حدیث نمبر ۱۷ اور ۱۸

(۳۸) عن بریدۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خمس لا یعلمہن الا اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر ؕ

حضرت بریدۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے پانچ چیزیں ہیں کہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا الخ (وہی جو اوپر کی حدیثوں میں مذکور ہو چکیں)

اس حدیث کو امام احمد اور بزار اور ابن مردویہ اور رویانی اور ضیا مقدسی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ کما فی الدر المنثور ص ۱۶۷/۵ و کنز العمال ص ۱۵۶/۱۷ ——— اور حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں "صححہ ابن حبان والحاکم" ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (فتح الباری ص ۲۹۵/۱۹)

امام الحدیث والتفسیر حافظ عماد الدین ابن کثیر امام احمد کی سند سے اس حدیث کو

نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں "هذا حديث صحيح الاسناد" کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔
(تفسیر ابن کثیر صـ ۲۳ ج ۸)

پھر اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
(اخرجه ابن جرير كما في الدر المنثور صـ ۱۶۱ ج ۵)

حدیث نمبر (۱۹)

عن[۲۰] سلمة بن الاكوع رضى الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبة حمراء اذ جاء رجل على فرس فقال من انت؟ قال انا رسول الله قال متى الساعة؟ قال غيب وما يعلم الغيب الا الله قال ما في بطن فرسي؟ قال غيب وما يعلم الغيب الا الله قال فمتى تمطر؟ قال غيب وما يعلم الغيب الا الله (اخرجه ابن مردويه در منثور صـ ۱۶۷ ج ۵)

حضرت سلمۃ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ خیمے میں رونق افروز تھے۔ ایک شخص گھوڑی پر سوار آیا اور دریافت کیا کہ آپؐ کون ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ ارشاد فرمایا یہ غیب کی بات ہے اور اس غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا بتلائیے میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا؟ ارشاد فرمایا یہ بھی غیب ہے۔ اور اس غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا اچھا بتلائیے ہم پر بارش کب ہوگی؟ ارشاد فرمایا یہ بھی غیب اور اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حدیث نمبر (۲۰)

عن[۲۱] ابى امامة رضى الله عنه ان اعرابيا وقف على النبى صلى الله عليه وسلم يوم بدر على ناقة له عشراء فقال يا محمد ما في بطن ناقتى هذه فقال له رجل من الانصار دع عنك رسول الله صلى الله عليه وسلم وهلم الى حتى اخبرك وقعت انت عليها وفي بطنها ولد منك فاعرض عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ان الله يحب كل حيى كريم متكرم ويبغض كل لئيم متفحش ثم اقبل على الاعرابى فقال خمس لا يعلمهن الا الله ان الله عنده علم الساعة الآية۔ (اخرجه ابن مردويه در منثور صـ ۱۶۸ ج ۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی غزوۂ بدر کے دن اپنی دس مہینہ کی حاملہ اونٹنی پر سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد! (بتلایئے!) میری اس ناقہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ —— پس ایک انصاری صحابی نے (غضبناک ہوکر) اس سے کہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر میرے پاس آتا کہ میں تجھے بتلا دوں —— تو نے خود اس اونٹنی سے مجامعت کی ہے۔ اور اس کے پیٹ میں تیرا بچہ ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان (انصاری صحابی) کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ہر صاحبِ حیا صاحبِ وقار کو جو گندی باتوں کو ناپسند کرتا ہو دوست رکھتا ہے۔ اور ہر چھچھورا بد زبانی کرنے والا اس کو مبغوض ہے پھر حضور اقدس اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ —— پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (وہی جو اوپر کی احادیث میں مذکور ہوئیں۔ اور ان میں ایک "مافی الارحام" بھی ہے۔

فائدہ } اس روایت میں جو انصاری صحابی کا جواب مذکور ہے وہ درحقیقت اس اعرابی کے سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے بے جا سوال پر زجر و توبیخ ہے —— اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص دوسرے بے موقع سوال کرے کہ "رات کیا کھایا تھا"؟ تو دوسرا غصہ سے جواب دے۔ کہ "تمہارا سر کھایا تھا" ظاہر ہے کہ یہ اس کے سوال کا جواب نہیں ہے بلکہ اس پر خفگی اور ناراضی کا اظہار ہے۔ ٹھیک اسی طرح اس حدیث میں اس بدوی کے لغو اور بیہودہ سوال کے متعلق جو کچھ ان صحابی نے کہا وہ بھی صرف خفگی ہی کا اظہار تھا۔ اور اصل سوال کا جواب دینا ان کو مقصود ہی نہ تھا۔ اور نہ کسی صحابی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال ہو رہا ہو۔ اور وہ خود پیشقدمی کر کے اس کا جواب دینے لگے۔ کہ یہ بارگاہ رسالت کے آداب کے خلاف ہے۔ پس بعض مدعیان علم غیب مولوی صاحبان کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ان صحابی کو "مافی الارحام" کا علم حاصل تھا اور فی الحقیقت اس اونٹنی کے پیٹ میں اسی بدوی کی "نالائق حرکت" کا نتیجہ تھا انتہائی خوش فہمی کی دلیل ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ومن لم یجعل اللہ لہٗ نوراً فمالہٗ من نورٍ

حدیث نمبر ۲۱

(۲۱) عن رجل من بنی عامر انہ استاذن علی النبی علیہ وسلم فقال الج؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لخادمہ اخرجی الیہ فانہ لایحسن الاستیذان فقولی لہ فلیقل السلام علیکم اادخل قال فسمعتہ یقول ذالک فقلت السلام علیکم ادخل، فاذن لی فدخلت بما اتیتنا؟ قال لم اتکم الا بخیر اتیتکم ان تعبدوا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان تدعوا اللات والعزی وان تصلوا باللیل والنہار خمس صلوات وان تصوموا من السنۃ شھراً وان تحجوا البیت وان تاخذوا الزکوٰۃ من مال اغنیاءکم فتردوھا علی فقراءکم، قال فھل بقی من العلم شئ لا تعلمہ؟ قال قد علمنی اللہ عزوجل خیراً وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ عزوجل الخمس ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ الخ۔

بنی عامر کے ایک شخص (صحابی) راوی ہیں کہ وہ کاشانۂ نبوت پر پہنچے اور عرض کیا کہ میں اندر آسکتا ہوں؟ حضور نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ شخص اجازت لینے کا (اسلامی طریقہ) نہیں جانتا جا کر اس کو بتلاؤ کہ اس طرح کہے کہ "السلام علیکم کیا میں آسکتا ہوں؟ یہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضور کا یہ فرمان خود سن لیا اور عرض کیا کہ السلام علیکم کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟ تو حضور نے مجھ کو اجازت دی۔ میں حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا آپ ہمارے لئے کیا (احکام) لائے ہیں؟ ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے بھلائی ہی بھلائی لایا ہوں۔ تمہارے لئے میری تعلیم یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو اور لات وعزیٰ کو چھوڑ دو اور دن رات میں پانچ وقت نماز پڑھو۔ اور ایک مہینہ کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اور دولت مندوں سے زکوٰۃ لو اور محتاجوں میں تقسیم کرو ـــــــ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کیا کوئی علم ایسا باقی ہے جس کو آپ نہ جانتے ہوں؟ ارشاد فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے (بہت کچھ) خیر بتلایا ہے اور بے شک بعض علوم وہ بھی ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (چنانچہ) پانچ چیزوں کا علم سوا اللہ تعالےٰ کے کسی کو نہیں (علم قیامت وغیرہ جو اوپر مذکور ہوتے) اور حضور نے سورہ لقمان کی آخری آیت "ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ الاٰیۃ" تلاوت فرمائی۔

اس حدیث کو سعید بن منصورؒ نے "مستخرج" میں، اور امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں اور احمدؒ نے "مسند" میں روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اس کو امام احمدؒ کی سند سے نقل کر کے لکھا ہے ـــــ

"هذا اسناد صحیح" (تفسیر ابن کثیر ص۵ ج۸/۲۴، درمنثور ص۱۶۹ ج۵)

حدیث نمبر ۲۲

عن[۴۳] ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اوتیت مفاتیح کل شیئ الا الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ہر چیز کے خزانوں (یا ہر چیز کی کنجیوں کا علم) دیا گیا ہے۔ سوائے ان پانچ چیزوں کے جو سورۃ لقمان کی اس آخری آیت (ان اللہ عندہ علم الساعۃ) میں مذکور ہیں۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں، اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔"
(درمنثور ص۱۶۹ ج۵، وکنز العمال ص۱۰۶ ج۶)

اور حافظ الحدیث امام عماد الدین بن کثیر نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص۲۳ ج۸)
کتاب ہذا کے حصہ اول میں ہم دلائل کے ساتھ تبلا چکے ہیں کہ اس حدیث میں جو "کل شیئ" کا لفظ وارد ہوا ہے، اس سے صرف کثرت مراد ہے نہ کل حقیقی اور یہ استعمال کلام عرب اور خاص کر محاورات قرآن وحدیث میں شائع ذائع ہے۔ چنانچہ آیات واحادیث ذیل میں بلاشک وشبہ لفظ "کل شیئ" سے صرف اشیاء کثیرہ ہی مراد ہیں۔

(۱) فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شیئ (انعام ۴۴)
(۲) اولم نمکن لہم حرما آمنا یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیئ (قصص ۵۷)
(۳) ریح فیہا عذاب الیم تدمر کل شیئ بامر ربہا (احقاف ۳۶)
(۴) اور صحیح بخاری باب الاستسقاء میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رأی من الناس ادبارا فقال اللہم سبعا کسبع یوسف فاخذتہم سنۃ حصت کل شیئ الحدیث"
(۵) نیز اسی صحیح بخاری باب "ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب الخ" میں "حدیث لدیغ" میں ہے فسعوا لہ بکل شیئ"

پس جس طرح ان آیات واحادیث میں لفظ "کل شیئ" سے صرف اشیاء کثیرہ مراد ہیں اسی

طرح ہماری پیش کردہ حدیث میں "کل شیئ" سے نفس کثرت ہی مراد ہے۔ اور حدیث کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے بہت سی چیزوں کے علوم اور ان کے مفاتیح عطا فرمائے بجز علوم خمس کے الخ اور اس صورت میں اس حدیث کا مفاد قریب قریب وہی ہوتا ہے جو اس سے پہلی حدیث ان اللہ قد علمنی خیراً اوان من العلم مالا یعلمہ الا اللہ الخمس الحدیث کا ہے۔

حدیث نمبر ۲۳

عن[۲] الربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبیحۃ عرسی وعندی جاریتان تغنیان وتقولان "وفینا النبی یعلم ما فی غدٍ فقال اما ھذا فلا تقولاہ لا یعلم ما فی غدٍ الا اللہ" (رواہ ابن ماجہ (درمنثور ص ۱۷۰ ج ۵)

یعنی ربیع بنت معوذ روایت کرتی ہیں کہ میری شادی کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لاتے اس وقت میرے پاس دو لڑکیاں گا رہی تھیں۔ ان کے اشعار میں ایک مصرعہ یہ بھی تھا۔ وفینا نبی یعلم ما فی غدٍ (ہم میں ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ مت کہو کیوں کہ آئندہ کی باتوں کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا

حدیث نمبر ۲۴

عن[۲۵] عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بنساء من الانصار فی عرس لھن وھن یغنین ؎

واھدی لھا کبشا تخنخ فی المربد وزوجك فی البادی وتعلم ما فی غد

"فقال لا یعلم ما فی غدٍ الا اللہ"۔۔۔۔۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن (فتح الباری ص ۲۱۷ ج ۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی کچھ عورتوں پر گزرے جو اپنے یہاں کی ایک شادی میں تھیں۔ اور وہ مندرجہ حدیث شعر پڑھ رہی تھیں۔ جسکے دوسرے مصرع میں ما فی الغد یعنی کل ہونے والی بات کا ذکر کیا گیا تھا ــــــ حضور نے اس کو سن کر ارشاد فرمایا۔ کل کی باتوں کو اللہ تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حدیث نمبر ۲۵

حدیث :- مفاتح الغیب خمس "لا یعلمہا الا اللہ الخ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

سے صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے اور جس کو ہم نمبر ۱۶ میں درج کر چکے ہیں قریب قریب الہی الفاظ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے ــــ علامہ بدر الدین حنفیؒ حضرت ابن عمر والی حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں "ورواہ ابن مردویہ من طریق عبداللہ بن سلمہ عن ابن مسعود نحوہ" عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۳/۱۹۷

نمبر ۹ اسے یہاں تک جو دس حدیثیں مذکور ہوئیں ان میں باستثناء نمبر ۲۳، ۲۴ علوم خمس ہی کا مخصوص بحق تعالیٰ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور تیئسویں و چوبیسویں حدیث میں بھی الہی کی ایک نوع "علم مافی الغد" کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ ان تمام احادیث مقدمہ سے بطور قدر مشترک کے یہ بات بدیہی اور یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ان امور خمس (وقت قیامت، اوقات نزول باراں، مافی الارحام، مافی الغد اور ہر شخص کے مقام موت) کا علم صرف حق تعالیٰ کو ہے۔ اور اس نے اپنی کسی مخلوق حتیٰ کہ اپنے محبوب سید الاولین و آخرین سیدنا و مولینا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمایا ہے۔

حصہ اول میں پوری تفصیل کے ساتھ اور اس حصہ میں بھی حدیث جبرئیل کے تحت میں اجمالاً ہم بتلا چکے ہیں کہ ان علوم خمس کے مخصوص بحق تعالیٰ ہونے کا کیا مطلب ہے اور نصوص میں تمام ماسوا اللہ سے ان کے کس قسم کے علم کی نفی کی گئی ہے۔ تاہم یہاں پھر اس کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

نفس الامر میں یہاں تین ہی احتمال ہو سکتے تھے۔

(۱) ایک یہ کہ ان احادیث کا مطلب یہ ہو کہ ان امور خمسہ کا کسی قسم کا علم کسی مخلوق کو نہیں نہ جزءاً نہ کلاً گویا ان کی کسی ایک جزئی کی اطلاع بھی کسی مخلوق کو نہیں ہوتی ــــ ظاہر ہے کہ احادیث کی مراد یہ نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان میں سے بعض کی بعض جزئیات کا باذن الہی بعض مخلوقات کو علم ہونا خود دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل کے متعلق سینکڑوں اور ہزاروں پیشینگوئیاں فرمائی ہیں، جو پوری ہوئیں، اور ہو رہی ہیں، حالاں کہ مستقبل کے تمام واقعات "مافی الغد" کے عموم میں داخل ہیں، اور غزوۂ خیبر کے موقع پر حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک دن ارشاد

فرمایا تھا کہ

لاعطین ھٰذہ الرایۃ غدا رجلا یفتح اللّٰہ علی یدیہ الحدیث۔ میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔

ایسے ہی غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صنا دید کفار کی قتل گاہیں بوحی الٰہی پہلے سے متعین کر کے بتلادی تھیں۔ اور ارشاد فرمایا تھا کہ کل کو اس اس جگہ فلاں فلاں قتل ہوں گے۔

"ھٰذا مصرع فلان غداً ان شاء اللّٰہ وھٰذا مصرع فلان غداً ان شاء اللّٰہ"

بہر حال امورِ خمس میں سے بعض کی بعض جزئیات کا علم بوحی الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہونا بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ پس اگر ہماری پیش کردہ احادیث کو سلب کلی پر محمول کیا جائے۔ اور ان کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان پانچوں چیزوں کی کسی جزئی کا علم کسی طرح بھی اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ تو احادیث میں صریح تعارض لازم آئے گا۔ لہٰذا ان احادیث کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان احادیث کو صرف علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا جائے اور ان کا مطلب صرف یہ ہو کہ ان امورِ خمسہ (وقتِ قیامت، مافی الارحام، مافی الغد وغیرہ کا ذاتی علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں جیسا کہ ہمارے مخالفین کہتے بھی ہیں ـــــ تو یہ بھی صحیح نہیں ہو گا۔ کیوں کہ ہماری پیش کردہ بعض احادیث میں صراحتہً "علم عطائی" کی بھی نفی موجود ہے چنانچہ حدیث نمبر ۲۱ و ۲۲ کا مفاد یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان امورِ خمسہ کا علم عطا نہیں فرمایا۔ پس ان احادیث کو صرف علم ذاتی کی نفی پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ صرف علم کلی کی نفی پر ان احادیث کو محمول کیا جائے۔ اس صورت میں ان کا مطلب یہ ہو گا کہ امورِ خمس کا علم کلی جو ان کے ہر ہر جزئی پر حاوی ہو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ ان امور کے کلیات کا علم خداوند کریم وخبیر کے سوا کسی کو نہیں۔ یعنی یہ بات کسی کو حاصل نہیں کہ وہ بطورِ کلی ان امورِ خمسہ کی تمام جزئیات پر حاوی ہو۔ بس یہی آخری احتمال یہاں متعین ہے اور اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض اور

کوئی اور اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔

اہل بدعت کی تاویلات

مدعیان علم غیب کی طرف سے ان احادیث کے عموماً دو جواب دیئے جاتے ہیں۔
(الف) ایک یہ کہ ان احادیث میں غیر اللہ سے امورِ خمس کے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔

(ب) دوسرا یہ کہ یہ احادیث اس وقت کی ہیں جب کہ آپ کو یہ علوم عطا نہیں فرمائے گئے تھے۔ لیکن بعد میں یہ علوم بھی آپکو عطا فرما دیئے گئے۔ اور اس کی سند میں وہ وہی روایات پیش کرتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس علیہ السلام کو امورِ خمس کی بعض جزئیات کا علم بھی حاصل تھا۔ مثلاً غزوۂ احد اور غزوۂ خیبر کی مذکورۂ بالا حدیثیں۔

علم ذاتی والے احتمال کا رد تو ہم ابھی احادیث ہی کی روشنی میں کر چکے ہیں۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع "اوتیت مفاتیح کل شیئی الا الخمس" اور "رجل من بنی عامر" کی حدیث قد علمنی اللہ عز وجل خیراً و اِنّ من العلم لا یعلمہ الا اللہ الخمس (الحدیث) کی موجودگی میں اس احتمال کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور اگر بالفرض علماء سابقین میں سے کسی نے یہ لکھا بھی ہو کہ احادیث میں امورِ خمسہ کے صرف علم ذاتی کی نفی ہے تو حتی الوسع ان کے قول میں مناسب تاویل کی جائے گی ورنہ یہ کہا جائے گا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ ان کی نظر ان روایات پر نہ ہو گی جن کا یہاں ہم نے حوالہ دیا ہے اور جن کا صریحی مفاد یہ ہے کہ امورِ خمس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ یہ کہ ان کے قول کی وجہ سے احادیث نبویہ کو نظر انداز کر دیا جائے کہ یہ شان ایمان کے خلاف ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تمام امت پر حاکم ہیں۔ نہ کہ افرادِ امت کے اقوال ارشاداتِ نبوت پر۔ الغرض جب صاف صریح احادیث مقدسہ نے یہ بتلا دیا کہ امورِ خمس کے صرف علم ذاتی ہی کی نفی غیر اللہ سے نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ان کا علم عطائی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تھا۔ تو زید و عمرو کے اقوال کی آڑ

ے کر اس کے خلاف اعتقاد رکھنا اور یہ کہے جانا کہ آیات و احادیث میں ان امور کے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ کھلی ضلالت ہے۔ اگر پہلے کسی عالم نے اس سلسلہ کی جملہ احادیث اور مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے ایسا لکھدیا ہو تو وہ معذور ہیں۔ لیکن جس کے سامنے یہ ساری چیزیں پیش کر دی گئی ہوں اس کے لئے اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور نہ وہ عند اللہ معذور ہو سکتا ہے کہ ناواقفی ایسے امور میں اس وقت تک عذر ہے جب تک کہ علم کی روشنی نہ آئے، لیکن قیام حجت کے بعد بھی اپنی غلط اور ناواقفیت پر مبنی رائے پر جمے رہنا باطل پرستی اور عناد ہے ـــــ بہر حال اہل بدعت کی علم ذاتی والی تاویل محض باطل ہے اور خود نصوص احادیث اس کے بطلان پر شاہد "

اسی طرح ان کا یہ ادعا بھی محض غلط اور بے بنیاد ہے کہ علوم خمس کی نفی والی احادیث اس وقت کی ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم بھی عطا نہیں فرمائے گئے تھے ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں کہ کسی وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور خمسہ کا علم کلی عطا فرمایا گیا ہو۔ اور مدعیان علم غیب اس کے ثبوت میں جو بعض احادیث پیش کرتے ہیں، مثلاً غزوہ احد اور غزوہ خیبر کے موقع کی مذکورہ بالا دونوں حدیثیں یا ام الفضل بنت الحارث کے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے حضور کا یہ ارشاد فرمانا کہ انشاء اللہ بطن فاطمہ سے لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں کھیلے گا" وغیرہ وغیرہ "

سو اول تو ان احادیث سے صرف بعض جزئیات ہی کا علم ثابت ہوتا ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں۔ اور خود ہمارا ایمان ہے کہ ایسی ایسی سینکڑوں بلکہ ہزاروں جزئیات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے مقرب بندوں کو بھی عطا ہوا ہوگا۔

دوسرے یہ کہ ہماری پیش کردہ بعض احادیث کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ ان واقعات سے بعد کے زمانے کی ہیں۔ چنانچہ اکیسویں نمبر پر ہم نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں حج کی فرضیت کا بھی ذکر ہے اور حج بنا بر قول محقق ۸ھ یا ۹ھ میں فرض ہوا ہے پس اس سے معلوم ہو کہ وہ حدیث ۸ھ کے بعد کی ہے۔ اور غزوہ احد و غزوہ خیبر اور علی ہذا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت یہ سب وقائع اس سے پہلے ہیں ـــــ "

اور حدیث جبرئیلؑ جو ہم پہلے نمبر پر درج کر چکے ہیں اس میں بھی ان امور خمس کا ذکر آچکا ہے اور ہم وہیں بہ تفصیل تمام بتلا چکے ہیں کہ وہ حدیث آخر عہد نبوت کی ہے جب کہ دین ہر طرح سے بالکل مکمل ہو چکا تھا۔ اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہی تھی ــــ پس یہ کہنا کہ وہ احادیث جن میں ان علوم خمس کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا جمیع ماسوای اللہ سے کی گئی ہے۔ پہلے زمانہ کی ہیں اور بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ کو یہ علوم بھی عطا ہو گئے تھے محض باطل اور بے بنیاد ہے ــــ چونکہ اس مبحث پر پوری روشنی ہم حصہ اول میں ڈال چکے ہیں۔ اور پھر حدیث جبرئیلؑ کے تحت میں بھی اس کے بعض گوشے مذکور ہو چکے ہیں اس لئے یہاں ہم اسی قدر پہ اکتفا کرتے ہیں۔

امور خمسہ کے علم کی بحث ختم کرتے ہوتے اسی کے متعلق چند باتیں اور بھی عرض کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں جو انشاء اللہ ناظرین کرام کے لئے ازدیاد بصیرت کا باعث ہوں گی، "وھی ھذہٖ"

جن احادیث اور علیٰ ہذا جن آیات میں علوم خمسہ کا حق تعالےٰ کے ساتھ خاص ہونا بیان کیا گیا ہے ان کے متعلق ایک عام سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ غیوب جن کا علم صرف اللہ تعالےٰ ہی کو ہے۔ انہیں پانچ میں منحصر نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ہزاروں لاکھوں بلکہ بےحد و بیشمار چیزیں ایسی ہیں جن کا علم ہمارے نزدیک اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں (وما یعلم جنود ربک الا ھو) پھر ان احادیث میں خصوصیت کے ساتھ انہی پانچ چیزوں کے علم کا اختصاص اور تفرد حق تعالےٰ کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا۔

شارحین حدیث نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں

منجملہ ان کے ایک جواب تو یہ ہے کہ ان علوم خمسہ کے ساتھ حق تعالےٰ کا تفرد بیان کرنے سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ ان کے علاوہ کسی اور علم میں وہ متفرد اور لاشریک نہ ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں بات کا علم صرف زید ہی کو ہے تو اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اس بات کے علاوہ کوئی اور بات ایسی نہیں ہے جس کا علم صرف زید ہی کو ہو

ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت انہی پانچ چیزوں کے متعلق سوالات کئے جاتے تھے اس لئے سورت لقمان کی آیت اور ہماری پیش کردہ احادیث میں انہی پانچ چیزوں کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ ان کا علم صرف حق تعالےٰ کو ہے اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی سے روپیہ مانگے اور یہ جواب دے کہ "روپیہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ بلکہ فلاں کے پاس ہے"۔ تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ بس روپیہ ہی اس کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اشرفی اور دوسری قسم کے اموال ضرور ہیں۔

ایک تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے۔ یہ امور خمسہ تمام ان امور کو محیط ہیں جن سے انسان کا دنیا یا آخرت میں تعلق ہو سکتا ہے، یوم قیامت آخرت کی زندگی کا پہلا دن ہوگا اور اسی دن ہر شخص کی پوری اخروی زندگی کا فیصلہ ہوگا۔

بارش سے بہت سی مخلوقات کی زندگیاں وابستہ ہیں۔ مافی الارحام کا علم گویا تمام حیوانات کے مبدأ کا علم ہے۔ علم مافی الغدان کی معاش کا اور موت کے زمان ومکان کا علم ان کی دنیوی زندگی کے خاتمے اور برزخی زندگی کے آغاز کا علم ہے۔

الغرض چونکہ یہ امور خمسہ تمام انسانوں بلکہ عام حیوانوں کے مبدء، معاش، معاد اور ان کی دنیا وآخرت سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے علم کا تفرد حق تعالےٰ سے بیان کر دیا گیا تاکہ انسان اندازہ کر سکے کہ جب ایسی چیزوں کا پورا علم بھی کسی مخلوق کو حاصل نہیں جو مخلوق ہی سے متعلق ہیں تو جو وراء الوراء کی چیزیں ہیں ان کو کسی مخلوق کا علم کیوں کر محیط ہو سکتا ہے۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ۵

(یہ تینوں جواب اجمالاً عمدۃ القاری میں مذکور ہیں۔)

امور خمس کا علم صرف حق تعالےٰ ہی کو ہونا اور کسی مخلوق کے لئے اس کا حاصل نہ

ہونا قرآن واحادیث کی رو سے اتنا روشن مسئلہ ہے کہ اجلّہ علماء امت نے اس کے خلاف ادعا کرنے والوں کے حق میں سخت حکم لگایا ہے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری میں علامہ محمود بدرالدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ زجاج سے ناقل ہیں۔

من ادعی انہ یعلم شیئًا من هذه الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم ۵	"جو شخص ان پانچ میں کسی ایک کے علم کا بھی دعوے کرے تو وہ قرآن کا منکر ہے اور گویا اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا"
عمدۃ القاری ص ۱/۶	

چھبیسویں حدیث[۲۶]

طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

انا اوّل من یوذن له یوم القیامة فی السجود ثم یوذن لی ان ارفع راسی فاعرف امتی عن یمینی وعن شمالی فقیل کیف تعرفهم یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قال غر محجلون من الوضوء - (الحدیث) کنز العمال[۵۵] ص۱/۵۷	قیامت کے دن مجھے سب سے پہلے (بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی (چنانچہ میں سجدہ میں گر جاؤں گا) اس کے بعد مجھے سر اٹھانے کا حکم ہوگا پھر میں اٹھ کر اپنی امت کو دائیں بائیں پہچانوں گا۔ عرض کیا گیا حضور! آپ کیسے پہچانیں گے ؟ فرمایا ان کے چہرے اور دیگر اعضاء وضو، وضو کے اثر سے چمکتے اور روشن ہوں گے۔

حدیث نمبر ۲۷ و ۲۸

یہی طبرانی "معجم کبیر" میں اور حاکم "کتاب الکنیٰ" میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت کرتے ہیں،

قیل[۴۹] یارسول اللہ کیف تعرف من لم تر من امتك قال غر محجلون بلق من اثار الطهور - {کنز العمال[۵۹] ص۱/۵۷} (الحدیث)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضورؐ نے اپنے جن امتیوں کو نہیں دیکھا ان کو آپ قیامت میں کیسے پہچانیں گے ؟ ارشاد فرمایا ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے آثار سے روشن اور سفید ہوں گے۔

نیز طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت ابو سعید[۵۸] خدری رضی اللہ عنہ سے قریب قریب انہی الفاظ میں ایک حدیث روایت کی ہے البتہ اس میں "بلق" کا لفظ نہیں ہے۔ اور بجائے "من آثار الطهور" کے "من الوضوء" ہے۔

(ایضاً کنز[۶۰] ص۱/۵۷)

۲۹
انتیسویں حدیث

نیز طبرانی کبیر میں، امام احمد مسند میں، اور سعید بن منصور اپنے مستخرج میں حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(۵۱) مامن امتی احد الا وانا اعرفه یوم القیامة قالوا کیف تعرفهم یا رسول اللہ فی کثرة الخلائق قال ارأیت لو دخلت صبرة فیها خیل دهم بهم و فیها فرس اغر محجل اما کنت تعرفه قالوا بلی قال فان امتی یومئذ غر من اثر السجود محجل من الوضوء (کنز العمال ج ۶ ص ۱۷۵)

قیامت کے دن میں اپنے ہر امتی کو پہچان لوں گا بعض صحابہؓ نے عرض کیا حضرت آپ مخلوقات کی اس بے انتہا کثرت میں کیسے پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا بتلاؤ! اگر بہت سے لاتعداد سیاہ مشکی گھوڑے ایک جگہ جمع ہوں اور ان میں ایک پچکلیان ہو اور تم ان میں گھس جاؤ تو کیا اس پچکلیان گھوڑے کو ان میں نہیں پہچان سکو گے؟ سائل نے عرض کیا کیوں نہیں ہم ضرور پہچان لیں گے۔ آپ نے فرمایا بس میرے امتیوں کی پیشانیاں بھی اس دن سجدوں کے نشان سے روشن ہوں گی اور ان کے ہاتھ پیر وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔

۳۰
تیسویں حدیث

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ

(۵۲) ان رسول اللہ صلی اللہ علیه اتی المقبرہ فقال السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا، قالوا اولسنا اخوانك یا رسول اللہ قال انتم اصحابی واخواننا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لاتے اور فرمایا سلام ہو تم پر مسلمانوں کی اس بستی کے ساکنو! اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ پھر فرمایا کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا، تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک (اس دنیا میں)

الذین لم یاتو بعد فقالوا کیف تعرف من لم یات بعد من امتك یا رسول اللہ فقال ارأیت لو ان رجلا له خیل غر محجلة بین ظهری خیل دهم بهم الا یعرف خیله قالوا بلی یا رسول اللہ قال فانهم یاتون غرا محجلین من الوضوء وانا فرطهم علی الحوض الا لیذادن رجال من حوضی کما یذاد البعیر الضال اناد یهم الا هلم فیقال انهم قد بدلوا بعدك فاقول سحقاً سحقاً،

(صحیح مسلم باب استحباب اطالة الغرة والتحجیل فی الوضوء)

ورواه ایضاً مالك والشافعی واحمد والنسائی و ابن ماجہ وابن حبان کما فی الکنز ص ۸۷/۱ ج ۱۳

نہیں آئے، عرض کیا گیا حضور کے جو امتی ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ان کو آپ کیسے پہنچانیں گے۔ ارشاد فرمایا بتلاؤ! اگر کسی شخص کے چمکیلے گھوڑے سیاہ مشکی گھوڑوں میں ملے جلے ہوں تو کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیوں نہیں پہچانے گا ضرور پہچان لے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے امتی قیامت میں اس امتیازی شان سے آئیں گے کہ وضو کی برکت سے ان کے چہرے روشن اور ان کے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے اور میں حوضِ کوثر پر ان سے پہلے انتظام کام درست کرنے کے لئے پہنچ جاؤں گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ کچھ لوگ میرے حوض سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ جس طرح گم شدہ اونٹ ہانک دیا جاتا ہے تو میں انھیں پکاروں گا کہ ادھر آؤ! ادھر آؤ! تو مجھے بتلایا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین بدل ڈالا تھا۔ تو میں کہوں گا دُور! دُور!

ان پانچوں حدیثوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں پیدا ہونیوالے امتیوں کو وضو کی روشن نشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ آپ یوں ان کی شخصیتوں کو نہ جانتے ہوں گے (کیوں کہ اگر آپ ان کو شخصی طور پر جانتے پہچانتے تو پھر اس علامت سے شناخت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی)۔۔۔ اور یہ جب ہی متصور رہے کہ آپ کو "جمیع ما کان و ما یکون" کا علم قیامت تک بھی حاصل نہ ہوا ہو۔۔۔،

پھر صحابہ کرام کا یہ سوال کرنا کہ حضورؐ بعد میں پیدا ہونے والے اپنے امتیوں

کو جن کو آپ نے دیکھا نہ ہوگا کس طرح پہچانیں گے ــــ؟ صاف بتا رہا ہے صحابہ کرام کو حضورؐ کے متعلق "علم جمیع ماکان ومایکون" کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ ورنہ اگر بفرض انکا بھی یہ عقیدہ ہوتا تو اس سوال کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ کیا آجتک کبھی کسی کو حق تعالےٰ کے متعلق بھی یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے نیکوں اور بدوں کو کس طرح پہچانیگا ؟ ــــ ظاہر ہے کہ جس کا علم محیط ہو اور جو "حاضر ناظر" ہو اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ بہرحال ان احادیث سے ایک طرف تو صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن تک بھی جمیع "ماکان ومایکون" کا علم حاصل نہیں ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صحابہؓ کرام جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضل وکمال کے سب سے بہتر سمجھنے والے حضور کے بلاواسطہ شاگرد اور آپ کے سچے جاں نثار عاشق تھے۔ وہ بھی آپ کو عالم جمیع ماکان ومایکون" نہیں جانتے تھے۔ اور نہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آئندہ کسی وقت آپ کو جمیع ماکان ومایکون" کا علم محیط حاصل ہونے والا ہے۔ حالاں کہ قرآن پاک کی وہ آیتیں اس وقت نازل ہوچکی تھیں جن سے مدعیان علم غیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط ثابت کرتے ہیں۔ بالخصوص آیات "ماکان حدیثا یفتریٰ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شیئ الایۃ ــــ اور ــــ ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیئ الایۃ ــــ جن پر فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خانصاحب نے دعویٰ "علم جمیع ماکان ومایکون" کی بنیاد رکھی ہے ــــ ان احادیث کے زمانہ سے بہت پہلے نازل ہوچکی تھیں، کیوں کہ ان میں پہلی آیت سورۂ یوسف کی ہے اور دوسری سورۂ نحل کی اور یہ دونوں سورتیں ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ احادیث مندرجہ بالا ہجرت سے بہت بعد کی ہیں (کما لایخفی علی اہل العلم وارباب التحقیق والتفصیل لایسعہ ہذا المقام)

بہرحال ان احادیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام نے ان آیات سے وہ مطلب نہیں سمجھا تھا جو ہمارے زمانے کے یہ مدعیان عشق ومحبت لیتے ہیں ورنہ وہ حضور سے یہ سوال ہی نہ کرتے کہ "آپ ان امتیوں کو کیسے پہچانیں گے۔ جن کو آپ نے دیکھا نہیں ؟ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے جواب میں یہ ارشاد نہیں فرمایا

کہ حق تعالےٰ نے مجھے تمام ماکان ومایکون کا علم محیط عطا فرما دیا ہے یا وہ آئندہ مجھے عطا فرما دیا جائے گا۔ یا "مجھے "حاضری ناظری" کی صفت عطا۔ فرمائی جائے گی۔ اور اس لئے میں بعد میں آنے والے اپنے امیتوں کو بھی دیکھتا بھالتا اور جانتا پہچانتا رہوں گا ــــ نیز آپ نے اس سوال کے جواب میں یہ بھی نہیں فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے قرآن پاک میں فلاں فلاں آیتیں نہیں پڑھیں جن سے میرا "عالم الغیب" یا "عالم جمیع ماکان ومایکون" ہونا تم کو معلوم ہو جاتا" ــــ بلکہ آپ نے یہ جواب دیا کہ میں بعد میں پیدا ہونیوالے ان امتیوں کو وضو کے روشن نشانات سے شناخت کرلوں گا۔

الغرض ان احادیث پر سرسری نظر کرنے سے ایک طرف تو صاف طور پہ یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک بھی علم محیط اور علم جمیع ماکان ومایکون عطا نہیں فرمایا جائے گا، اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے دل و دماغ اس "غنیہ عقیدہ" کے تصور سے بھی بالکل خالی تھے۔ اور تیسری بات یہ بھی صاف ہو جاتی ہے کہ "مدعیان علم غیب نبوی" جن آیات قرآنیہ سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے "علم محیط" اور علم جمیع ماکان ومایکون ثابت کرتے ہیں، وہ ان کا محض اختراع ہے اور صحابہ کرام رضؓ نے ان آیات کا کبھی یہ مطلب نہیں سمجھا حالاں کہ وہ قرآن پاک کے اولین مخاطب اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست اور بلاواسطہ شاگرد تھے ؎

سرخدا کہ عارف وزاہد بکس نہ گفت
درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

پھر حضرت ابوہریرہؓ والی آخری حدیث میں جو حوض کوثر کا واقعہ مذکور ہے ہمارے دعویٰ کی ایک علیٰحدہ اور مستقل دلیل ہے اور اس مضمون کی حدیثیں بالفاظ مختلفہ بہت سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں جنمیں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

اکتیسویں[۳۱] حدیث

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محشر کے بعض احوال بیان

فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وانہ سیجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول یارب اصحابی فیقول انک لاتدری مااحدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیداً مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیٔ شھید (الی قولہ الحکیم) فیقال انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم"

صحیح بخاری باب کیف الحشر پ ۲۶ صحیح مسلم ص ۳۸۹ ج ۲ وکنز العمال ص ۲۰۷ ج ۷

کہ وہاں میری امت کے بعض لوگ لائے جائیں گے اور پھر ان کو بائیں جانب (جہنم کی طرف) لیجایا جائے گا تو میں عرض کروں گا، میرے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی اور میرے آدمی ہیں وہ فرمائے گا کہ تمہارے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کیں وہ تمہیں معلوم نہیں ہیں۔" تو میں خدا کے نیک بندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح عرض کروں گا۔ کہ خداوندا! میں جب تک ان میں رہا ان سے خبردار تھا۔ پھر جب تو نے مجھے بلا لیا۔ تو تو ہی ان کی خبر رکھتا تھا۔ اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ الخ پھر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ یہ لوگ برابر ایڑیوں کے بل (دین سے) لوٹتے رہے اور مرتد ہو گئے۔

بتیسویں حدیث

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یردعلی یوم القیمۃ رھط من اصحابی فیحلئون عن الحوض فاقول یارب اصحابی فیقول انک لاعلم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری۔

(صحیح بخاری کتاب الحوض)

ورواہ ایضاً ابن ماجہ کما فی کنز العمال ص ۲۲۱ ج ۷

قیامت کے دن میرے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت میرے پاس حوض پر وارد ہوگی پھر اس کو ہانک دیا جائے گا۔ (یعنی فرشتے خدا کے حکم سے اس کو حوض سے ہٹادیں گے) تو میں عرض کروں گا میرے پروردگار! یہ میرے ساتھ والے ہیں وہ فرمائے گا۔

انہوں نے تمہارے بعد جو نئی نئی حرکتیں کیں ہیں وہ تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ یہ بدبخت تو بالکل مرتد ہو گئے تھے۔

حدیث نمبر ۳۳ و ۳۴

صحیح بخاری، مسلم صحیح اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

انا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم ثم لیختلجن دونی فاقول یارب اصحابی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک۔

(صحیح بخاری کتاب الحوض و صحیح مسلم ص ۲۵۰ ج ۲ کنز العمال ص ۲۲۱ ج ۷)

(یعنی ابتدائی انتظامات کے لئے) میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچ جاؤں گا۔ اور تم میں سے کچھ آدمی میری نظر کے سامنے آئیں گے تو مجھ سے دور روک دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا۔ خداوندا یہ میرے ساتھ کے اور میرے آدمی ہیں فرمایا جائے گا۔ کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔ انہوں نے تمہارے بعد جو نئی نئی حرکتیں کیں۔

پینتیسویں حدیث ۳۵

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

(۵۷) لیردن علیّ ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتھم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول لاتدری ما احدثوا بعدک۔

صحیح بخاری کتاب الحوض و صحیح مسلم ص ۲۵۲ ج ۲ و کنز العمال ص ۲۲۱ ج ۷

یعنی میرے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے۔ یہاں تک کہ جب میں ان کو پہچان لوں گا تو مجھ سے ہٹا دیئے جائیں گے تو میں عرض کروں گا یہ تو میرے ساتھ والے ہیں۔ ارشاد ہوگا تمھارے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کی ہیں وہ تمہیں معلوم نہیں ہیں۔

چھتیسویں حدیث ۳۶

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(۵۸) لیردن علیّ اقوام اعرفھم د

یعنی کچھ لوگ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے کہ

يعرفوني ثم يحال بيني و بينهم فاقول انهم مني فيقال انك لاتدري ما احدثوا بعدك فاقول سحقاً سحقاً لمن غير بعدي ـ

(صحیح بخاری کتاب الحوض وصحیح مسلم صفحہ ۲۴۹/۲)

میں ان کو پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے پھر ان کے اور میرے درمیان پردہ کر دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں فرمایا جائے گا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کی ہیں ان کی آپ کو خبر نہیں تو میں کہوں گا "دور ہوں وہ بدبخت جنہوں نے میرے بعد دین کو بدلا ۔

سینتیسویں (۳۷) حدیث

مسند احمد حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوثر کا ذکر کرتے ہوتے فرمایا۔

ترد[۶۹] عليه امتي يوم القيمة عدد الكواكب ليختلج العبيد منهم فاقول يارب الذ من امتي فيقال انك لاتدري ما احدثوا بعدك ـ

(کنز العمال صفحہ ۲۲۱/۷)

قیامت کے دن (حوض کوثر) پر میری امت وارد ہو گی ...... اور ان میں سے ایک شخص کو ہٹا دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا۔ خداوندا! یہ تو میری امت میں سے ہے۔ ارشاد فرمایا جائے گا۔ کہ تم نہیں جانتے۔ اس نے تمہارے بعد جو نئی حرکتیں کی تھیں ۔

اڑتیسویں (۳۸) حدیث

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يرد[۷۰] على قوم ممن كان معي فاذا رفعوا الى رأيتهم اختلجوا دوني فاقول يارب اصحابي اصحابي فيقال انك لاتدري ما احدثوا بعدك ـ

میرے ساتھ والوں میں [illegible] ایک جماعت مجھ پر وارد ہو گی۔ پس جب وہ میری نظروں کے سامنے آجائیں گے اور میں ان کو دیکھ لوں گا تو مجھ سے دور روک دیئے جائیں گے۔ پس میں عرض کروں گا کہ اے پروردگار یہ تو میرے ساتھ کے ہیں۔ فرمایا جائے گا۔ آپ کو معلوم

(کنز العمال ۲۲۵/۷)۸ نہیں ہے انہوں نے آپ کے بعد جو ایجادیں کیں۔

انتالیسویں[۳۹] حدیث

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی[۶] علی الحوض حتی انظر من یرد علیّ منکم وسیؤخذ ناس دونی فاقول یا رب منی ومن امتی فیقال هل شعرت ما عملوا بعدك والله ما برحوا یرجعون علی اعقابهم الخ

(صحیح بخاری[۶۹] کتاب الحوض وصحیح مسلم ۲۵۱/۲۲)

یعنی میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ جو لوگ میرے پاس آئیں گے ان کو دیکھوں گا۔ اور کچھ آدمی میرے پاس پہنچنے سے پہلے پکڑ لئے جائیں گے تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب یہ میرے ہیں اور میرے امتی ہیں۔ تو جواب دیا جائے گا کیا تم کو پتہ ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کرتوت کئے؟ خدا کی قسم وہ برابر ایڑیوں کے بل پیچھے لوٹتے رہے۔

چالیسویں[۴۰] حدیث

مسند احمد اور معجم کبیر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

یا ایها[۶۲] الناس انی بینما انا علی الحوض اتی بکم رفقةً رفقةً فذهبت طائفةٌ منکم هٰهنا وههنا فقلت ما لهم هلموا الی فصرخ صارخ فقال انهم قد بدلوا بعدك فاقول سحقاً سحقاً"

(کنز العمال[۶۱] ۲۲۵/۷)

اے لوگو! اس اثنا میں جب کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ ٹولی ٹولی کر کے لایا جائے گا پس ایک ٹولی اِدھر اُدھر ہو جائے گی۔ تو میں کہوں گا انہیں کیا ہوا؟ میری طرف لاؤ پس ایک پکارنے والا پکارے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد بڑی تبدیلیاں کر ڈالی تھیں۔ تو میں کہوں گا دور ہوں دور ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ مگر وہاں الفاظ میں کچھ فرق ہے ملاحظہ ہو صحیح مسلم[۶۲] ۲۵/۲۲"

اکتالیسویں حدیث

مسند احمد اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ایک مجمع میں ارشاد فرمایا۔

انی علی الحوض انتظر من یرد علیّ منکم فواللہ لیقطعن دونی رجال فلاقولن ای رب منی ومن امتی فیقول انک لاتدری ما عملوا بعدک مازالوا یرجعون علی اعقابھم،،۔ (صحیح مسلم ص ۲۴۹ ج ۲ و کنزالعمال ص ۲۴۱ ج ۷)

میں حوض پر تم میں سے آنے والوں کا انتظار کروں گا۔ پس خدا کی قسم کچھ لوگوں کو مجھ سے دور ہی الگ کر لیا جائے گا تو میں کہوں گا خداوندا! یہ میرے ہیں اور میرے امتی ہیں۔ وہ ارشاد فرمائے گا۔ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا کرتوت کئے یہ برابر الٹے پاؤں (دین سے) لوٹتے رہے (اور آپ کے بعد دین سے برگشتہ ہو گئے)

حدیث نمبر ۳۰ سے یہاں تک کل بارہ حدیثیں ہیں جنمیں مختلف اسالیب وعنوانات سے حوض کوثر پر پیش آنے والے ایک واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

حشر کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر ہوں گے۔ اور اپنے امتیوں کی دیکھ بھال اور ان کی سیرابی وراحت رسانی کا انتظام فرما رہے ہوں گے۔ کچھ لوگ آپ کی نظر پر پڑیں گے۔ جن کو آپ پہچانتے ہوں گے کہ اتنے میں فرشتے آپ کی طرف آنے سے ان کو روک دیں گے اور دوزخ کی طرف ان کو چلتا کر دیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ خداوندا! یہ تو مجھ سے تعلق رکھنے والے اور میرے امتی ہیں جواب ملے گا کہ آپکو معلوم نہیں کہ آپکے بعد انہوں نے کیا کیا نئی نئی حرکتیں کیں اور کیا کرتوت کئے یہ تو بعد میں مرتد ہو گئے تھے۔ حضورؐ علیہ وسلم یہ جواب سن کر (نہ صرف) سر تسلیم خم کر دیں گے بلکہ فرمائیں گے کہ میرے بعد جنہوں نے دین کو برباد کیا وہ دور ہی ہوں تو بہتر ہے۔

یہ ہے قریباً مشترک مضمون ان احادیث کا۔ پھر اکثر کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب کہ آپ کے بعد انہوں نے جو تبدیلیاں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں"۔

خود حق تعالےٰ دے گا۔ اور بعض روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ آپ کو یہ جواب دیگا اور تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ حق تعالےٰ کے حکم سے فرشتہ ہی یہ جواب دے گا۔ بہرحال یہ جواب اگرچہ فرشتہ ہی کی زبان سے ہوگا، لیکن وہ حق تعالےٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم سے دیا جائیگا

ان احادیث سے ہمارا استدلال صاف ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت سے پہلے کسی وقت بھی جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل ہوگیا ہوتا تو ان مرتدین ومطرودین کا ارتداد اور ان کی دینی تبدیلیاں اور گمراہیاں بھی آپ کے علم میں ہوتیں اور محشر میں آپ سے یہ نہ کہا جاتا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا وہ آپ کو معلوم نہیں ہے "

بہرحال حدیث پاک کے یہ الفاظ کہ ۔

(۱) "انك لا تدری ما احدثوا بعدك"	"اے رسول! بہ تحقیق تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد جونئی نئی حرکتیں کیں"
اور (۲) "انك لا علم لك بما احدثوا بعدك"	"بیشک تمہیں علم نہیں ہے ان نئی نئی حرکتوں کا جو انہوں نے تمہارے بعد کیں "
اور (۳) "هل شعرت ما عملوا بعدك"	"کیا آپ کو پتہ ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کرتوت کئے"
اور (۴) "انك لا تدری ما عملوا بعدك"	بقیناً تمہیں معلوم نہیں ہے وہ جو انہوں نے تمہارے بعد کیا۔

غرض یہ سب الفاظ صاف اور واضح طور پر بتلا رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی آخری گمراہیوں اور بدانجامیوں کا علم نہیں تھا ۔

ہمارے مخالفین کی رکیک تاویل

مدعیان علم غیب ان صاف صریح احادیث میں بھی تاویل سے باز نہ رہے ان نصوص صریحہ کو توڑ مروڑ کر اپنے موافق بنانے کے لئے انہوں نے خوب خوب علم و دیانت کے جوہر دکھائے۔ مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ان احادیث کے

متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ـــــ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے سب اگلے پچھلے اعمال کا علم تو حاصل تھا اور ان کی آخری گمراہیاں اور بد انجامیاں آپ کو تفصیلاً معلوم تھیں۔ اور کوئی ایک حرکت بھی ان کی آپ سے مخفی نہ تھی۔ لیکن قیامت میں چوں کہ حضورؐ کے سامنے بہت سے کام ہوں گے۔ اور آپ کو بے انتہا مصروفیت ہوگی۔ لہذا اس وقت آپ کو ان کے انجام سے ذہول ہو جائے گا۔ اور اس ذہول ہی کی بناء پر آپ ان کی شفاعت کا اقدام فرمائیں گے اور آپ کو جواب ملے گا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ـــــ یعنی ـــــ آپ بھولے ہوئے ہیں "۔

پھر اس تاویل کے لئے ان حضرات نے جو دلائل یا قرائن پیش کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) احادیث میں آتا ہے کہ عالم برزخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمالِ امت پیش کئے جاتے ہیں، ازانجملہ وہ حدیث ہے جس کو بزاز نے مسند میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایات کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:-

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من شیئ استغفرت اللہ لکم۔	میری زندگی تمہارے لئے بہتر اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ پس جو نیکی ہوگی اس پر حمدِ الٰہی بجا لاؤں گا۔ اور جو برائی ہوگی خدا سے تمہارے لئے بخشش طلب کروں گا۔

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس دنیا میں بھی حضورؐ کے سامنے آپ کی امت کے اعمال پیش ہو چکے ہیں۔ چنانچہ جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد و عرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا	مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے یہاں تک کہ تنکا جسے آدمی مسجد سے نکالے۔ اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش ہوتے تو میں نے کوئی گناہ اس سے

اعظم من سورة من القرآن او اٰية اوتيها رجل ثم نسيها "	بڑا نہ دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن عظیم کی کوئی سورت یا آیات دی جائے پھر اس کو بھلا دے۔

مدعیان علم غیب فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت کے سارے اچھے برے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آچکے اور برزخ میں بھی پیش کئے جائیں گے لہذا حوض کوثر پر پیش آنے والے واقعہ کو اس پر محمول کیا جانا ضروری اور متعین ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہول ہو گیا۔ (ملخصاً)

(۲) ان کی دوسری دلیل یا دوسرا قرینہ جوان صاحبان کے نزدیک اس بحث میں گویا ایک فیصلہ کن چیز ہے یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں خواب کی حالت میں وہ لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلا دیئے گئے اور یہ حوض پر پیش آنے والا پورا واقعہ خواب کی حالت میں حضور پر گزر چکا اس لئے اس کے سوا کوئی مفر نہیں کہ حوض پر پیش آنے والے واقعہ کو ذہول پر محمول کیا جائے ــــــ صحیح بخاری کی وہ حدیث یہ ہے۔

بينا انا نائم فاذا زمرة حتى اذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم فقال هلم فقلت اين قال الى النار والله قلت وما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك على ادبارهم القهقرى	میں سو رہا تھا ناگاہ ایک گروہ گزرا یہاں تک کہ جب میں نے انہیں پہچان لیا ایک شخص نے میرے اور ان کے بیچ سے نکل کر ان سے کہا آؤ! میں نے کہا! کہاں؟ اس شخص نے کہا خدا کی قسم دوزخ کی طرف میں نے کہا" ان کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا یہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پیچھے پلٹ گئے۔

(۳) تیسرا قرینہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی روایت سے جو حدیث حوض وارد ہوئی ہے اس میں یہ الفاظ وارد ہیں "اماشعرت ماعملوا بعدك" اور اس میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔ لہذا حاصل مطلب یہ ہو کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، کیوں کہ نفی کی نفی سے اثبات کا نتیجہ نکلتا ہے، اور جب اس ایک حدیث میں ہمزہ انکاری معلوم ہو گیا تو دوسری روایات میں ہمزہ کو مقدر ماننا جائے گا۔ لہذا سب روایات کا مطلب یہ ہو گا کہ:۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا"

یہ ہیں ہمارے مخالفین کے "زبردست دلائل" اور فی الحقیقت افسوسناک مجادلانہ مغالطے — اور اب ملاحظہ فرمائیے منبر داران کی حقیقت!

(۱) اعمال امت کی پیشی کے متعلق جو حدیثیں ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں اول تو ان میں اسکا کوئی ذکر نہیں کہ یہ پیشی اجمالی ہوتی ہے یا تفصیلی بلکہ شارحین حدیث نے اس کو اجمالی پیشی پر محمول کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ پیشی صرف "امت اجابت" یعنی مسلمانوں ہی کے اعمال کی ہوتی ہے نہ کہ تمام "امت دعوت" کے اعمال کی جس میں کفار و مرتدین اور مشرکین و منافقین کے اعمال بھی داخل ہوں۔ چنانچہ خود ان احادیث میں اس کا واضح قرینہ موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو حدیث مسند بزاز کے حوالے سے اوپر مذکور ہوتی ہے۔ اس کے ان آخری الفاظ پر غور فرمائیے!

فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم

یعنی جو عمل اچھا میرے علم میں آئے گا۔ اس پر میں خدا کا شکر کروں گا اور جو برا عمل ہوگا۔ اس پر میں خدا سے تمہارے لئے مغفرت کروں گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت پر صرف وہ گناہ پیش کئے جائیں گے۔ جن کی مغفرت ہو سکے گی اور جن پر آپ بارگاہ خداوندی میں معافی کی سفارش فرما سکیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ کفر و شرک اور ارتداد ایسا گناہ نہیں ہے۔

"اسی طرح ترمذی اور ابوداؤد کے حوالے سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث مذکور ہوئی اس میں بھی تصریح ہے کہ میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں دیکھا کہ ایک آدمی قرآن کی کوئی صورت یا آیت بھلا دے۔"

اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آپ پر صرف مسلمانوں کی نیکیاں اور بدیاں پیش ہوئیں ورنہ ظاہر ہے کہ کفار اور مرتدین کے گناہ (کفر و ارتداد وغیرہ) قرآن پاک بھلا دینے سے بدرجہا زیادہ سنگین ہیں۔

الغرض "عرض اعمال" کی خود یہی احادیث بتلا رہی ہیں کہ آپ پر صرف مسلمانوں کے ثواب یا گناہ کے کام پیش ہوتے یا برزخ میں پیش ہوں گے، کفار یا مرتدین کے گناہوں کے پیش ہونے

کا ان احادیث میں کوئی ذکر نہیں ـــــ اور حوض کوثر پر جن لوگوں کے متعلق آپ سے کہا جائے گا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو حرکتیں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں " یہ مرتدین ہوں گے جیسا کہ احادیث مذکورہ سابقہ کے الفاظ انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم ـــــ اور ـــــ انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری " سے ظاہر ہے ـــــ پس عرض اعمال کی ان احادیث کی بنا پر (جن کا تعلق صرف مسلمانوں کے اعمال سے ہے) یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ ان مرتدین کے مرتدانہ اعمال بھی حضور پر پیش ہو چکے اور آپ کے علم اقدس میں آچکے تھے۔

(۱۴) ـــــ صحیح بخاری کی جس حدیث سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور کو یہ لوگ خواب میں دکھلائے جا چکے اور یہ پورا واقعہ خواب کی حالت میں آپ پر گزر چکا ـــــ اگر اس حدیث کے متعلق ان حضرات کے بیان کو بالکل صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو ان اعمال کی تفصیل بھی معلوم ہو گئی۔ جن کے متعلق آپ سے آخرت میں کہا جائے گا کہ انك لا تدری بما احدثوا بعدك ـــــ یا ـــــ انك لا علم لك بما احدثوا بعدك " ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارا اصل استدلال حدیث کے اسی خاص جزء سے ہے۔ (فتفکروا ولا تغفلوا فان الفرق دقیق)

(۱۵) علاوہ ازیں یہ کسقدر افسوسناک بددیانتی ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب الکلمۃ العلیا صـ۱۲۱ پر صحیح بخاری کا نام لے کر یہ حدیث لکھدیتے ہیں اور اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے کہ اس موقع پر صحیح بخاری کے نسخوں میں ایک اہم اختلاف ہے، ایک نسخہ "بینا انا قائم" ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت پر خواب میں گزرا۔ اور دوسرا نسخہ یہاں "بینا انا قائم" ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں جب کہ میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا یہ واقعہ پیش آئے گا، اور اسی دوسرے نسخے (بینا انا قائم) کو علامہ بدر الدین عینی نے "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں اور امام ابن عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں ترجیح دی ہے اور اسی کو "اوجہ" لکھا ہے (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری صـ ۱۴۲/۲۳ وفتح الباری صـ ۲۵۱/۲۲)

پس جب کہ ایک نسخہ بینا انا قائم " موجود ہے، اور شارحین اسی کو ترجیح دے رہے ہیں اور وہی دوسری روایات کے بھی موافق ہے تو پھر دوسرے مرجوح نسخے کو سند میں پیش کرنا

کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اختلاف روایت کا نہیں ہے بلکہ اختلاف نسخہ کا ہے پس ایسی صورت میں اس سے اور اس کے بھی مرجوع نسخے سے استدلال و استناد کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ انّ الظن لا یغنی من الحق شیئاً ـــــ یہ ہے حال ان حضرات کی اس دلیل اور اس سند کا جس کو یہ اپنی سب سے بڑی دستاویز سمجھتے ہیں۔

(۱۳) صحیح مسلم کی حضرت اسماء والی روایت کے یہ لفظ "اماشعرت" کو بھی ان حضرات نے ڈھول کی سند میں پیش کیا ہے ـــــ اس کے متعلق پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا ہمزۂ استفہام کا ہمیشہ انکاری کے لئے ہونا لازمی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر اس کی کیا دلیل ہے کہ اس روایت میں ہمزہ استفہام انکاری ہی کے لئے ہے؟ ـــــ اور اگر بالفرض ہمزہ کو انکاری ہی کے لئے مانا جائے تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ما زائدہ ہو اور کلام عرب میں حروف نفی ما اور لا کی زیادت بکثرت ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیوں کہ حضرت اسماء کی اسی حدیث میں صحیح بخاری کی روایت میں "اماشعرت" کے بجائے ھل شعرت بغیر حروف نفی کے واقع ہوا ہے۔ پس دونوں روایتوں میں پوری پوری معنوی تطبیق اسی طرح ہو سکتی ہے کہ مسلم کی روایت میں "ما" کو زائدہ مانا جائے۔ اس صورت میں "ھل شعرت" اور "اماشعرت" دونوں کا مفاد بالکل ایک ہو جائے گا۔ و نیز ان دوسری حدیثوں سے بھی کامل موافقت اور مطابقت ہو جائے گی، جنہیں صاف "انک لا تدری" یا "انک لا علم لک" وغیرہ الفاظ وارد ہوتے ہیں جو نفی علم میں صاف صریح اور ناقابل تاویل و توجیہ ہیں۔

پھر احادیث کے استقرائے سے معلوم ہوتا ہے کہ اماشعرت کا استعمال زیادہ تر ایسے ہی مواقع پر ہوا ہے کہ مخاطب کو پہلے سے اس چیز کا علم نہیں ہوتا معجم کبیر طبرانی میں حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اماشعرت ان اللہ عزوجل قد زوجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وکلثم اخت موسیٰ وامراۃ فرعون"، (کنزل العمال ص۱۰۳ ج۶)

ظاہر ہے کہ حضور جس سے یہ فرما رہے ہیں اس کو اس سے پہلے اس کی کیا خبر ہوگی،

پھر خود حدیث اسماء کی مسلم والی ہی روایت میں "اماشعرت ما عملوا بعدک" کے بعد جو یہ جملہ ہے کہ "واللہ ما برحوا بعدک یرجعون علی اعقابھم" یہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ حضور کو ان کی اس رجعتِ قہقہری کا علم نہیں تھا اور اب آپ کو بتلایا جا رہا ہے ـــــ ورنہ اگر بفرض "اماشعرت" سے اثبات علم مقصود ہوتا ـــــ جیسا کہ ہمارے خوش فہم مخالفین

کا دعویٰ ہے تو پھر آپ کو ان کے ارتداد کی روداد سنانے اور اس کو بھی قسم سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی، بس صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا "اما شعرت ما عملوا بعدک" الغرض قطع نظر دوسری احادیث سے اسی مسلم کی روایت کا یہ آخری جملہ مدعیان علم غیب کی اس تاویل کی بیخ کنی کر رہا ہے (کما لا یخفیٰ علی من لہ قلب او القی السمع وھو شھید)

الحاصل ہمارے مخالفین نے احادیث حوض کو "ذہول" پر محمول کرنے کے لئے جو شواہد اور قرائن پیش کئے ہیں وہ درحقیقت محض مغالطے اور سفسطے ہیں جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا۔

پھر اس ساری بحث سے قطع نظر، اکتیسویں نمبر پر ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے حوالہ سے درج کی ہے۔ اس کا آخری حصہ تو اس "ذہول" کے احتمال کو بالکل ہی ختم کر دیتا ہے۔ ذرا پھر ان الفاظ پر ایک نظر فرمائیے۔

ارشاد ہے کہ جب ان لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ تو عرض کروں گا: یا ربِ اصحابی (خداوندا یہ میرے ساتھ کے ہیں) ارشاد ہوگا۔ "انک لا تدری ما احدثوا بعدک" آپ کے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں) اس کے بعد میں عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں عرض کروں گا:

کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیءٍ شھید"

میں جب تک ان میں رہا ان سے خبردار تھا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کی خبر رکھنے والا تھا اور تو ہی ہر چیز کا خبردار ہے۔

("شھید" اور "رقیب" کا ترجمہ "خبردار" حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے)

حدیث کے اس حصہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کو اپنی حیات طیبہ کے زمانہ میں احوال امت کا جیسا علم تھا بعد کے احوال کی ایسی خبر نہیں ہوتی اور اگر بفرض ذہول مانا جائے تو "زمانہ حیات" اور "بعد وفات" کی یہ تفریق بے معنیٰ ہو گی۔ (کما لا یخفیٰ علی من اوتی الفہم السلیم والعقل المستقیم)

حاصل بحث یہ کہ واقعہ حوض کی مندرجہ بالا بارہ[۱۲] حدیثیں ہمارے دعویٰ کی غیر مشکوک -

دلیلیں ہیں اوران سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض لوگوں کے حالات قیامت تک مخفی رہیں گے، پس "جمیع ماکان وما یکون" کے علم تفصیلی محیط کا دعویٰ ان احادیث سے بھی باطل ہے۔ واضح رہے کہ بہت سے محدثین کے اصول پر حوض کی یہ احادیث "متواتر" ہو جاتی ہیں اور ایک صاحب بصیرت کے لئے ان کے موجب علم یقینی ہونے میں تو شبہ ہی نہیں، فللہ الحجۃ السامیۃ ولہ الحمد۔

بیالیسویں حدیث

صحیحین (بخاری ومسلم) اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے شفاعت کی جو طویل حدیث مروی ہے اس میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل محشر جب دوسرے انبیاء اولوالعزم کے پاس سے بے نیل مرام واپس ہوکر میرے پاس آئیں گے تو میں فوراً "شفاعت" کے لئے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گا۔

فاقع ساجدا لربی ثم یفتح اللہ علیّ من محامدہ وحسن الثناء علیہ شیئا لم یفتحہ علی احد قبلی الحدیث۔ (صحیح بخاری پ ۱۹ تفسیر سورۂ بنی اسرائیل وصحیح مسلم کتاب الایمان ص ۱۱۱ ج ۱)

اور میں سجدہ میں گر جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی بہترین تعریفیں منکشف فرمائے گا۔ اور بہترین ثنا کا مجھے الہام ہوگا کہ مجھ سے پہلے کسی کو حمد وثنا کا وہ عمدہ طریقہ نہیں بتلایا گیا ہوگا۔ الخ

تینتالیسویں حدیث

نیز صحیحین (بخاری ومسلم) اور دوسری کتب حدیث میں شفاعت کی یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس موقعہ پر اس کے الفاظ یہ ہیں۔

استاذن علی ربی فیوذن لی ویلہمنی محامد احمدہ بہا لا تحضرنی الآن فاحمدہ بتلک المحامد الحدیث (صحیح بخاری پ ۳۰ کتاب التوحید وصحیح مسلم کتاب الایمان ص ۱۱۰ ج ۱)

میں بارگاہ الٰہی میں حاضری کی اجازت چاہوں گا پس مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی ایسی تعریفیں الہام فرمائے گا جو اس وقت مجھے معلوم نہیں پس میں انہی تعریفوں کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا۔ الخ

ان دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ بہت سے کلمات محامد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی

وقت الہام فرمائے جائیں گے اور اس سے پہلے سے آپ کے علم اقدس میں نہ ہوں گے، حالانکہ اگر ہمارے مخالفین کے دعوے کے مطابق ابتدائے آفرینش عالم سے داخلہ جنت و نار تک کی تمام کائنات کا علم تفصیلی محیط آپ کو اس دنیا میں حاصل ہو گیا ہوتا تو یہ محامد بھی علم شریف میں آ گئے ہوتے۔ پس یہ دونوں حدیثیں بھی "علم جمیع ماکان و مایکون" کے اس ادعاء کو باطل کرتی ہیں۔

چوالیسویں[۴۴] حدیث

صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الناس یصعقون یوم القیامۃ فاکون اول من یفیق فاذا انا بموسٰی[۱] اخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقۃ الطور۔	قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پس سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو اچانک میں جناب موسیٰ کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایا تھامے ہوئے ہیں معلوم نہیں کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا انہیں طور کی بے ہوشی کا یہ معاوضہ[ع] دیا گیا کہ (وہ اس موقعہ پر بے ہوش نہیں ہوتے۔)
(صحیح بخاری پ ۱۳ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ص ۲۶۷ ج ۲)	

پینتالیسویں[۴۵] حدیث

نیز صحیحین (بخاری و مسلم) اور دوسری کتب حدیث میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

الناس یصعقون فاکون اول من یفیق فاذا موسٰی باطش بجانب العرش فلا ادری اکان فیمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ عز وجل۔	لوگ (قیامت کے دن) بیہوش ہو جائیں گے پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ پس اچانک میں دیکھوں گا کہ جناب موسیٰ عرش کا کنارہ پکڑے ہوتے ہیں۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ آیا وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ انہیں میں سے ہیں، جن کو اللہ تعالےٰ نے اسدن کی بیہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔
(صحیح بخاری پ ۱۳ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ص ۲۶۷ ج ۲)	

عہ یعنی بدلہ از مصحح عفی عنہ

اگر کسی کو عربیت کا صحیح ذوق حاصل ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں "فلا ادری" کا لفظ جس سیاق میں واقع ہوا ہے۔ اس کا اقتضاء یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہوش میں آنے کے بعد حضرت موسیٰ کو کھڑا دیکھیں گے۔ تو اس وقت بھی آپ کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ آیا موسیٰ بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا پہلے ہوش میں آگئے ——— حالانکہ اگر آپ کو اس وقت تک بھی "جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط" حاصل ہوتا تو یہ چیز آپ کے علم سے باہر نہ ہوتی۔

بہرحال یہ دونوں حدیثیں بھی "علم جمیع ماکان ومایکون کے خلاف واضح دلیلیں ہیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

حدیث نمبر ۴۶ و ۴۷

صحیح بخاری وصحیح مسلم و دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یقول اللّٰہ تبارک وتعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر ذخرا من بلہ ما اطلعتم علیہ ثم قرأ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ الم تنزیل السجدہ ۹۶ وصحیح مسلم ص ۳۷۸/۲۷ ۹۴)

(ترجمہ) اللہ تعالے کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ان چیزوں کو بطور ذخیرہ تیار کر کے رکھا ہے۔ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔ نہ کسی کان نے سنا ہے۔ اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ ہی گزرا ہے، اور یہ چیزیں ماسوائے جنت کی ان نعمتوں کے ہیں جن کی (اے بندو) تم کو اطلاع ہے۔ پھر آپ نے (بطور استشہاد) یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین"

اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے امام بخاری و امام مسلم کے علاوہ امام احمد، امام ترمذی، امام ابن ابی شیبہ، حافظ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ ابن الانباری اور امام بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ (درمنثور ۹۵ ج ۵ ص ۱۷۰ ومعالم التنزیل ۹۶ ج ۵ ص ۱۶۴)

اور صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

شہدت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلساً وصف فیہ الجنۃ حتّٰی انتھی ثم قال فی آخر حدیثہ فیھا مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر الحدیث، (صحیح مسلم صفحہ ۳۷۸ ج ۲)[96]

(ترجمہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مجلس میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس میں جنت کا حال بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ ختم فرما دیا پھر اپنے کلام کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اسمیں (جنت میں) وہ چیزیں بھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی کے دل میں ان کا خطرہ ہی گزرا ہے۔ الخ

اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ امام احمد نے بھی اپنے مسند میں روایت کیا ہے (ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۴۶۲)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت سہیل ساعدی کی ان دونوں حدیثوں کا صاف مفاد یہی ہے کہ اللہ تعالٰے نے جنت میں کچھ نعمتیں ایسی بھی تیار کر رکھی ہیں، جن کا کسی طرح کا علم بھی کسی کو حاصل نہیں، نہ سمعی، نہ بصری، نہ قلبی۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور آپ کے لئے بھی جنت کی وہ خاص نعمتیں ان سنی ان دیکھی اور ان جانی ہیں —— نیز حدیث کے سیاق سے یہ بھی ہر صاحب ذوق کے لئے بالکل ظاہر ہے کہ قیام قیامت بلکہ ان نعمتوں کے مستحقین کو دیئے جانے تک یہ نعمتیں اسی طرح سب سے مخفی اور سب کے لئے نامعلوم رہیں گی۔ حالاں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "جمیع ما کان وما یکون" کا علم محیط مانا جائے تو پھر آپ کو ان خاص نعماء جنت کا علم بھی ماننا پڑے گا۔ ورنہ پھر مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں جو عمومی نفی کی گئی ہے، وہ صحیح نہ رہے گی۔ بہر حال یہ دونوں حدیثیں بھی ہمارے مدعا کی نہایت واضح دلیلیں ہیں ——"

چوں کہ کتاب ہذا کے حصہ اول کی سترہویں آیت "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ" کے ذیل میں ان دونوں حدیثوں پر بھی بقدر کافی بحث کی جا چکی ہے۔ اور "مدعیان علم غیب" کی طرف سے ان کے جواب میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے یا کہا گیا ہے۔ اس سب کی تحقیقی اور تفصیلی جواب سے وہاں فراغت حاصل کی جا چکی ہے۔ اور اس بحث کا تمام مالہ وعلیہ وہاں لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں صرف ان حدیثوں کے اندراج ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس

کے متعلق ضروری بحث حصہ اول صلا تا ص۱۱۲ پر دیکھی جائیں۔

حدیث نمبر ۴۸

کنز العمال میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بحوالہ دیلمی مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سألت الله ان یجعل حساب امتی الیّ لئلا تفتضح عند الامم فاوحی الله تعالیٰ الیّ یا محمد بل انا احاسبهم فان کان منهم زلة سترتها عنك لئلا تفتضح عندك۔ (کنز العمال ص۲۱ ج۷)

(ترجمہ) میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت کا حساب کتاب میرے حوالے کر دیا جائے تاکہ دوسری امتوں کے سامنے اس کی رسوائی نہ ہو۔ پس حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی جواب ملا کہ "اے محمد! میں خود ان کا حساب کتاب کروں گا۔ پس اگر ان کی کوئی لغزش ہوگی تو میں اس کو تم سے بھی پوشیدہ رکھوں گا تاکہ تمہاری آنکھوں میں بھی وہ رسوا نہ ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت (کے بعض مقربین) کی لغزشیں ہمیشہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مخفی رہیں گے، حالاں کہ اگر آپ کو "علم محیط" یا "علم جمیع ما کان و ما یکون" ہوتا تو کسی مخلوق کا کوئی حال بھی آپ کے احاطہ علم سے باہر نہ ہوتا۔

فائدہ :- نیز اسی حدیث سے ہمارے اس خیال کی بھی صاف تائید ہو گئی کہ بعض احادیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اعمال امت کی پیشی کا ذکر آتا ہے تو اس سے تفصیلی پیشی مراد نہیں ہے۔ بلکہ اجمالی پیشی مراد ہے۔ کیوں کہ اگر وہ پیشی پوری تفصیلات اور تعینات و تشخصات کے ساتھ ہو، تو پھر کسی امتی کا کوئی اچھا برا عمل آپ کے علم شریف سے باہر نہ رہے، حالاں کہ حدیث مندرجہ بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ افرادِ امت کی کچھ لغزشوں کو آپ سے بھی مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۴۹

صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری مرض کا ایک واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ سے اس طرح مروی ہے۔

ثقل النبی صلی الله علیه وسلم فقال اصلی الناس؟ قلنا لا وهم ینتظرونك یا رسول الله قال ضعوا لی ماءً فی

المخضب قالت ففعلنا فاغتسل فذھب لینوٗ فاغمی علیہ ثم افاق فقال اصلی الناسؔ قلنا لاھم ینتظرونک یارسول اللہ قال ضعوا لی ماءً فی المخضب قالت ففعلنا فاغتسل ثم ذھب لینوٗ فاغمی علیہ ثم افاق فقال اصلی الناسؔ قلنا لاھم ینتظرونک یارسول اللہ قال ضعوا لی ماءً فی المخضب ففعد فاغتسل ثم ذھب لینوٗ فاغمی علیہ ثم افاق فقال اصلی الناسؔ قلنا لاھم ینتظرونک یارسول اللہ والناس عکوف فی المسجد ینتظرون النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلوٰۃ العشاء الاخرۃ فارسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ابی بکر بان یصلی بالناس الحدیث

صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب انما جعل الامام لیوتم بہ صحیح مسلم ۱۷۷/۱

(ترجمہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ سخت ہوگیا تو (ایک دن) آپ نے دریافت فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ؟ (یعنی کیا مسجد میں جماعت ہوچکی ؟) عرض کیا گیا ابھی نہیں، وہ سب حضورؐ کے منتظر ہیں، ارشاد ہوا میرے لئے ٹب میں پانی رکھو، چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور پانی رکھدیا گیا۔ حضور نے غسل فرمایا۔ پھر آپ کھڑے ہونے لگے تو آپؐ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد آپ کو افاقہ ہوا تو پھر آپ نے دریافت فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں وہ حضورؐ کے انتظار میں ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا، میرے لئے ٹب میں پانی رکھو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس حکم کی تعمیل کی اور پھر پانی رکھدیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور پھر اٹھنے لگے۔ لیکن پھر آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ؟ عرض کیا گیا نہیں وہ حضور کے انتظار میں ہیں۔ پھر وہی ارشاد ہوا کہ میرے لئے ٹب میں پانی رکھو چنانچہ پھر ہم نے رکھدیا۔ اور آپ نے بیٹھ کر غسل فرمایا اور پھر کھڑے ہونے لگے۔ مگر پھر آپ کو غشی ہوگئی۔ جب کچھ دیر میں افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں، وہ حضور ہی کے انتظار میں ہیں، اور لوگ عشاء کی نماز کے لئے حضورؐ کے انتظار میں مسجد میں جمع ہوئے تھے۔ بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو حکم بھیجا کہ تم نماز پڑھا دو" الخ

یہ حضورؐ کے آخری زمانہ ہی کی نہیں بلکہ آخری دنوں کی حدیث ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط نہیں حاصل ہوا تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو نہ تو آپ کو باربار گھر والوں سے یہ دریافت فرمانے کی ضرورت ہوتی کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ؟ اور نہ ہر بار آپ غسل فرما کر اٹھنے کا ارادہ فرماتے

کیوں کہ اس صورت میں آپ کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ یہ ارادہ پورا ہونے والا نہیں ہے۔

الغرض حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بار بار جماعت کے متعلق استفسار فرمانا، اور تین بار غسل فرما کر تشریف آوری کا ارادہ فرمانا اس امر کی نہایت واضح اور روشن دلیل ہے کہ اس دن تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ماکان و ما یکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا۔

حدیث نمبر ۵۰

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن زمعہ سے مروی ہے کہ

لما استعز برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا عندہ فی نفر من المسلمین دعاہ بلال الی الصلوٰۃ فقال مروا من یصلی للناس فخرج عبداللہ بن زمعۃ فاذا عمرؓ فی الناس وکان ابوبکر غائبًا فقلت یا عمر قم فصل بالناس فتقدم فکبر فلما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوتہ وکان عمر رجلًا مجھرًا قال فاین ابوبکر یابی اللہ ذالک والمسلمون، یابی اللہ ذالک والمسلمون (الحدیث) (سنن ابی داؤد باب فی استخلاف ابی بکر کتاب السنۃ ص ۲۹۳ ج ۲ ۱۰۲)

(ترجمہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض غالب ہو گیا تو ایک دن جب کہ میں اور چند اور مسلمان حاضرِ خدمت اقدس تھے بلالؓ نے (حسبِ عادت) آپ کو نماز کے لئے پکارا آپ نے فرمایا جو نماز پڑھائے اس سے کہدو . . . .

. . . . . راویِ حدیث عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے اس حکم پر میں نکل کر مسجد میں آیا یہاں حضرت عمرؓ موجود تھے اور حضرت ابوبکر غیر حاضر تھے۔ چنانچہ میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ ہی کھڑے ہو جائیے، اور لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ وہ میرے عرض کرنے پر آگے بڑھ گئے۔ اور پہلی تکبیر کہی اور وہ ایک بلند آواز انسان تھے۔ حضورِ اقدس نے ان کی آواز سن لی۔ اور فوراً فرمایا، ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ کو یہ منظور نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کو، اللہ کو یہ منظور نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کو (یعنی سوا ابوبکر کے کسی کی امامت) الخ

یہ حدیث بھی حضورؐ کے آخری مرض کی ہے۔ اور اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس دن تک آپ کو جمیع ماکان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی معلوم ہو جاتا کہ حضرت عمرؓ سے نماز پڑھانے کے لئے کہا جا رہا

ہے، اور آپ آغاز نماز سے پہلے ہی روک دیتے۔ حالاں کہ روایت سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے تکبیر تحریمہ کہی اور حضورؐ نے اس کو سنا تب آپ نے اس کو محسوس کیا کہ نماز ابوبکرؓ نہیں پڑھا رہے بلکہ عمرؓ پڑھا رہے ہیں اور اس پر آپ نے اسی وقت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ نیز آپ نے دریافت فرمایا "فاین ابوبکر" یعنی ابوبکر کہاں ہیں؟ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ کو اس وقت یہ معلوم ہی نہ تھا کہ ابوبکر اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں بلکہ فلاں جگہ گئے ہوئے ہیں الغرض یہ حدیث بھی ہمارے مدعا پر نہایت واضح دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۵

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ عامہ کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے،

لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعه قال ایتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبه الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی (الحدیث) —— (صحیح بخاری باب کتابۃ العلم صحیح مسلم کتاب الوصایا)

(ترجمہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی زیادہ سختی ہوگئی تو ایک دن آپ نے فرمایا لکھنے کی کوئی چیز لاؤ۔ میں تمہارے لئے ایک ایسا "نوشتہ" لکھوا دوں۔ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو، حاضرین میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور پر اس وقت تکلیف بہت زیادہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہی ہے (جو خود حضور کے ذریعہ سے دنیا میں آئی۔) وہ ہم کو کافی ہے، پس اس بارے میں حاضرین میں باہم اختلاف رائے ہوا اور گفتگو بڑھ گئی۔ تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "آپ لوگ چلے جاتیے" الخ

یہ حدیث "حدیث قرطاس" کے نام سے مشہور ہے۔ اور حضورؐ کی وفات شریف سے صرف چار دن پہلے کی ہے، اور تمام مباحث سے قطع نظر کر کے یہاں صرف یہ چیز اس میں قابل غور ہے کہ حضور نے ایک "نوشتہ" لکھانیکا ارادہ ظاہر فرمایا اور اس کے لئے لکھنے کا سامان بھی طلب فرمایا پھر کسی وجہ سے آپ نے وہ خیال ترک فرما دیا۔ اور وہ نوشتہ نہیں لکھا گیا —— اب اس کی مشہور توجیہیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ حضور کو حاضرین کے باہمی نزاع اور شور وشغب سے ناگواری

ہوئی اور اس لئے آپ نے وہ خیال ہی ترک فرما دیا۔ (اور چوں کہ وہ منجانب اللہ کوئی حتمی چیز نہ تھی۔ بلکہ "ارشاد الی الاصلح" کے قبیل سے تھی۔ اس لئے حضور کے لئے اس کے ترک میں بھی گنجائش تھی)۔ اور دوسری توجیہہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی بات سن کر خود حضورؐ کی رائے بدل گئی۔ اور اس لئے آپؐ نے پھر وہ نوشتہ نہیں لکھوایا (جیسا کہ اور بھی بہت سے مواقع میں اسی طرح آپ کی رائے بدلی)۔۔۔۔۔۔

اب ان دونوں توجیہوں میں سے کسی کو اختیار کیا جائے، یہ نتیجہ بہر صورت نکلے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس وقت تک "جمیع ما کان و ما یکون" کا علم محیط حاصل نہیں تھا، کیوں کہ "علم محیط" کی صورت میں جو کچھ بعد کو پیش آنے والا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی جو رائے ظاہر ہونے والی تھی، اس کا علم آپ کو پہلے سے ہوتا اور آپ ابتدا ہی سے وہ ارادہ ظاہر نہ فرماتے جس سے بالآخر آپ کو کسی وجہ سے دستکش ہونا پڑا۔ (کما لا یخفی)

نیز اسی حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" یا "عالم جمیع ما کان و ما یکون" نہیں سمجھتے تھے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ہرگز اپنی مذکورہ بالا رائے کے اظہار کی جرأت نہ فرماتے واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۵۲

کنز العمال میں بحوالہ مسند احمد و مستخرج سعید بن منصور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے آپ کے آخری مرض کی احادیث ہی کے سلسلہ میں مروی ہے۔

قال[۴۹] امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اٰتیہ بطبق یکتب علیہ ما یضل امتہ بعدہ فخشیت ان یفوتنی نفسہ قلت انی لاحفظ قال اوصی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وما ملکت ایمانکم (کنز العمال ج۴ ص۵۷)

(ترجمہ) حضرت علیؓ فرماتے ہیں، مجھے حضورؐ نے حکم دیا کہ ایک پتر لاؤ اس پر وہ ہدایتیں لکھا دی جائیں۔ جن کے بعد امت گمراہ نہ ہو (حضرت علیؓ فرماتے ہیں) مجھے خوف ہوا کہ کہیں میرے آنے تک روح مبارک پرواز نہ کر جائے۔ لہٰذا میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں یوں ہی یاد رکھ سکتا ہوں تو آپ نے فرمایا "میں وصیت کرتا ہوں نماز کی اور زکوٰۃ کی اور غلاموں باندیوں سے حسن سلوک کی"۔

اس حدیث میں بھی غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی "جمیع ما کان و ما یکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو پہلے سے

معلوم ہوتا کہ میرے حکم جواب میں علیؓ یہ کہیں گے، پس آپ شروع ہی میں "طبق" لانے کا حکم نہ دیتے بلکہ یونہی زبانی وصیت فرما دیتے جسطرح بعد میں فرمائی۔

نمبر ۴۹ سے یہاں تک جو چار حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق واقعات سے ہے، اور ہمارا استدلال ان واقعات ہی پر مبنی ہے۔ اس لئے نہ تو ان میں "ذاتی" و "عطائی" کی کوئی تفریق چل سکتی ہے۔ اور نہ اس قسم کی کوئی اور ہی تاویل ہوسکتی ہے۔ نیز چوں کہ یہ چاروں واقعے نزول قرآن کے اختتام کے بعد، اور خاص ایام مرض وفات کے ہیں اس لئے "مدعیان علم غیب" یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان واقعات کے بعد آپ کو "علم محیط" یا "علم جمیع ما کان و ما یکون" عطا فرما دیا ہوگا۔ کیوں کہ ان کا دعویٰ "ختم نزول قرآن" کے ساتھ اس "علم محیط" کی تکمیل کا ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں پوری تفصیل اور تنقیح کے ساتھ ذکر کرچکے ہیں۔ بہرحال یہ چاروں احادیث ہمارے مدعا کی نہایت مستحکم اور ناقابل تاویل و توجیہ دلیلیں ہیں۔

اس کے بعد چند ایسی احادیث پیش کی جاتی ہیں جو اگرچہ آخر زمانہ کی نہیں ہیں۔ لیکن ان میں حضور اقدس علیہ السلام کی عمومی حالت یا کوئی مستمر عادت ایسی مذکور ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط" حاصل نہ تھا۔ اور یہی آپ کی مستمر کیفیت رہی۔

حدیث نمبر ۵۳

کنز العمال میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

(۷۵) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فقد الرجل من اخوتہ ثلثۃ ایام سأل عنہ فان کان غائبًا دعا لہ وان کان شاھدًا زارہ وان کان مریضًا عادہ (کنز العمال ص ۳۰ ج ۴)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ تھی کہ جب کسی کو تین دن تک نہ دیکھتے تو اس کا حال دریافت فرماتے۔ پھر اگر معلوم ہوتا کہ وہ کہیں باہر گیا ہوا ہے تو اس کے لئے دعائے خیر فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ وہ گھر ہی پر ہے (اور یونہی کسی وجہ سے آتا نہیں ہوا ہے) تو خود تشریف لے جاکر اس سے ملتے۔ اور اگر معلوم ہوتا کہ وہ بیمار ہے تو اس کی مزاج پرسی کے لئے

تشریف لے جاتے۔

اب اس حدیث میں حضورؐ کی ایک عام اور مستمر عادت مبارکہ بیان ہوئی ہے۔ اور اسی سے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "جمیع ماکان ومایکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ حضورؐ کو کسی کا حال کسی سے دریافت فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حدیث نمبر ۵۴ و ۵۵

خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دغا دیکر بکری کے گوشت کے ساتھ زہر کھلایا گیا تھا اس کے بعد سے آپ نے ازراہِ احتیاط یہ اصول مقرر فرمالیا تھا کہ جب کوئی ہدیہ لاتا تو جب تک لانیوالا خود اس میں سے نہ کھاتا آپ بھی تناول نہ فرماتے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

کانؐ(۶) النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یاکل من ھدیۃ حتی یامر صاحبھا ان یاکل منھا للشاۃ التی اھدیت لہ بخیبر۔ رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر عن عمار (جمع الفوائد ص ۲۹۷ ج ۱)

اور کنز العمال میں بحوالہ ابن ابی الدنیا وابن جریر وبیہقی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث کے ضمن میں یہی مضمون بایں الفاظ مروی ہے۔

کانؐ(۷) النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یاکل ھدیۃ حتی یاکل منھا صاحبھا للشاۃ المسمومۃ التی اھدیت لہ بخیبر۔ (کنز العمال ص ۳۴۳ و ص ۳۴۵ جلد چہارم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ میں سے اس وقت تک تناول نہ فرماتے تھے۔ جب تک کہ ہدیہ لانے والا خود اس میں سے کچھ نہ کھا لیتا۔ اور آپ نے یہ اصول اس زہر آلود بکری کی وجہ سے ازراہِ احتیاط مقرر فرما لیا تھا۔ جو آپ کو خیبر میں پیش کی گئی تھی —— ان دونوں حدیثوں سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کو اس احتیاطی تدبیر کی ضرورت نہ ہوتی۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۵۶

جمع الفوائد میں بحوالہ سنن نسائی حضرت یزید بن ثابت سے مروی ہے:۔

انھم(۸) خرجوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فرای قبراً جدیداً فقال ما ھذا؟ قالوا ھذہ فلانۃ مولاۃ فلان (عرفھا) ماتت ظھراً وانت صائم قائل فلم نحب ان نوقظک لھا فقام صلی اللہ علیہ وسلم وصف الناس

خلفہ فکبر اربعاثم قال لا یموت فیکم میت ما دمت بین ظہرانیکم الا اذنتمونی بہ فان صلوتی لہ رحمۃ" (جمع الفوائد ج ا ص ۱۳۶)

(ترجمہ) ایک دن بعض صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں باہر نکلے حضورؐ کی نظر ایک نئی قبر پہ پڑی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ عرض کیا گیا کہ فلاں شخص کی فلاں باندی کی ہے۔ اس نے دوپہر میں انتقال کیا۔ اور حضورؐ قیلولہ فرما رہے تھے اور پھر روزے سے بھی تھے۔ اس لئے ہم اس کی نماز کے لیے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا ــــــ پس حضرت وہیں کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے پیچھے صف بندی کی اور آپ نے قبر پر ہی نماز پڑھی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب تک میں تم میں موجود ہوں جب کسی مسلمان کا انتقال ہو مجھے ضرور خبر کی جائے کیوں کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے"۔

اس حدیث بالخصوص اس کے آخری خط کشیدہ حصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے۔ آپ کو جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ اور روزمرہ کے معمولی حوادث (کسی کے مرنے جینے وغیرہ) کی اطلاع بھی عام طور آپ کو کسی کے خبر دینے ہی سے ہوتی تھی، "فلیتفکر"

حدیث نمبر (۵۷)

جمیع الفوائد میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے۔

"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعی الی جنازۃ سأل عنہا فان اثنی علیہا خیرا، قام فصلی علیہا وان اثنی علیہا غیر ذالک قال لاھلہا شانکم بہا ولم یصل علیہا (جمع الفوائد ج ا ص ۱۲۵)

(یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول تھا کہ جب کسی جنازہ کی نماز کے لئے آپ کو بلایا جاتا تو آپ میت کے (حال اور اس کے چال چلن کے) متعلق دریافت فرماتے، پھر اگر اس کا حال اچھا بتلایا جاتا تو آپ اس پر نماز پڑھتے اور اگر اس کا حال برا بتلایا جاتا تو آپ اس کے گھر والوں سے فرما دیتے کہ تم خود ہی پڑھ لو اور خود اس کی نماز نہ پڑھاتے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی، یا جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ موتیٰ کے حالات کے متعلق آپ کو اس تفتیش کی ضرورت نہ پڑتی اور آپ کے نماز جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا مدار دوسروں کی شہادت پر نہ ہوتا واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۵۸

جمع الفوائد میں صحیح مسلم جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:-

جاء[۸۰] عبد فبایع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الھجرۃ ولم یشعر انہ عبد فجاء سیدہ یریدہ فقال لہ صلی اللہ علیہ وسلم بعنیہ فاشتراہ بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدًا بعد حتی یسأل اعبد ھو؟ (جمع الفوائد ص۲۴۹ جلد اول)

(یعنی) ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ہجرت پر حضرت سے بیعت کی اور حضورؐ کو یہ پتہ نہ تھا کہ یہ غلام ہے ـــــ بعدازاں اس کا مالک اس کو لینے کے ارادہ سے آیا تو حضورؐ نے اس سے فرمایا کہ اب تم اس کو ہمارے ہاتھ بیچ دو، چنانچہ آپ نے دو حبشی غلاموں کے بدلہ میں اس کو خرید لیا۔ پھر آپ کسی کو بیعت نہ فرماتے تھے۔ جب تک کہ یہ دریافت نہ فرما لیتے کہ وہ غلام تو نہیں ہے؟

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع غیوب یا جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ اس تلخ تجربے کے بعد آپ کو ہر مبایع کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ عبد ہے یا حر؟

حدیث نمبر ۵۹

مسند احمد، سنن ابی داؤد وجامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یبلغنی[۸۱] احد عن احد من اصحابی شیئًا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر۔ (کنز العمال ص۱۳۳ ج۱۲ / ۶۶)

(یعنی) کوئی شخص میرے کسی صحابی کی طرف کوئی چیز مجھ تک نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آؤں کہ میرا سینہ (تمہاری طرف سے) صاف ہو۔"

اس حدیث سے بھی معلوم کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ کسی کے متعلق کسی کے کچھ بیان کرنے نہ کرنے کا کوئی اثر آپ پر

نہ ہوتا ـــــ

حدیث نمبر ۶۰

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۸۲) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السور حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمع الفوائد ص ۱۲۴ ج ۲ ، کنز العمال ص ۳۰ ج ۴

(یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتوں کا فصل معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ پر "بسم اللہ" نازل ہوتی (یعنی بسم اللہ کے نزول سے آپ سمجھتے تھے کہ یہ سورت پہلی نازل شدہ سورت سے علیحدہ ہے۔)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام کو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ سورتوں کا باہمی فصل معلوم کرنے میں آپ کو نزول بسم اللہ کی ضرورت نہ ہوتی واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۶۱ و ۶۲

صحیح بخاری، مسند احمد، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

(۸۳) انی لاقوم الی الصلوٰۃ وانا ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوتی کراھۃ ان اشق علی امہ۔ (کنز العمال ص ۱۲۷ ج ۴)

(یعنی) حضور نے ارشاد فرمایا میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ خوب لمبی نماز پڑھوں۔ پس اچانک کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آتی ہے تو میں نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کی ماں اس کے رونے سے پریشان ہو۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کو معلوم ہو جایا کرتا کہ اس نماز میں فلاں بچہ روئے گا اور آپ پھر شروع ہی سے لمبی نماز کا ارادہ نہ فرماتے۔

بعینہ اسی مضمون کی ایک حدیث الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ صحیح بخاری، صحیح

مسلم مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ۔ (کنز العمال ج۱۶ ص۱۲۶)

حدیث نمبر ۶۳

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے :۔

"(۸۵) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ینتظر ما سمع وقع نعلی" کنز العمال ج۱۱ ص۳۰

(یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک انتظار فرماتے تھے جب تک کہ کسی آنے والے کی جوتیوں کی آہٹ (پیچہل) کی آواز سنتے۔

اس حدیث سے بھی صاف اور واضح طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کے انتظار کا مدار آنیوالے کی جوتیوں کی آہٹ اور پیچہل پر نہ ہوتا بلکہ آپ اپنے علم شریف کے مطابق عمل فرماتے، کما لایخفی،

حدیث نمبر ۶۴

امام بخاری و امام احمد و امام بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی لانقلب الی اھلی فاجد التمرۃ ساقطۃ علی فراشی فارفعھا لاکلھا ثم اخشی ان تکون صدقۃ فالقیھا (کنز العمال ج۱۱ ص۲۸۵ و صحیح بخاری کتاب اللقطہ ج۱ ص۱۹)

(یعنی) ایسا ہوتا ہے کہ میں گھر جاتا ہوں اور اپنے بستر پر کھجور پڑی پاتا ہوں اور اس کو کھانے کے ارادہ سے اٹھا لیتا ہوں۔ پھر مجھے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو رکھ دیتا ہوں اور نہیں کھاتا۔

حدیث نمبر ۶۵

نیز اسی مضمون کی ایک حدیث بحوالہ ابن النجار کنز العمال ج۷ ص۳۲ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

(۸۶) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمر بالتمرۃ فما یمنعہ ان یاخذھا الا ان یخاف ان تکون صدقۃ - کنز العمال ج۷ ص۳۲۸

(یعنی) ایسا اوقات ایسا ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کھجور پڑی ملتی آپکو کوئی چیز اسکے لینے سے مانع نہ ہوتی بجز اس کے کہ آپکو خطرہ ہوتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو (صدقہ ہو) تو صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل نہ تھا۔

اگر ایسا ہوتا تو آپ کو معلوم ہو جایا کرتا کہ یہ افتادہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں۔ اور اس بارے میں آپ کو وہ تردد نہ ہوا کرتا جس کا ذکر مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں ہے۔

حدیث نمبر ۶۶

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:۔

(قالت)[۸۸] قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلم اذا کنت عنی راضیۃ واذا کنت علی غضبی فقلت من این تعرف ذالک؟ قال اما اذا کنت عنی راضیۃ فانک تقولین لا ورب محمد واذا کنت غضبی قلت لا ورب ابراھیم، قلت اجل واللہ یا رسول اللہ ما اھجر الا اسمک (جمع الفوائد ص ۲۲۹ ج ۱)

(یعنی حضرت صدیقہ ناقل ہیں، کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب غصہ میں ہوتی ہو ——— (حضرت صدیقہ فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا آپ کسطرح پہنچانتے ہیں؟ ——— فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو (قسم کھاتے وقت) کہتی ہو کہ "رب محمد کی قسم" اور جب ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو "رب ابراہیم کی قسم" (صدیقہؓ فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا ہاں، یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں اس وقت بھی صرف (بظاہر) آپ کے نام کو چھوڑ دیتی ہوں نہ یہ کہ میرا دل آپ سے علیحدہ ہو یا آپ میرے دل سے علیحدہ ہوں۔)

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع غیوب اور تمام ماکان و مایکون کا علم کلی حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کے لئے کسی کی خوشی و ناخوشی وغیرہ کیفیات کو ان ظاہری علامات سے پہچاننے کی ضرورت نہ ہوتی ——— بلکہ یونہی سب کے دلوں کا حال آپ کو معلوم ہوتا ——— نیز حضرت صدیقہؓ کا یہ سوال کہ من این تعرف ذالک یعنی آپ میری خوشی و ناخوشی کو کس طرح معلوم کرتے ہیں؟ صاف بتلا رہا ہے کہ وہ بھی حضور اقدس صلعم کو جمیع ماکان و مایکون کا عالم نہیں سمجھتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۶۷

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

کہ دو فریق اپنا ایک معاملہ لے کر حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے آپ نے فریقین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم فلعل[1] بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صادق فاقضی لہ بذالک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا او لیترکھا (89)

صحیح بخاری کتاب الاحکام وصحیح مسلم ورواہ ایضاً مالک واحمد والاربعۃ کنز العمال

(یعنی) میں ایک بشر ہی ہوں اور میرے پاس فریق (اپنے مقدمات لے کر) آتے ہیں۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی فریق دوسرے سے اچھا بولنے والا ہو (جس کی لسانی کی وجہ سے) میں سمجھ لوں کہ وہ سچا ہے۔ اور میں اس کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ دے دوں (حالانکہ حق اس کا نہ ہو۔) پس اس طرح ناوانستہ طور پر) میں جس کسی کو دوسرے مسلمان کا حق دلواؤں (تو وہ اس کے لئے جائز نہیں ہو جاتا بلکہ) وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔ اب خواہ وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔

حدیث اپنے مضمون کے لحاظ سے نہایت صاف ہے۔ اور ہمارے مدعا (عدم علم غیب) پر اس کی دلالت بھی بالکل واضح ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیوب یا جمیع ماکان وما یکون کا علم اگر حاصل ہوتا تو اس کا احتمال ہی نہ تھا کہ آپ جھوٹے فریق کو اس کی لسانی اور چرب زبانی کی وجہ سے سچا سمجھ لیتے۔

چوں کہ ہمارے مخالفین نے اس صریح حدیث پر بھی تاویل و تحریف کی خوب خوب مشق کی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتے یا لکھتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

ایک بات تو ہمارے مخالفین کی طرف سے یہ کہی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تو سب کچھ ہوتا تھا لیکن آپ مقدمہ کی ظاہری روداد اور مسل کے مطابق فیصلہ کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے۔ اس لئے آپ نے یہ فرمایا۔۔۔۔ اس تاویل کی بیکنی کے لئے اس حدیث کا لفظ "فاحسب انہ صادق" "فاقضی لہ بذالک"

---

[1] فی الفتح لعل ھی ھھنا بمعنی علیٰ" (فتح ۲۶۳) فلا تغفل منہ غفرلہ

[2] (ترجمہ) پس میں (چرب زبان فریق کی چرب زبانی کی وجہ سے) سمجھ لوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں" ۱۲

کافی نہ ہے۔ کیوں کہ جو شخص حقیقت حال سے براہ راست واقف ہو، بالخصوص حبیب خدا کا رسول خدا کے الہام سے اصل حقیقت جانتا ہو تو یہ ناممکن ہے کہ کسی تیز طرار کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر وہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھنے لگے ــــــــ نیز اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہوتے ہیں

انما اقضی بینکم برائی فیما لم ینزل علیّ فیه (ابوداؤد ص۱۲۵) (یعنی جس معاملہ میں خدا کی وحی مجھپر نہیں آتی اس میں اپنی رائے سے تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔) حدیث کے ان الفاظ نے بھی نہایت صفائی کے ساتھ اس غلط اور باطل خیال کی تردید کر دی۔ کیوں کہ حدیث کے اس فقرہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ جن مقدمات کی حقیقت آپ کو خدا کی طرف سے معلوم ہوتی تھی ان میں آپ اسی کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔ ہاں جن معاملات میں وحی نہ ہوتی وہاں آپ اپنی رائے سے فیصلہ فرماتے تھے۔

ایک دوسری بات اس حدیث کے جواب میں ہمارے مخالفین کی طرف سے یہ بھی کہی گئی ہے کہ اس حدیث میں "فمن قضیت له بحق مسلم" قضیہ شرطیہ ہے جس میں "مقدم" کا صدق ضروری نہیں بلکہ یہ حضرت نے علی سبیل الفرض فرمایا ہے اور حضرت کا منشا صرف یہ ہے کہ اگر "بالفرض محال" میں کسی کی چرب زبانی کی وجہ سے دوسرے کا حق اس کو دلوا دوں تو وہ اس کو جائز نہ سمجھے بلکہ وہ پھر بھی اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہی ہے (ملخصاً "الکلمۃ العلیا")

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا استدلال اس قضیہ شرطیہ سے نہیں ہے بلکہ حدیث کے ابتدائی جزء سے ہمارا اصلی استدلال ہے۔ جس میں حضرت نے اپنی بشریت کی بنا پر "غلطی" کا امکان ظاہر فرمایا ہے۔

بہر حال یہ حدیث ہمارے اس دعوے کی نہایت بیّن اور قطعاً ناقابل تاویل دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل نہ تھا۔ مزید تائید کے لئے حضرات شارحین کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:۔

قولہ[90] انما انا بشر ای من البشر ولا ادری باطن ما تتحاکمون فیہ عندی وتختصمون فیہ لدیّ وانما اقضی بینکم علی ظاہر ما تقولون (عینی[126] ص ۲۵۷ / ج ۲۴)

(ترجمہ) حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں جنس بشر ہی سے ہوں۔ لوگ جو مقدمات اور جو نزاعات فیصلہ کے لئے میرے پاس لاتے ہیں مجھے ان کی اندرونی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور میں تو تم ہی لوگوں کے ظاہری بیانات پر فیصلہ دیتا ہوں"۔

یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الشہادات میں بھی ایک جگہ آئی ہے اس جگہ اس کی شرح میں یہی علامہ عینی رقمطراز ہیں :-

(انما[91] انا بشر) یعنی کواحد منکم ولا اعلم الغیب وبواطن الامور کما ھو مقتضی الحالۃ البشریۃ وانا احکم بالظاہر (عینی[127] ص ۱۱۶ / ج ۲۴)

(ترجمہ) میں بشر ہی ہوں یعنی تمہارے ہی افراد کی طرح ہوں اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور تمہارے معاملات کے اندرونی احوال کو نہیں جانتا جیسا کہ بشریت کا اقتضا ہے۔ اور میں تو ظاہری حال پر فیصلہ دیتا ہوں۔

نیز یہی حدیث صحیح بخاری کتاب المظالم میں بھی آئی ہے۔ اس موقعہ پر بھی اس کی شرح کرتے ہوئے عینیؒ نے قریب قریب یہی لکھا ہے بلکہ اس پر اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ

ولو[92] شاء اللہ لاطلعہ علی باطن الامور حتی یحکم بالیقین لکن امر اللہ امتہ بالاقتداء بہ فاجری احکامہ علی الظاہر۔ (عمدۃ[128] القاری ص ۵ / ج ۱۳)

(ترجمہ) اور اگر اللہ چاہتا تو آپ کو تمام معاملات کی حقیقت و اصلیت پر بھی مطلع فرما دیتا۔ حتیٰ کہ آپ اس الہامی یقین ہی سے پھر فیصلے دیتے۔ لیکن اللہ نے چوں کہ آپ کی امت کو آپ کی اقتدا کا حکم دیا ہے۔ اس لئے آپ کے فیصلوں کو ظاہر پر رکھا تاکہ امت آپ کی اقتداء کر سکے۔

نیز یہی مضمون فتح الباری[129] ص ۱۱۶ / پ ۲۹ اور نوویؒ[130] ص ۷۴ / ج ۲ میں بھی ہے۔

اور علامہ شہاب خفاجیؒ اسی حدیث کے پہلے لفظ "انما انا بشر" کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

(۹۳) انما انا بشر) لا اعلم الغیب و انکم تختصمون الیّ الخ (نسیم الریاض ص۲۶۱ ج۴)[۱۳۱]
میں بشر ہی ہوں یعنی مجھے علم غیب تو ہے نہیں۔ اور تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو الخ

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اسی حدیث کے اسی لفظ انما انا بشر کی شرح میں فرماتے ہیں۔

(۹۴) (قولہ انما انا بشر) ای کواحد من البشر فی عدم علم الغیب (فتح الباری ص۴۶۲ ج۲۸)[۱۳۲]

(میں بشر ہی ہوں یعنی علم غیب نہ ہونے میں دوسرے انسانی افراد ہی کی طرح ہوں اور ایک دوسرے موقعہ پر اسی حدیث کے اسی لفظ کی شرح کے ذیل میں فرماتے ہیں

(۹۵) اتی بہ ردا علی من زعم ان من کان رسولا فانہ یعلم کل غیب۔ (فتح الباری ص۱۴ ج۲۹)[۱۳۳]

یعنی یہ لفظ "انما انا بشر" خاص طور پر ان لوگوں کے خیال باطل کی تردید کے لئے حضرت نے ارشاد فرمایا ہے جو گمان کرتے ہیں کہ رسول کو کل غیب کا علم ہونا چاہیئے۔

اور امام نووی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (انما انا بشر) معناہ التنبیہ علی حالۃ البشریۃ وان البشر لایعلمون من الغیب بواطن الامور شیئا الا ان یطلعھم اللہ تعالیٰ علی شیئ من ذالک وانہ یجوز علیہ فی امور الاحکام ما یجوز علیھم انہ انما یحکم بین الناس بالظاھر واللہ یتولی السرائر فیحکم بالبینۃ وبالیمین ونحو ذالک من احکام الظاھر مع امکان کونہ فی الباطن خلاف ذالک۔ (نووی بذیل مسلم ص۷۹ ج۲)[۱۳۴]

(ترجمہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "انما انا بشر" کا منشا حالت بشریہ پر تنبیہ کرنا ہے۔ اور یہ بتلانا ہے کہ بشر کو غیب اور باطنی امور کا علم نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی چیز کی ان کو اطلاع دے دے۔ اور نیز اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ فیصلوں کے معاملہ میں جس طرح اوروں سے یہ ممکن ہے کہ واقعیت کے خلاف فیصلہ ہو جائے۔ اسی طرح آپ پر بھی جائز ہے اور آپ بھی لوگوں کے درمیان ظاہری حال ہی پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اندرونی رازوں کا معاملہ خدا سے ہے، پس آپ گواہ یا قسم یا اسی قسم کی اور ظاہری چیزوں پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اس کا امکان ہوتا ہے کہ امر واقعہ اس کے خلاف ہو۔

اور علمائے کرام نے اسی حدیث سے یہ بھی سمجھا ہے کہ جن معاملات اور مقدمات میں حضور پر وحی نہ ہوتی تھی۔ آپ ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے۔ چنانچہ

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں ارقام فرماتے ہیں۔

وفیہ(۹۷) انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقضی بالاجتھاد فیما لم ینزل علیہ فیہ شیئٌ۔ (فتح الباری[۱۳۵] ص ۶۰۹ / ب ۲۹)

یعنی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس معاملہ میں حضور پر وحی نہیں ہوتی تھی۔ اس میں آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے۔

اور علامہ بدرالدین عینی ارقام فرماتے ہیں۔

وفیہ(۹۸) دلالۃ علی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاجتھاد (عمدۃ القاری[۱۳۶] ص ۶ / ج ۱۳)

یعنی اور یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے (بھی) فیصلے کرتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ اجتہاد اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم نہ ہو۔

بہر حال مذکورہ بالا حدیث کے تمام طرق اور شارحین کی مندرجہ صدر تصریحات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارا مدعا واضح سے واضح تر ہو جاتا ہے، اور مدعیان "علم غیب" و "علم جمیع ما کان و مایکون" کی طرف سے بھی جو تاویلات اس حدیث میں کی جاتی ہیں۔ ان سب کی غلطی اور سخافت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ "فللہ الحجۃ البالغۃ"

حدیث نمبر ۶۸

کنز العمال میں حدیث مندرجہ صدر ہی کے ہم مضمون ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی بحوالہ ابن ابی شیبہ مروی ہے الفاظ یہ ہیں۔

انما(۹۹) انا البشر ولعل بعضکم ان یکون الحق لحجتہ من بعض فمن قضیت لہ من حق اخیہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار۔ (کنز العمال[۱۳۷] ص ۲۰۸ / ج ۳)

"یعنی میں بشر ہی تو ہوں اور یہ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض دوسرے سے زیادہ طرار اور دلیل باز ہوں، پس میں جس کے لئے اس کے دوسرے بھائی کے حق کا فیصلہ دے دوں تو گویا میں اس کو جہنم

کا ایک ٹکڑا دیتا ہوں"۔

اس حدیث کا مضمون چونکہ بالکل وہی ہے جو اوپر والی حدیث کا تھا۔ اس لئے اس کے متعلق کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں، ہمارے استدلال کی تقریر یہاں بھی وہی ہے جو پہلی حدیث میں کی گئی اور مخالفین کی طرف سے جو کچھ اس کے جواب میں کہا جاتے، اس کا جواب الجواب بھی ہماری طرف سے وہی ہے جو حدیث سابق کے ذیل میں عرض کیا گیا۔

حدیث نمبر ۶۹ تا ۷۴

صحیح مسلم کتاب الدعوات میں حضرت زید ابن ارقم سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے۔

اللّٰھم[۱۰۰] انی اعوذبك من علم لا ینفع (الحدیث) (صحیح مسلم[۱۳۸] صفحہ ۳۵۰ ج ۲)

(ورواہ ایضاً احمد و عبد بن حمید والنسائی وابونعیم فی الحلیہ دکنز العمال[۱۳۹] صفحہ ۱۹۳ ج ۱)

(یعنی) اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں۔ اس علم سے جو نافع نہ ہو"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیر نافعہ عطا نہیں فرمائے گئے۔ بلکہ آپ نے خود ان سے اللہ کی پناہ مانگی۔ حالانکہ "جمیع علوم ما کان و ما یکون" میں ہر قسم ہی کے علوم داخل ہیں، خواہ وہ نافع ہوں جیسے علوم دینیہ و علوم مفیدہ دنیویہ یا غیر نافع ہوں جیسے بہت سے علوم سفلیہ خسیسہ"

نیز[۱۴۰] مسند امام احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں بھی یہی مضمون انہی الفاظ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دکنز العمال[۱۴۰] صفحہ ۱۹۳ ج ۱)

نیز مصنف[۱۴۱] ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی مضمون انہی لفظوں میں مروی ہے حوالہ[۱۴۱] بالا

پھر جامع ترمذی[۱۴۳] اور سنن نسائی میں یہی مضمون انہی الفاظ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (حوالہ[۱۴۲] بالا)

حدیث نمبر ۷۵ تا ۷۸

صحیح ابن حبان، مستخرج سعید بن منصور، معجم اوسط للطبرانی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے۔

اللّٰھم[104] انی اسئلک علماً نافعاً واعوذبک من علم لا ینفع کنز العمال[143] ص۲۰۱ ج۲

(یعنی) اے اللہ میں تم سے علم نافع مانگتا ہوں اور غیر نافع علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نیز اسی المضمون کو انہی الفاظ کے ساتھ طبرانی نے اوسط ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے بھی روایت کیا ہے (حوالہ[144] بالا)

پھر یہی مضمون بایں الفاظ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی[106] ہے (ایضاً[145] حوالہ بالا)

ان تمام احادیث کا مشترک اور واضح مفاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم غیر نافعہ سے حق تعالےٰ کی پناہ لی اور بے شک آپ کے رب عزوجل نے ان غیر نافع علوم سے آپ کو محفوظ رکھا اور ہمارا ایمان ہے کہ ان علوم غیر نافع سے آپ کا محفوظ رہنا ہی آپ کے حق میں کمال ہے، اور ظاہر ہے کہ جمیع ماکان و مایکون کے علوم میں یہ علوم غیر نافعہ بھی داخل ہیں۔

ان احادیث کے جواب میں ہمارے مخالفین کی طرف سے ایک بات تو یہ کہی جاتی ہے کہ "دنیا میں کوئی علم غیر نافع ہے ہی نہیں ـــــــ اس کے جواب میں ہم صرف یہ عرض کرنا کافی سمجھتے ہیں کہ احادیث مندرجہ بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "علوم غیر نافعہ" سے پناہ مانگنا خود اس کی دلیل ہے کہ دنیا میں کچھ علم ایسے بھی ہیں جو نافع نہیں۔ ورنہ کسی ایسی معدوم محض چیز سے حضرت کا پناہ مانگنا بے معنی اور عبث ہوگا۔ جس کا دنیا میں کوئی مصداق ہی نہ ہو۔ علاوہ ازیں کسی علم کے دینی نقطۂ نظر سے غیر نافع ہونے سے انکار ہدایت کا انکار ہے، جس شخص کو بھی دین میں کوئی بصیرت ہو وہ بالیقین جانتا ہے کہ بہت سے علوم ایسے ہیں جنکا دین میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور تو اور خود مدعیان علم غیب کے راس و رئیس فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب "علم سیمیا" کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ وہ ایک نہایت ہی ناپاک علم ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ ۲ ص۶۲)

اب فرمایا جائے کہ جو علم ناپاک ہو کیا اس کے "غیر نافع" ہونے میں کوئی شبہ ہے؟

علاوہ ازیں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض علوم کے متعلق غیر نافع ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا:۔

"علم النسب علم لا ینفع وجھالۃ لا تضر" — علم نسب ایک غیر نافع علم اور ایک غیر مضر جہالت ہے۔

(رواہ ابن عبدالرحمن ابی ہریرہؓ، کنز العمال ص ۲۲۰ ج ۵ / ۱۴۶)

واضح رہے اس "علم نسب" سے مراد وہ ہے جس میں اہل عرب کو بہت زیادہ افراط تھا۔ کہ آدم علیہ السلام تک نسب یاد رکھنے اور بیان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ (حالاں کہ وہاں تک کا پورا نسب غیر معلوم ہے)، اور حتیٰ کہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کا نسب بھی پشتہا پشت تک یاد رکھتے تھے۔ اور اس کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ اسی علم نسب کو حضرت نے اس حدیث میں "غیر نافع" فرمایا ہے۔ ورنہ نسبت کا فی الجملہ علم جس میں افراط نہ ہو۔ اس کے مفید ہونے میں کلام نہیں، یہی وجہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نسب مبارک "عدنان" تک تو بیان فرماتے تھے۔ اور آگے بیان نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ بیان کرنے والوں کو غلط کار اور غلط گو بتلاتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر ۶، سے معلوم ہوگا۔

ایک مغالطہ ان احادیث کے جواب میں یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ان علوم "غیر نافعہ" کا علم حق تعالیٰ کو ضرور ہی ہوگا۔ پس جب اللہ پاک کو ان کا علم ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ کیوں شایانِ شان نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حق تعالیٰ کے لئے باعث کمال ہو وہ مخلوق کے حق میں بھی کمال ہو ——— مثلاً ہر ایک کو ہر حال میں دیکھنا حق تعالیٰ کی شان ہے۔ لیکن کسی بشر کے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ انسانوں کو ہر حال میں دیکھنے کی کوشش کرے ——— درحقیقت ہمارے ان مخالفین کی ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ

یہ مقربین بارگاہ خداوندی کو ہر معاملہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں اور اسی میں ان کی عظمت و رفعت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح گمراہی ہے۔

"اینَ العبد من المعبود واین المخلوق من الخالق"

حدیث نمبر ۷۶

کنز العمال میں بحوالہ ابن سعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۱۰۷) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا انتسب لم یجاوز معد بن عدنان بن ادد ثم یمسك ویقول کذب النسابون قال اللہ تعالیٰ وقرونا بین ذالك کثیرا" (کنز العمال ۱۴۷ ص ۲۹/۴۷)

(یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان بن ادد سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور رک جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ (پورا) نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان بہت سے قرن گزرے ہیں۔ (اس سے حضرت کا منشا یہ تھا کہ جن قرون کو قرآن پاک نے یہاں مبہم رکھا ہے۔ ان کی پوری صحیح تفصیل غیر معلوم ہے۔ لہذا جو پورا نسب آدم علیہ السلام تک بیان کرتے ہیں وہ کاذب ہیں۔

الغرض اس حدیث کا ظاہر مفاد بھی یہی ہے کہ نسب کا یہ غیر معلوم حصہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف میں بھی نہ تھا۔ حالاں کہ ماکان و مایکون میں وہ بھی داخل ہے۔

چوں کہ کتاب ہذا کے حصہ اول میں بذیل آیت ۲۷ اس بحث پر تفصیلی کلام کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بحث کا مالہ وما علیہ دیکھنے کے لئے حصہ اول ص ۱۳۷ لغایۃ ص ۱۴۰ ملاحظہ ہو۔

حدیث نمبر ۷۷ و ۷۸

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۱۰۸-۱۰۹) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بقوم یلقحون فقال لو لم تفعلوا لصلح قال فخرج شیصا فمر بهم فقال ما لنخلکم قالوا قلت کذا وکذا قال انتم اعلم بامر دنیاکم (صحیح مسلم ۱۳۸ ص ۲۶۴/۲۷)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا جو کھجور کے درختوں میں (اس کے معہود و معروف طریقہ پر) قلم لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم یہ نہ کرو تو ٹھیک ہو (چنانچہ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا) تو کھجوریں ناقص آئیں۔ پھر ایک دفعہ آپ کا ادھر گزر ہوا۔ تو آپ نے ان لوگوں سے

دریافت فرمایا کہ تمہاری کھجوروں کا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! اس قدر کم ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری ان دینوی باتوں کا علم تم ہی کو زیادہ ہے۔

یہ حدیث صحیح مسلم کے علاوہ مسند اور سنن ابن ماجہ میں بھی حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے۔ اور کنز العمال میں اس کے آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

اذا کان شیئٌ من امر دنیاکم فانتم اعلم بہ۔ واذا کان شیئٌ من امر دینکم فالیّ۔ کنز العمال ص۱۲۹ ج۱۱۶/۹۶	(یعنی) جب کوئی تمہارا دینوی معاملہ ہو تو اس کے زیادہ جاننے والے ہو اور جب کوئی دینی امر ہو تو میری طرف رجوع کرو۔

اس حدیث سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ما کان و مایکون کا علم حاصل نہ تھا ورنہ دینی احکام کی طرح دینوی معاملات میں بھی آپ کا ہر ارشاد حتمی اور واجب الاطاعت ہوتا اور اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کی رائے کی کوئی وقعت نہ ہوتی بلکہ حضور کے ہوتے ہوئے کسی کو غور و فکر اور رائے زنی کا بھی حق نہ ہوتا۔ حالاں کہ اس کے برعکس آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

اپنے دینوی معاملات کو تم ہی زیادہ جاننے والے ہو۔

حدیث نمبر ۷۹

اور بحوالہ مسند احمد کنز العمال حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

ان کانَ امر دنیاکم فشانکم وان کان امر دینکم فالیّ (کنز العمال ص۱۵۰ ج۱۱۶/۹۶)

(ترجمہ) اگر تمہارا کوئی دینوی معاملہ ہو تو تم جانو اور اگر کوئی دینی امر ہو تو میری طرف رجوع کرو۔

حدیث نمبر ۸۰

اور صحیح مسلم میں تابیر نخل کا مذکورہ بالا واقعہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

(۱۱۱) انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیئ من رائی فانما انا بشر۔ (صحیح مسلم ص ۲۶۴ ج ۲) [151]

(ترجمہ) میں بس ایک انسان ہی ہوں۔ پس اگر میں تم کو دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اس پر ضرور عمل کرو، اور جب دینوی معاملات میں) میں کوئی بات اپنے خیال سے کہوں تو بس میں ایک بشر ہوں (اور میری رائے ایک بشر کی رائے ہے)

اس حدیث کے لفظ "انما انا بشر" کی شرح میں علامہ علی قاری شرح شفا میں ارقام فرماتے ہیں۔

(۱۱۲) (انما انا بشر) مثلکم فقد اصیب وقد اخطئ۔ (شرح شفا، ص ۲۵۶ ج ۲)

یعنی میں تم جیسا ایک بشر ہی ہوں (دینوی معاملات میں) میری رائے ٹھیک بھی ہوتی ہے اور کبھی غلطی بھی کرتی ہے۔

اور اسی موقعہ پر علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفا۔ قاضی عیاض میں ارقام فرماتے ہیں۔

(۱۱۳) (فقال انما انا بشر) اصیب واخطئ فی امور الدنیا التی لم یوحیٰ الیّ فیھا شیئ (ولکن اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیئ من رائی) ای یکون رایا فی امور الدنیا الصرفہ (فانما انا بشر) مثلکم قد ارای رایا والامر بخلافہ فی امور الدنیا فلا یجب اتباعہ۔ (نسیم الریاض ص ۲۵۶ ج ۴) [152]

حضور ؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہی ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے جن دینوی امور کے بارے میں مجھ پر وحی نہیں ہوتی ان میں میری رائے ٹھیک بھی ہوتی اور غلطی بھی کر جاتی ہے۔ لیکن جب میں تم کو کسی دینی بات کا حکم دوں تو اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جب میں کسی خالص دینوی معاملہ میں اپنے خیال سے کوئی بات کہوں تو بس میری شان تمہاری طرح ایک بشر کی ہے۔ کبھی میں ان دینوی امور میں ایک رائے قائم کرتا ہوں۔ اور معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ لہذا اس باب میں میری رائے کی پیروی ضروری نہیں ہے۔

اور امام نووی انہی احادیث کی شرح ذیل میں ارقام فرماتے ہیں۔

(۱۴) قالوا و رایه صلی اللہ علیہ وسلم فی امور المعایش وظنہ کغیرہ ...... ولا نقص فی ذالک و سببہ تعلق ھممھم بالاٰخرۃ ومعارفہا (مسلم مع نووی ص ۲۶۴/۲۶۰)

علمائے کرام نے فرمایا کہ امورِ معیشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے دوسرے انسانوں کی رائے کی طرح ہے...... اور اس کی وجہ سے آپ کے مرتبہ عظیمہ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ کیوں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ والوں کی تمام تر توجہ آخرت اور معارفِ آخرت کی طرف ہوتی ہے۔

اور انہی احادیث کی بنا پر علامہ قاضی عیاض شارح مسلم نے شفا شریف میں فرمایا۔

(۱۵) اما احوالہ فی امور الدنیا ...... فقد یعتقد فی امور الدنیا الشئ علی وجہ ویظہر خلافہ او یکون منہ علی شک او ظن بخلاف امور الشرع (شفا شریف ۱۵۵)

دنیوی امور میں حضور کا حال یہ ہے کبھی ان معاملات میں حضرت ایک خیال قائم فرماتے ہیں۔ اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ نیز ان دنیوی امور میں آپ کو ظن اور شک بھی ہوتا ہے بخلاف شرعی امور کے وہاں یقین ہی یقین ہوتا ہے۔ ظن اور شک کے لئے وہاں راہ ہی نہیں۔

(ضروری تنبیہ) ——— واضح رہے کہ یہاں ہمارا استدلال تابیر نخل کے واقعہ سے نہیں ہے کہ اس کے جواب میں شیخ سنوسی، یا شیخ عبدالحق یا ملا علی قاریؒ کا تعلیم توکل کے متعلق "عارفانہ" یا "شارحانہ" نکتہ پیش کیا جاتے بلکہ ہمارا استدلال حدیث کے اس آخری ٹکڑے سے ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امور دین اور امورِ دنیا میں تفریق کر کے دونوں کے متعلق اپنی صحیح پوزیشن متعین فرمائی ہے۔ اور امت کے عمل کے لئے ایک مستقل ضابطہ مقرر فرمایا۔

یہاں تک جو حدیثیں پیش کی گئیں وہ مدعیان علم غیب کے ہر فریق پر یکساں طور پر حجت ہیں۔ ان پر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جمیع ماکان ومایکون کا علم

ولادت طیبہ سے بھی پہلے شکم مادر ہی میں مانتے ہیں ان پر بھی جو شب معراج میں اس علم کے حصول کے قائل ہیں۔ اور ان پر بھی جو ختم نزول قرآن کے وقت اس علم محیط کی تکمیل کا عقیدہ رکھتے ہیں ـــــ ۵۲ نمبر تک جو احادیث پیش کی گئی ہیں، ان کی اس حیثیت پر تو ہم ساتھ ساتھ ہی روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور اس کے بعد سے اب تک جو اٹھائیس حدیثیں مذکور ہوئیں ان میں سے اکثر تو وہ ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی دوامی حالت یا مستمر عادت مبارکہ کا ذکر ہے۔ اور بعض میں آپ نے بعض خاص قسم کے علوم سے اپنی برأت ظاہر فرمائی ہے اور ان سے پناہ مانگی ہے۔ اور بعض میں حضورؐ نے اپنی مستقل پوزیشن واضح فرمائی ہے اور بتلایا ہے کہ نہ میں عالم الغیب ہوں۔ نہ مجھے کل باطنی حقیقتوں کا علم ہے۔ بالخصوص جب خالص دنیوی معاملات میں میں کوئی بات اپنے خیال سے کہوں تو تمہارے لئے اس کا اتباع بھی ضروری نہیں۔ اپنی دنیوی باتیں تم ہی زیادہ جانتے ہو۔ الی غیر ذالک مما سبق ذکرہ ظاہر ہے کہ ان احادیث کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حکماً منسوخ ہیں یا یہ کہ یہ ختم نزول قرآن سے پہلے کی ہیں۔ اور اس وقت حضور کی یہی حالت ہوگی۔ لیکن بعد میں آپ کو ان تمام چیزوں کا بھی علم حاصل ہو گیا تھا۔ یا حاصل ہو گیا ہو گا ـــــ کیوں کہ ان احادیث کا واضح مفاد یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اور مستمر حالت یہی رہی۔ "کما لا یخفی علی من اوتی القلب السلیم والفہم المستقیم"

اب اس کے بعد جو احادیث پیش کی جائیں گی وہ صرف پہلے دو فریقوں پر حجت ہوں گی اور آئندہ بحث میں ہمارے مخالف وہی لوگ ہوں گے

"واللہ الہادی الی سبیل الرشاد وهو المسئول لتوفیق الصواب والسداد"

حدیث نمبر ۸۱

[اب جو احادیث اس سلسلہ میں پیش کی جا رہی ہیں ان میں صرف اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ ہجرت سے بعد کی ہوں اور ان سے صرف ان لوگوں پر حجت قائم کرنا مقصود ہے جو ہجرت سے پہلے شب معراج میں یا اس سے بھی پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کلی.... یا..... علم جمیع ماکان و مایکون کے حصول کے قائل ہیں اور ترتیب میں بھی تاریخ کا لحاظ رکھا جائے گا۔ یعنی پہلے ۱ھ کی احادیث درج ہوں گی پھر ۲ھ ہجری وعلیٰ ہذا فلیحفظ]

صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نتعلمت له کتاب یهود بالسریانیة وقال انی واللہ ما امن یهود علی کتابی فما مرلی نصف شهر حتی تعلمته وحذقته فکنت اکتب له الیهم واقرا له کتبهم ——— جمع الفوائد ص ۲۶ ج ۱ [۱۵۲]

(یعنی) حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی مخصوص سریانی تحریر سیکھنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بخدا اب میں اپنی خط و کتابت میں یہود کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں چنانچہ میں نے نصف مہینے سے بھی کم میں اس کو سیکھ لیا۔ پھر میں ہی آپ کی طرف سے یہود کو خط لکھتا تھا اور ان کے جو خطوط آتے تھے میں ہی انہیں حضور کو پڑھ کر سناتا تھا۔"

اس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد کہ خدا کی قسم میں اپنی خط و کتابت کے بارے میں یہود سے مطمئن نہیں ہوں۔ یعنی مجھے ان کی فریب بازی اور شرارت پسندی سے خطرہ رہتا ہے۔ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" اور علم جمیع ماکان و مایکون حاصل نہیں تھا۔ کیوں کہ اس صورت میں آپ کو یہود کی دسیسہ کاری اور دغا بازی سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ آپ کی خط و کتابت میں اگر کوئی چھل فریب کرتے بھی تو

تو آپ کو معلوم ہو جاتا بلکہ پہلے سے معلوم ہوتا (کمالا یخفی) ـــــ اور حضرت نے زید بن ثابتؓ کو یہ حکم ہجرت کے پہلے ہی سال بلکہ مدینہ منورہ پہنچتے ہی دیا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں اس کی تصریح بھی ہے۔ (ملاحظہ ہو کنز العمال ص۱۵۱ ج۷)

حدیث نمبر ۸۲ تا ۸۵

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں نے مشرکین مکہ کو شکست فاش دی اور ان کے ستّر آدمی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار بھی ہوتے ان کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وزیران خاص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا کہ:۔

(قال ابن عباس وھو یرویہ عن عمر رضی اللہ عنہ) فلما اسروا الاساری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر وعمر ماترون فی ھؤلاء الاساری فقال ابوبکر یانبی اللہ ھم بنو العم والعشیرۃ اری ان تاخذ منھم فدیۃ فتکون لنا قوۃ علی الکفار فعسی اللہ ان یھدیھم للاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتری یا ابن الخطاب قال قلت لا واللہ یارسول اللہ ما اری ما اری ابوبکر ولکن اری ان تمکنا فنضرب اعناقھم فتمکن علیاً

آپ لوگوں کی ان کے متعلق کیا رائے ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ اپنے ہی کنبے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ سب اپنے اہلِ قرابت ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس سے ہم کو مالی قوت ہو گی۔ اور پھر یہ بھی امید ہے کہ اللہ ان کو اسلام کی ہدایت کر دے۔ اور یہ راہِ حق پر آجائیں ـــ آنحضرتؐ نے پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے عرض کیا حضرت! میری ہرگز یہ رائے نہیں ہے۔ قسم بخدا! میں تو یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ حضور ان کو ہمارے قبضہ میں دے دیں اور پھر ہم ان سب کا خاتمہ کر دیں۔ عقیل ابن طالب کو ان کے بھائی علی کے حوالہ کیا جائے۔ اور میرا فلاں عزیز میرے حوالے کیا جائے۔ اور میں خود اپنے ہاتھ سے

من عقيل فيضرب عنقه وتمكنى
من فلان (نسيبًا لعمر) فاضرب
عنقه فان هولاء ائمة الكفر
وصناديدها فهوى رسول الله
صلى الله عليه وسلم ما
قال ابوبكر ولم يهو ما قلت
فلما كان من الغد جئت
فاذا رسول الله صلى الله
عليه وسلم وابوبكر قاعدين
يبكيان قلت يا رسول الله
من اى شئى تبكى انت و
صاحبك فان وجدت بكاءً
بكيت وان لم اجد بكاء تباكيت
لبكائكما فقال رسول الله
صلى الله عليه وسلم ابكى للذى
عرض على اصحابك من اخذهم
الفداء لقد عرض على عذابهم ادنى
من هذه الشجرة شجرة قريبة من رسول الله
صلى الله عليه وسلم فانزل الله عزو
جل "ما كان لنبي ان يكون له
اسرى الى قوله حلالا طيبًا"

اس کا کام تمام کر دوں اور اس طرح جو جس کا عزیز
ہو اس کے حوالے کیا جائے۔ اور وہی اس کی گردن
مارے یہ سب ائمۃ الکفر اور سرداران مشرکین ہیں۔
(اگر ان کو تہ تیغ کر دیا جائے تو کفر کی بڑی طاقت
ٹوٹ جائے گی۔" (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ) حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ
کو اختیار فرمایا اور میری رائے حضور کو پسند نہ آئی
(چنانچہ ان سب اسیروں سے فدیہ پر معاملہ کر لیا گیا)،
پھر جب اگلی صبح ہوئی میں خدمت اقدس میں حاضر
ہوا دیکھتا کیا ہوں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور ابوبکر دونوں بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمایئے کہ رونے کا
کیا سبب ہے؟ تاکہ میں بھی شریک غم ہو جاؤں
— آپ نے فرمایا کہ میں "اس مظاہرہ عتاب"
کی وجہ سے روتا ہوں جو ان اسیروں سے فدیہ کا
معاملہ پیش کرنے کی وجہ سے پیش کیا گیا ہے۔ اور
اسی پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔۔ مَاکَانَ لِنَبِیّ
ان یکون لہٗ اسریٰ حتی یثخن فی الارض
(الی قولہ تعالیٰ) حلالاً طیبًا ہ

(صحیح[158] مسلم ص ۹۳ ج ۲ واخرجہ[159] ایضا الامام احمد فی مسندہ ص ۲۸ ج ۱ والامام الترمذی۔ جمع الفوائد ص ۳۷ ج ۲)

یہ واقعہ جامع ترمذی، تفسیر ابن جریر اور مستدرک حاکم میں (مع تصحیح) کے حضرت
عبداللہ[111] بن مسعود سے اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن عمر سے نیز حضرت ابو ایوب[120]

سے بھی مروی ہے۔ (ابن کثیر)

ان تمام روایات میں باوجود اختلاف الفاظ وعنوانات اتنی چیز بطور قدر مشترک کے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی فدیہ والی رائے کو قبول فرمایا اور پھر آپ کو اس کا افسوس ہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کو "جمیع ماکان و مایکون" کا علم حاصل ہوتا تو یہ صورت پیش نہ آتی۔

حدیث نمبر ۸۶

اسی غزوہ بدر کے سلسلہ میں ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ جب اسلامی لشکر بدر کے قریب پہنچا تو مخالف لشکر کا ایک آدمی ہاتھ آگیا۔ جس کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ اور اس سے دشمن کی تعداد اور ان کے سامان جنگ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے چاہے۔ لیکن اس نے صاف صاف کچھ نہ بتایا حتی کہ جب کچھ سختی سے بھی پوچھا گیا تو اس نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ "وہ بہت زیادہ ہیں"۔ اور ان کے پاس بڑی طاقت اور بڑا سامان ہے ——— آخر کار صحابہ کرامؓ اس کو حضور کی خدمت میں لاتے۔ آپ نے بھی اس سے وہی دریافت کرنا چاہا اور پوچھا کہ:۔

(۲۱) فقال له كم القوم؟ قال هم والله كثير عددهم شديد باسهم فجهد النبي صلى الله عليه وسلم ان يخبرهم كم هم فابى ثم النبي صلى الله عليه وسلم كم ينحرون من الجزر فقال عشرًا كل يوم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم القوم الف كل جزور لمائة وتبعها" (الحديث)

وہ لوگ کتنے ہیں؟ اس نے پھر وہی کہا کہ ان کی شمار بہت ہے ان کی طاقت بڑی زبردست ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح وہ صاف صاف بتلا دے لیکن اس نے نہیں بتلایا۔ پھر حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ وہ کھانے کے لئے روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں اس نے بتلا دیا دس اونٹ روز، پس آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ بس ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔ ایک اونٹ سو آدمیوں کے لئے مع ان کے خدام وغیرہ کے۔

رواہ ابن ابی شیبہ واحمد وابن جریر وصححہ والبیہقی فی الدلائل کافی ہوتا ہے۔
کنز العمال صفحہ ۲۶۶

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" یا جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل نہ تھا ورنہ آپ کو مخالف لشکر کی تعداد اور اس کا حال معلوم کرنے کے لئے اس جد وجہد کی کچھ ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اور نہ اونٹوں کے لحاظ سے آپ کو تخمینہ لگانا پڑتا۔ (کما ہو ظاہر)

حدیث نمبر ۸۷ تا ۸۸

۳ھ ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا۔ اس کے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ جنگ کے اختتام کے بعد جب شہداء کے کفن دفن کی قلت کی وجہ سے دو دو تین تین شہیدوں کو ایک ایک کفن میں جمع کر کے ایک ایک قبر میں دفن فرمایا۔ اور اس کا اہتمام کیا کہ جس کے متعلق آپ کو معلوم ہوتا کہ اس کو قرآن کا علم زیادہ تھا۔ تو اس کو آپ مقدم فرماتے۔ اور اس کے لئے آپ اور لوگوں سے دریافت فرماتے تھے کہ ان میں کس کو قرآن کا علم زیادہ تھا؟ چنانچہ جب آپ کو بتلایا جاتا تھا کہ فلاں کو زیادہ تھا تو آپ اس کو مقدم فرماتے تھے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ :-

ان[۱۲۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجمع بین الرجلین من قتلی احد فی ثوب واحد ثم یقول ایہما اکثر اخذاً للقرآن؟ فاذا اشیر الی احدہما قدمہ فی اللحد۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد میں سے دو دو کو ایک ایک کفن میں شریک کر دیتے تھے اور صحابہؓ سے دریافت فرماتے تھے کہ ان میں سے کس نے قرآن زیادہ حاصل کیا تھا؟ پس جب ان میں سے کسی ایک کے متعلق بتلایا جاتا تو اس کو آپ قبر میں مقدم رکھتے تھے۔
للبخاری واصحاب السنن (جمع الفوائد صفحہ ۱۳۶ ج ۱) ۱۶۳	

نیز یہی واقعہ مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے کنز العمال میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس روایت کے آخری لفظ یہ ہیں :-

وکان[۱۲۳] النبی صلی اللہ علیہ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شہداء کے

وسلم یسأل ایہم اکثر قرآناً فیقدمہ۔ (کنز العمال ص۲۷۵/۵۷ ۱۶۴)

بارے میں لوگوں سے پوچھتے تھے کہ ان میں سے کس کو قرآن کا علم زیادہ تھا۔ پھر جس کے متعلق معلوم ہوتا اسے کو مقدم فرماتے۔

اس واقعہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" یا علم جمیع ماکان ومایکون حاصل نہیں تھا کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ان شہداء کے علم قرآن کے بارے میں آپ کو دوسروں سے تحقیق وتفتیش کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ آپ اپنے علم یقینی کے مطابق عمل فرما لیتے۔

حدیث نمبر ۸۹

اسی غزوۂ احد کے واقعات میں یہ بھی ہے کہ رافع بن خدیج نے اپنے کو جنگ کے واسطے حضور کی خدمت میں پیش کیا تو:-

استصغر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲۴) رافع بن خدیج یوم احد فقال لہ عمہ ظہیر یا رسول اللہ انہ رجل رام فاجازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ ابونعیم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کم سن قرار دیا اس پر ان کے چچا ظہیر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس کو تیر اندازی خوب آتی ہے۔ تو حضور نے ان کو شرکت جنگ کی اجازت دیدی۔ (کنز العمال ص۳۶/۷ ۱۶۵)

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" یا جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل نہیں تھا۔ ورنہ رافع بن خدیج کے چچا ظہیر کو ان کے تیر انداز ہونے کی اطلاع حضرت کو نہ دینی پڑتی نیز آنحضرت نے جو رائے بعد میں ان کے متعلق قائم فرمائی۔ آپ پہلے ہی سے وہی فیصلہ فرماتے۔

حدیث نمبر ۹۰

اسی سال یعنی ۳ ہجری (غزوۂ احد سے چند ماہ قبل) غزوۂ انمار پیش آیا۔ اور اس کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث موطا امام مالک میں مروی ہے۔ اسمیں ضمناً ایک واقعہ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت جابرؓ نے ایک کھیرے کا پھل حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔

(۱۲۵) فقال من این لکم ھذا ؟ فقلت یا رسول اللہ خرجنا بہ من المدینۃ ...... " مالک " (جمع الفوائد صفحہ ۱۶۶ ج ۱ ۳۸)

تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا : حضرت جابر نے عرض کیا حضرت ! ہیں یہ مدینہ طیبہ سے ساتھ لے کر چلا تھا ۔ الخ

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ " علم غیب " حاصل نہ تھا ۔ جس کے مدعی ہمارے مخالفین ہیں ۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو حضرت جابر سے یہ دریافت فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ یہ کھیرا تم کو کہاں سے ملا ؟

حدیث نمبر ۹۱

غزوہ احد سے چار مہینے کے بعد صفر ۴ ھ ہجری میں بیر معونہ کا واقعہ پیش آیا ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض (۱۲۶) قبائل عرب کے کچھ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ اپنے کچھ آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے (بعض روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ انہوں نے یہ آدمی تبلیغ اسلام اور تعلیم کتاب و سنت کے لئے طلب کئے تھے) بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس درخواست کو منظور فرمایا ۔ اور انصار میں سے ستر منتخب مسلمان (جو شب و روز دینی تعلیم اور دیگر دینی خدمات ہی میں مصروف رہتے تھے ۔ اور گویا جنہوں نے اپنی زندگی کو دین کی خدمت و اشاعت ہی کے لئے وقف کر دیا تھا) ان کے ساتھ کر دیئے ۔ چند منزل جانے کے بعد ان لوگوں نے غداری کی اور راستہ ہی میں مشرک قبائل کے سفاکوں سے ان خدام اسلام کو شہید کرا دیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان فرزندانِ اسلام کی شہادت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ بقول حضرت انس رض کسی اور ایسے حادثہ پر آپ کو اتنا رنجیدہ اور غمزدہ نہیں دیکھا گیا (مسلم) یہاں تک کہ آپ نے ان غداروں اور سفاک قبائل کے حق میں (نازوں میں) بددعا فرمائی

(صحیح بخاری ۱۶۷ کتاب المغازی جزء ۱۶ و صحیح مسلم ۱۶۸ صفحہ ۲۳۷ ج ۱ و جمع الفوائد ۱۶۹ صفحہ ۵ ج ۲)

یہ واقعہ بھی اس کی واضح تر دلیل ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو " علم غیب " یا علم جمیع ما کان و ما یکون نہیں تھا ۔ ورنہ آپ ان غداروں کے فریب میں نہ آتے ۔

حدیث نمبر ۹۲

اسی سنہ اور اسی مہینہ میں بالکل اسی قسم کا ایک اور افسوسناک واقعہ بھی پیش آیا۔ جو تاریخ اسلام میں "غزوہ ذات الرجیع" کے نام سے معروف ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے کہ:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص ضرورت سے (صحیح بخاری کی روایت کی بنا پر دشمنانِ اسلام کی کچھ خاص خبریں اور ان کی تیاریوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے اور بعض اہلِ تفسیر کی روایت کے مطابق اہلِ مکہ کی درخواست پر) اپنے مخلصین کی ایک جماعت کو حضرت عاصم بن ثابت کی سرکردگی میں بھیجا، جب یہ حضرت عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچے تو دشمنِ اسلام قبیلہ بنو لحیان کو ان کا پتہ چل گیا اور انہوں نے ان کو گھیر کر شہید کر ڈالا۔ اور ان میں سے دو حضرات (حضرت خبیب اور حضرت زید بن وثنہ) کو زندہ گرفتار کرکے اہلِ مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور پھر انہوں نے نہایت جلادی اور سفاکی کے ساتھ ان کو بھی شہید کر دیا
(ملخصاً صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرجیع، ومعالم التنزیل ص ۱۶۴/۱)
بیر معونہ کے مندرجہ بالا واقعہ کی طرح اس واقعہ سے بھی ہمارے مدعا کا ثبوت ظاہر ہے۔

حدیث نمبر ۹۳

جامع ترمذی، تفسیر ابن جریر، وابن المنذر وابن ابی حاتم اور مستدرک حاکم میں سورۂ نساء کی آیات "اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰکَ اللّٰہُ" (الآیات) کے شانِ نزول میں حضرت قتادہ بن نعمان کی روایت سے ایک طویل واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-
راوئ حدیث جناب قتادہ کے چچا رفاعہ کے مکان میں نقب لگا کر چوری کی گئی جس میں کچھ کھانے کا سامان اور کچھ ان کے ہتھیار چوری ہو گئے۔ تفتیش سے بالیقین معلوم ہوا کہ یہ حرکت بنو ابیرق کی ہے۔ قتادہ اپنے چچا رفاعہ کے کہنے سے اس معاملہ کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا ماجرا آپ کو سنایا اور یہ بھی عرض کر دیا کہ ہم کو تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ کارروائی بنو ابیرق کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کم از کم ہمارے ہتھیار ہم کو واپس مل

جائیں۔ حضور نے توجہ فرمانے کا وعدہ فرمایا ـــــ جب بنو ابیرق کو اس کا پتہ چلا تو آپس میں سازش کر کے وہ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور! قتادہ اور اس کے چچا رفاعہ نے ہمارے بعض آدمیوں پر جو مسلمان اور صالح ہیں، بلا گواہ اور بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے ـــــ قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور میں نے کچھ عرض کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا۔

عمدت الی اھل بیت ذکر منھم اسلام وصلاح ترمیھم بالسرقة من غیر بینة ولا ثبت ،،	قتادہ! تم نے بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے بالقصد ایک ایسے گھرانے کے لوگوں کو چوری لگائی ہے جن کو مسلمان اور صالح بیان کیا جاتا ہے۔

قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سے یہ سن کر واپس آگیا اور مجھے بہت رنج ہوا کہ کاش میں اس معاملہ میں حضور سے کچھ عرض ہی نہ کرتا۔ اور جب میرے چچا میرے پاس آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ اس معاملہ میں تم نے کیا کیا؟ تو میں نے ان کو جواب سنا دیا۔ ان کی زبان سے نکلا "اللہ المستعان" پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت پر وحی نازل ہوئی جس نے ساری حقیقت کھول دی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کو حکم ہوا آپ بنو ابیرق کی حمایت نہ فرمائیں وہی اصل مجرم ہیں۔ اور قتادہؓ سے آپ نے جو فرمایا اس پر استغفار کریں۔ چنانچہ اس وحی کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مسروقہ ہتھیار رفاعہ کو دلوا دیئے۔

(ملخصاً جامع ترمذی ۲/۱۲۷ کتاب التفسیر و درمنثور ۲/۲۱۶ ۲/۲۱۳)

اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ماکان و ما یکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ آپ قتادہ کو وہ جواب نہ دیتے جو روایت میں مذکور ہوا۔ اور جس پر آپ کو منجانب اللہ استغفار کا حکم ہوا۔ کما لا یخفیٰ ـــــ اور یہ واقعہ بھی ۴ھ کا ہے۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد میں محمود بن لبید کی روایت سے مروی ہے۔ (درمنثور ۲/۲۲۲)

حدیث نمبر ۹۴

اور اسی ۴ھ ماہ ربیع الاول میں بنو نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ پیش آیا۔ جس کو

رزین نے حضرت عمرو بن امیہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ :۔

كتب (۱۲۹) عامر بن الطفيل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قتلت رجلين لهما منك جوار فابعث بديتهما فانطلق صلى الله عليه وسلم الى ما ثم مال الى بنى النضير يستعينهم فى ديتهما ومعه نفر من المسلمين فاستند الى جدار فكلمهم فقالوا نعم فقام احدهم فصعد على راس الجدار ليدلى عليه صخرة فاخبره جبرئيل فقام ثم اتبعه المسلمون فقال لقد همت اليهود بقتلى فقال لمحمد بن مسلمة اذهب الى اليهود فقل اخرجوا من المدينة لا تساكنونى فيها فاجلاهم صلى الله عليه وسلم بعد ان اراد غيل ذالك ، رواه رزين، (۱۷۳) (جمع الفوائد جلد ۲ صفحہ ۴۴)

عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو لکھا کہ مجھ سے دو ایسے آدمی قتل ہو گئے جن کو آپ کی طرف سے امان کا معاہدہ تھا۔ لہذا ان کا خون بہا بھیجیے تاکہ ادا کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تباً تشریف لے گئے اور وہاں سے بنی نضیر کی بستی میں گئے تاکہ ان سے بھی (معاہدہ کے ماتحت) اس دیت میں امداد لیں اور آپ کے ساتھ چند مسلمان اور بھی تھے۔ آپ وہاں پہنچکر ایک دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے اور ان لوگوں سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی۔ انہوں نے دیت میں شرکت کا اقرار کیا۔ (بظاہر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف یہ شرارت ہوئی کہ ان میں سے ایک آدمی چپکے سے اس دیوار پر چڑھ گیا تاکہ وہاں سے حضور پر پتھر کی ایک چٹان گرا دے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل نے اس مکر کی اطلاع دے دی۔ آپ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے بتلایا کہ ان یہودیوں نے میرے قتل کی سازش کی تھی۔ پھر اس غداری پہ آپ نے ان کی جلا وطنی کا حکم صادر فرما دیا۔ حالاں کہ پہلے آپ کا یہ ارادہ نہ تھا۔

اس واقعہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ دیت کی شرکت کی امید پر وہاں تشریف ہی نہ لے جاتے نیز آپ کو ان کے متعلق رائے مبارک بدلنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اور پہلے ہی سے

آپ کا فیصلہ وہ ہوتا جو بعد میں ہوا۔ حالاں کہ روایت کا آخری فقرہ بتلا رہا ہے کہ ان کے بارے میں آپ نے رائے بدلی "

حدیث نمبر ۹۵ و ۹۶

صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بطرق مختلفہ اور بالفاظ متقاربہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ :۔

ایک[۱۳] غزوہ میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا۔ وہاں میرا ایک ہار جاتا رہا، اس کی تلاش کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور آپ کے ساتھ دوسرے اہلِ لشکر کو بھی ٹھہر جانا پڑا۔ اس موقعہ پر حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

انقطع عقد لی فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ۔ (الحدیث)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس موقع پر یہ الفاظ ہیں کہ :۔

عن عائشۃ انھا استعارت من اسماء قلادۃ فھلکت فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناسًا من اصحابہ فی طلبھا۔ (الحدیث)	حضرت عائشہؓ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کا ہار عاریۃً لے گئی تھیں وہ گم ہو گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اس کی تلاش میں بھیجا۔ الخ

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ :۔

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسید بن حضیر واناسا معہ فی طلب قلادۃ اضلتھا عائشۃ ۔ (الحدیث)	حضرت عائشہ نے اپنا ایک ہار گما دیا تھا۔ اس کو تلاش کرنے کے لئے حضورؐ نے اسید بن حضیر کو اور ان کے ساتھ چند آدمیوں کو اور بھیجا

بہرحال ان تمام احادیث کے الفاظ اس پر متفق ہیں کہ اس ہار کے تلاش کرنے کی وجہ سے حضرتؐ نے اس منزل میں قیام فرمایا اور اپنے بعض اصحابؓ کو اس کے تلاش کرنے کے لئے بھیجا ـــــ پھر آخر حدیث میں مذکور ہے کہ :۔

فبعثنا البعیر الذی کنت علیہ فاصبنا العقد تحتہ۔

پھر جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی، تو اس کے نیچے ہی وہ ہار مل گیا۔

(صحیح بخاری شروع کتاب التیمم، صحیح مسلم باب التیمم ج ۱ صفحہ ۱۶۰۔ ابوداؤد، باب التیمم موطا مالک باب التیمم ص۱۱ ونسائی باب التیمم)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل غیوب" یا جمیع ماکان و ما یکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ ہار تلاش کرنے کے لئے آپ کو قیام فرمانے اور لوگوں کو ادھر ادھر بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ جیسے ہی حضرت صدیقہؓ نے آپ سے عرض کیا تھا۔ آپ فرما دیتے کہ تمہارے اونٹ کے نیچے ہے۔

اور یہ واقعہ اکثر محدثین اور اہل سیر کی رائے کے مطابق غزوہ بنی المصطلق میں پیش آیا ہے جو ۵ھ میں ہوا۔ (اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ فتح مکہ میں یہ واقعہ پیش آیا۔ جو اواخر ۸ھ میں ہوا) ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۲۱۵-۲۱۶ پ ۲

اور یہی واقعہ[۱۳] سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ سنن[۱۸۰] ابی داؤد باب التیمم ونسائی ایضاً باب التیمم)

حدیث نمبر ۹

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ احزاب کی ایک رات کو جب کہ بڑی تیز ہوا چل رہی تھی اور بڑی سخت سردی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

الا[۱۳۲] رجل یاتینی بخبر القوم جعلہ اللہ عز وجل معی یوم القیمۃ فسکتنا فلم یجبہ منا احد ثم قال الا رجل یاتنا بخبر القوم جعلہ اللہ عز و جل معی یوم القیمۃ

کیا کوئی ایسا مرد ہے جو حریف کے لشکر کی خبر لاکر مجھے دے۔ خدا قیامت کے دن اس کے بدلہ میں اس کو میری معیت نصیب کرے گا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ اس کے جواب میں ہم سب خاموش رہے۔ پھر حضورؐ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا۔ (اور بعض روایات میں ہے کہ تین دفعہ ارشاد

فسکتنا فلم یجبه منا احدٌ فقال قم یا حذیفة فائتنا بخبر القوم (الحدیث)

صحیح مسلم[۱۸۱] ص۱۰۷ ج۲

فرمایا۔ پھر آپ نے حضرت حذیفہ کو نامزد کرکے حکم دیا۔ حذیفہ تم اٹھو! اور دشمن کی فوج کا پتہ نکال کے لاؤ (چنانچہ حضرت حذیفہ گئے اور خبریں حاصل کرکے حضور کو پہنچائیں)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ غزوۂ احزاب تک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "کل غیوب" یا "جمیع ما کان وما یکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ دشمن کی فوج کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے کسی کو وہاں بھیجنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اور غزوۂ احزاب بنا بر قول راجح ۵ھ میں ہوا ہے۔

(ارجح فتح الباری ص۵۵)

حدیث نمبر ۹۸

اور اسی "غزوۂ احزاب" میں ایک دن اور ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور اس روز آنحضرت کے حکم کی تعمیل کی سعادت حضرت زبیرؓ نے حاصل کی اور اسی دن موصوف نے "حواری الزبیر" کا جلیل القدر خطاب پایا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں حضرت جابر سے اس طرح مروی ہے۔

قال[۱۴۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب من یاتینا بخبر القوم؟ فقال الزبیر انا ثم قال من یاتینا بخبر القوم؟ فقال الزبیر انا ثم قال من یاتینا بخبر القوم؟ فقال الزبیر انا ثم قال ان لکل نبی حواریا وحواری الزبیر"

(صحیح بخاری[۱۸۳] باب غزوۃ الخندق پ۱۶)

غزوہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو ہم کو ان لوگوں کی خبر لا کے دے؟ زبیر نے عرض کیا میں حاضر ہوں۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا کون ہے جو ہمیں ان لوگوں کے حالات کی خبر لا کر دے؟ پھر زبیر ہی نے عرض کیا میں حاضر ہوں (پھر تیسری مرتبہ آپ نے وہی ارشاد فرمایا اور پھر زبیر ہی نے اپنے کو پیش کیا۔ آپ نے خوش ہو کر ارشاد فرمایا ہر پیغمبر کے لئے کچھ حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں

یہی واقعہ کسی قدر اختصار کے ساتھ صحیح مسلم کتاب المناقب میں بھی مروی ہے۔

(صحیح مسلم ص ۲۸۱/۲ [۱۸۴])

حدیث نمبر ۹۹

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں مہلب بن ابی صفرہ کی روایت سے اسی غزوۂ احزاب کے واقعات میں مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخاف ان یبیتھم ابو سفیان ان بتم فان عوا کم حم لا ینصرون "
رواہ ابن شیبہ کنز العمال ص ۲۸۲/۵ [۱۸۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ "ابوسفیان" اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر شب خون مارے تو آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اگر ایسا ہو تو تمہارا امتیازی نعرہ "حم لا ینصرون" ہونا چاہیئے۔

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب کلی" یا علم جمیع ماکان و مایکون حاصل ہوتا تو آپ کو شبخون کا کوئی خطرہ نہ ہوتا۔ اور معلوم ہوتا کہ ایسی کوئی واردات ہونی نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۰

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں غزوۂ بنی قریضہ کے بیان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مروی ہے۔

لما رجع النبی صلی اللہ علیہ [۱۳۰] وسلم من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاہ جبرئیل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیھم، قال فالی این ؟ قال ھھنا واشار الی بنی قریضہ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھم (صحیح بخاری باب مخرج النبی [۱۸۶]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس ہوئے اور اپنے جسم اقدس سے ہتھیار علیحدہ کئے اور غسل فرمایا تو حضرت جبریل حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہم نے تو ابھی تک نہیں اتارے۔ ادھر ان کی طرف چلئے آپ نے فرمایا کدھر؟ انہوں نے اشارہ سے بتلایا کہ "بنی قریضہ" کی طرف (جنہوں نے غزوۂ خندق ہی کے موقع پر سخت

خطرناک غداری کی تھی) الی بنی قریظہ (صحیح مسلم صہ ۹۵ ج ۲)
چنانچہ آپ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ادھر تشریف لے گئے اور ان کا محاصرہ
کیا۔ الخ۔

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو اس وقت علم غیب کلی یا "جمیع ماکان ومایکون" کا علم محیط حاصل ہوتا تو آپ کو پہلے سے معلوم
ہوتا کہ اس کے بعد ہم کو "بنی قریظہ" کی طرف جانا ہے۔ اور ہتھیار نہ اتارتے اور نہ آپ کو
حضرت جبرئیل سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہوتی کہ "الی این" (یعنی اب کدھر
جانا ہے ؟)

حدیث نمبر ۱۰۱

اور ۵ھ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا اور
اس کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ "جب آپ نے ولیمہ کے کھانے پر لوگوں کو مدعو
کیا تو کچھ لوگ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی وہیں اسی حجرہ میں بیٹھے باتیں کرتے
رہے۔ جس سے حضرت کے اوقات اور مشاغل میں خلل پڑا، آپ بایں خیال وہاں سے اٹھ
گئے کہ یہ لوگ سمجھ جائیں اور اٹھ جائیں۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد آپ یہ سمجھ کر واپس تشریف
لائے کہ اب وہ لوگ جا چکے ہوں گے، لیکن یہ حضرات ابھی تک بیٹھے باتیں کر رہے تھے
اور انہیں حضرت کے منشا کا بالکل احساس نہیں ہو سکا چنانچہ حضرت پھر واپس باہر ہی کو
تشریف لے گئے۔ اور کچھ دیر کے بعد اس خیال سے تشریف لائے کہ اب وہ لوگ جا
چکے ہوں گے۔ چنانچہ اس مرتبہ وہ جا چکے تھے۔ تو آپ اندر حجرہ میں تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت انس کی روایت سے مروی ہے
اور اس کے جس حصہ سے ہمارے استدلال کا تعلق ہے وہ حضرت انس کے
یہ الفاظ ہیں:۔ "ثم ظن انھم خرجوا فرجع ورجعت
معہ حتی اذا دخل علی زینب فاذا ھم جلوس لم
یقوموا فرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الولیمۃ حق" وصحیح مسلم ص ۴۶۱)

باب زواج زینب ص۴۶۱ ج۱)

اس بیان کا واضح مفاد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ یہ خیال فرما کر تشریف لائے کہ اب وہ لوگ جا چکے ہوں گے۔ لیکن آپ نے آکر دیکھا کہ وہ ابھی بیٹھے ہی ہوتے ہیں ـــــ اور یہ اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب کہ آپ کو علم کلی اور "جمیع ماکان ومایکون" کا علم محیط" حاصل نہ ہو۔

حدیث نمبر ۱۰۲

سنن ابی داؤد میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ :-

"اکلت ثومًا فاتیت مصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد سبقت برکعۃ فلما دخلت المسجد وجد ریح الثوم فلما قضی صلوٰتہ قال من اکل من ھذہ الشجرۃ فلا یقربنا حتی یذھب ریحھا او ریحہ فلما قضیت الصلوٰۃ جئت الیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت لتعطینی یدک فادخلت یدہٗ فی کم قمیصی الی صدری فاذا انا معصوب الصدر فقال ان لک عذرًا"

(لابی داؤد۔ جمع الفوائد ص۱۹ ج۱)

ایک دن میں لہسن کھا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حاضر ہوا اور وہاں ایک رکعت ہو ہو چکی تھی اور میرے پہنچنے پر لہسن کی بو وہاں محسوس ہونے لگی۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ جو شخص لہسن کھائے وہ اس وقت تک ہمارے پاس نہ آئے جب تک کہ اس کی بو اس سے زائل نہ ہو جائے ـــــ مغیرہ کہتے ہیں پھر جب میں نے اپنی نماز ختم کر لی تو میں آپ کے پاس پہنچا اور عرض کیا ذرا اپنا ہاتھ لیجیے! پس میں نے آپ کا ہاتھ کرتے کے اندر اپنے سینے پر رکھا۔ تو میرے سینے پر پٹی بندھی ہوئی تھی، پس آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں بیشک تم معذور ہو۔

گویا حضرت مغیرہؓ نے اس طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باور کرایا بلکہ دکھلایا کہ میں نے لہسن کا استعمال بیماری کی مجبوری سے کیا ہے ـــــ اس سے بھی صاف

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم محیط" یا "علم جمیع ما کان و ما یکون" نہ تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آپ کے متعلق ایسا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ ورنہ حضرت معیزہ کو اپنی معذوری دکھانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اگرچہ اس واقعہ کا سنہ متعین طور پر معلوم نہیں تاہم یہ یقینی ہے کہ یہ ۵ھ یا اس کے بعد ہی کا واقعہ ہے۔ کیوں کہ حضرت معیزہؓ ۵ھ (عام الخندق) ہی میں مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۱۰۳

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نیز دیگر کتب حدیث میں حضرت انسؓ سے بطرق مختلفہ یہ واقعہ مروی ہے کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے چند آدمیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور آپ سے بیعت کی۔ پھر جب چند دنوں کے بعد مدینہ کی آب و ہوا ان کے موافق نہ آئی اور وہ کچھ بیمار پڑ گئے تو انہوں نے آنحضرتؐ سے اجازت چاہی کہ ہم کو اونٹوں کے گلوں کے ساتھ جنگل میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ بیت المال کے اونٹوں کے ساتھ رہیں اور ان کا دودھ وغیرہ پییں، چند دنوں میں وہ اچھے ہو گئے اور انہوں نے یہ غداری اور سفاکی کی کہ اونٹوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور سب اونٹوں کو لے کر فرار ہو گئے ایک چرواہا جو ان سے بچ گیا تھا وہ دوڑا ہوا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ ایسا واقعہ ہو گیا اور میرے ساتھی کو وہ لوگ قتل کر کے سارے اونٹوں کو ہنکالے گئے حضور نے فوراً چند مسلمان سواروں کو کرز بن جابر فہری کی سرکردگی میں ان کے تعاقب کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ سواروں کا یہ دستہ ان کو گرفتار کر لایا۔ اور پھر ان مرتد غداروں کو نہایت عبرتناک سزا دی گئی" (ملخصاً)

(صحیح بخاری[۱۹۱] کتاب الطہارت، ایضاً کتاب المغازی، و صحیح مسلم[۱۹۲] باب حکم المحاربین والمرتدین صہ ۵۷)

اس واقعہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب کلی"

یا علم جمیع ما کان و ما یکون حاصل نہ تھا، ورنہ ان غدار مرتدوں کی بدنیتی اور ان کے ناپاک اور خطرناک ارادوں پر آپ کو پہلے سے اطلاع ہوتی اور آپ انکو یہ موقع نہ دیتے۔ اور یہ واقعہ امام ابن اسحاق کے قول کے مطابق جمادی الاخری ۶ھ میں اور واقدی و ابن سعد و ابن حبان کے قول کے مطابق شوال ۶ھ میں پیش آیا اور یہی زیادہ مشہور بھی ہے۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۱۰۴

(۱۳۹) اور اسی ۶ھ کے آخر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قریباً چودہ سو اصحاب کرام کے ساتھ بہ نیت عمرہ مکہ معظمہ کا قصد فرمایا اور جب مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو وہاں سے آپ نے احرام باندھا اور قربانی کے لئے جو قریباً ستر اونٹ آپ کے ساتھ تھے قربانی کی نشانی کے طور پر آپ نے ان کے قلادے ڈلوائے اور اشعار کیا اور وہیں سے ایک شخص خزاعہ نامی کو جاسوس کی حیثیت سے آگے روانہ فرمایا اور آپ اپنے قافلہ کے ساتھ برابر آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ جب مقام غدیر الاشطاط پر پہنچے تو اس جاسوس خزاعہ نے آکر آپ کو پتہ دیا کہ قریش نے آپ کے مقابلہ کے لئے تمام قبیلوں اور جماعتوں کو جمع کیا ہے اور انہوں نے طے کرلیا ہے کہ وہ مکہ کے داخلہ سے آپ کو روکیں گے اور اس کے لئے جنگ کریں گے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل الرائے اصحاب کو جمع کر کے ان کا مشورہ لیا اور یہ طے پایا کہ اسی طرح چلے چلیں اور اپنی طرف سے جنگ کے لئے کوئی پیشقدمی نہ کریں۔ اگر قریش ہمارے راستہ میں خود ہی حائل ہوں اور ہم سے جنگ کریں تو مدافعانہ جنگ کی جائے، یہ طے ہو جانے کے بعد آپ خدا کے نام پر روانہ ہوئے گئے یہاں تک کہ وادی حدیبیہ میں جاکر آپ نے مقام فرمایا اور پھر خود قریش کی طرف سے مصالحت کی گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور بالآخر معاہدہ حدیبیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے اور اس میں منجملہ اور چیزوں کے یہ بھی طے ہوا کہ اس سال آپ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق آپ نے مع اپنے پورے قافلہ کے واپسی کا ارادہ فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ قربانی کے جو جانور

ساتھ آتے ہیں۔ یہیں ان کی قربانی کر کے اور اپنے سروں کے بال اتروا کے احرام ختم کر دیا جائے۔ لیکن لوگ اس صلح کی ظاہری مغلوبیت سے گویا اس قدر متاثر تھے کہ کوئی بھی اس کے لئے اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ حضرت نے تین دفعہ اس ارشاد کا اعادہ فرمایا اس پر بھی جب آپ نے کسی کو اٹھتا نہ دیکھا تو آپ خیمہ میں تشریف لے گئے اور اپنی اہلیہ مطہرہ ام سلمہؓ سے (غالباً ان کے استفسار پر) اس صورت حال کا تذکرہ فرمایا۔ انہوں نے مشورۃً عرض کیا کہ اگر حضور چاہتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں تو اب ان سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ خود باہر تشریف لے جا کر سب کے سامنے پہلے خود اپنی قربانی فرما دیں۔ اور اپنے بال اتروا دیں۔ اس کے بعد وہ لوگ خود بخود اس کی تعمیل کریں گے چنانچہ حضرت نے ان کے اس مشورہ ہی پر عمل فرمایا۔ اور خود باہر تشریف لا کر سب سے پہلے آپ نے قربانی کی اور "حلاق" کو بلا کر اپنے بال اتروا لئے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو فوراً انہوں نے بھی اپنی اپنی قربانیاں کرنی اور بال اتروانے شروع کر دیئے۔ اور اس طرح عمرہ کا وہ احرام ختم کر کے آپ مدینہ کو واپس ہوتے"۔

یہ خلاصہ ہے ان احادیث کا جو اس واقعہ سے متعلق صحیحین میں مروی ہیں۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری[193] کتاب المغازی و کتاب الشروط و صحیح مسلم[194] باب صلح الحدیبیہ)

اس واقعہ میں دو چیزیں ایسی ہیں جن سے ہمارا مدعا خاص طور پر ثابت ہوتا ہے۔ ایک آنحضرت کا خزاعہ کو جاسوسی کے لئے بھیجنا ــــــ اور دوسرے لوگوں کو قربانیاں کرنے اور بال اتروانے پر آمادہ کرنے کے لئے پہلے زبانی ارشاد فرمانا۔ اور پھر حضرت ام سلمہ کے مشورہ کے بعد اس کے لئے دوسرا طریقہ اختیار فرمانا، کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم کلی" یا "علم جمیع ماکان و مایکون" حاصل ہوتا تو قریش کے حالات اور ان کے ارادوں کی دریافت کے لئے آپ کو کسی جاسوس کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور لوگوں کو قربانیاں کرنے اور بال اتروانے پر آمادہ کرنے کے لئے جو طریقہ آپ نے حضرت ام سلمہ کے مشورہ کے بعد اختیار فرمایا۔ اور کامیاب ہوا۔ وہ آپ پہلے ہی اختیار فرماتے

واللہ اعلم

حدیث نمبر ۱۰۵

"[۱۴۰] فتح حدیبیہ سے واپسی پر صرف پندرہ بیس دن مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے محرم ۷ھ میں غزوہ خیبر ہوا۔ اس کے مشہور واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ اور مسلمانوں کی فتح مکمل ہونے کے بعد جب قانون جنگ کے مطابق غنیم کے گرفتار شدہ مرد و عورت غلام اور باندیاں بنائے گئے۔ تو دحیہ نامی ایک صحابی نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک باندی ان میں سے مجھے عطا فرما دی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جاؤ ایک باندی لے لو، انہوں نے گرفتار شدہ عورتوں میں سے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ اتنے ہی میں ایک اور صحابی حاضرِ خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا حضور نے صفیہ بنت حیی کو دحیہ کو عطا فرما دیا حالاں کہ وہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار ہے۔ ان صحابی کا مطلب یہ تھا کہ اس سے ایک تو صفیہ اور اس کی قوم کی دل شکنی ہوگی کہ اس کی سیادت اور عالی مرتبی کے باوجود وہ ایک معمولی سپاہی کے حوالہ کر دی گئی۔ دوسرے اس سے اور مسلمان مجاہدوں پر دحیہ کے امتیاز اور تفوق کا شبہ ہوگا۔ بہر حال اس قسم کے مصالح کی وجہ سے ان صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مشورۃً یہ عرض کیا کہ صفیہ کو حضور خود اپنے پاس رکھیں۔) آپ نے ان صحابی کا یہ مشورہ قبول فرما لیا۔ اور دحیہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس کی بجائے تم اور کوئی باندی لے لو اور حضرت صفیہ کو آپ نے آزادی دے کر خود زوجیت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ صہ ۱۹۵ باب ما یذکر فی الفخذ۔ و صحیح مسلم کتاب النکاح صہ ۱۹۸ صہ ۴۵۹)

اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" یا علم جمیع ماکان وما یکون نہ تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ شروع ہی میں صفیہ کو دحیہ کے لئے عطا نہ فرماتے۔ نیز اس صورت میں ان دوسرے صحابی کو خدمتِ اقدس میں اپنا مشورہ اور اپنی رائے پیش کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۰۶ اور ۱۰۷

اور اسی غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے ایک واقعہ جس کو "ابن جریر" کے حوالہ سے کنز العمال

میں عبدالرحمٰن ابن ابی عمرہ کی روایت سے نقل کیا ہے یہ ہے :۔

ان[۱۴۱] النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بامرأۃ مقتولۃ فقال من قتل ھذہ؟ فقال رجل انا اردفتھا خلفی فارادت ان تقتلنی فقتلتھا فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدفنھا ‘‘	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک مقتول عورت پر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس کو (گرفتار کرکے) اپنی سواری پر پیچھے بٹھالیا تھا تو اس نے مجھے قتل کر دینا چاہا۔ پس میں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو دفن کر دیا جائے ۔
(رواہ ابن جریر کنز العمال صفحہ ۲۹۸ ج ۲ [۱۹۷])	

اس واقعہ سے بھی ہمارا مدعا صاف ظاہر ہے کیوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’علم غیب کلی‘‘ یا ’’علم جمیع ما کان وما یکون‘‘ حاصل ہوتا تو مقتولہ کے متعلق آپ کو یہ دریافت فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ ’’من قتل ہذہ‘‘؟ (اس کو کس نے قتل کیا؟)

نیز قریب[۱۴۲] قریب اسی مضمون کی ایک روایت اسی کنز العمال میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ملاحظہ ہو کنز العمال صفحہ ۲۹۸ ج ۲ [۱۹۸]

حدیث نمبر ۱۰۸

نیز[۱۴۳] اسی غزوہ خیبر کے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک یہودی عورت (زینب بنت الحرث) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور بکری کے گوشت کے ساتھ زہر ملا دیا۔ پہلا لقمہ کھانے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ اس میں زہر کی آمیزش ہے۔ اور اگرچہ بحمد اللہ آپ کے حق میں اس کا ناپاک ارادہ پورا نہ ہوا لیکن آپ کے ساتھی بشر بن معرور (جنہوں نے شبہ کے باوجود صرف حضرت کے لحاظ سے لقمہ منہ سے اگلنا مناسب نہ سمجھا) جانبر نہ ہو سکے اور اس زہر ہی نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی اگرچہ اس وقت اس زہر کا اثر زیادہ نہ ہوا۔ لیکن تین برس کے بعد مرض الوفات میں آپ نے اس کا بہت زیادہ اثر محسوس کیا حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ سے آپ نے فرمایا۔

"یا عائشہ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر وھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذالک السم" (صحیح بخاری[199] باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)

(یعنی تین سال سے برابر میں اس زہر آلود کھانے کی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ جو خیبر میں مجھے کھلایا گیا تھا۔ اور اس وقت اس زہر ہی کے اثر سے میری رگ جان کٹتی سی معلوم ہو رہی ہے۔)

اس واقعہ سے بھی ہمارا مدعا بالکل ظاہر ہے۔ کیوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب کلی" یا علم جمیع ماکان ومایکون حاصل ہوتا تو اس یہودیہ کی یہ حرکت آپ کو پہلے سے معلوم ہوتی اور یہ المناک واقعہ پیش ہی نہ آتا۔

(اس واقعہ کی مزید تفصیل اگر درکار ہو تو کتب سیر کے علاوہ فتح الباری[200] "باب الشاۃ التی سمت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بخیبر صہ ۱۹/۱۷" میں بھی ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۵

اور اسی غزوۂ خیبر کے واقعات میں حضرت زید بن ثابت رضؓ سے ایک واقعہ یہ بھی مروی ہے کہ :-

کنا[201] مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ خیبر فاصبنا ضبابًا فاشتوی الناس منہا واشتویت ثم اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضعتہ بین یدیہ فاخذ عودًا فجعل یعد اصابعہ فقال ان امۃ من الامم مسخت دواب فلا ادری ای امۃ فلم یاکل۔ الحدیث

(رواہ ابن جریر کنز العمال[202] صہ ۵۲/۸)

غزوۂ خیبر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے تو ہم نے بہت سی گوہوں کا شکار کیا۔ اور لوگوں نے ان کو بھون بھی لیا۔ میں نے بھی بھونا۔ پھر میں نے اس کو لا کر حضور کے سامنے رکھدیا۔ تو آپ نے ایک لکڑی لی اور اس کی انگلیاں شمار کرنے لگے۔ پھر فرمایا اگلی امتوں میں سے ایک امت کو مسخ کر کے زمین پر رینگنے والے جانور بنا دیا گیا تھا۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ وہ مخلوق کی کونسی قسم ہے۔ پھر حضور نے اس کو کھایا نہیں۔ الخ

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت

تک "جمیع ما کان و ما یکون" کا علم محیط حاصل نہیں تھا۔ جیسا کہ آخری خط کشیدہ فقرہ شاہد ہے۔

پھر قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں :۔

اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بضب فابی ان یاکل منہ وقال لا ادری لعلہ من القرون التی مسخت۔ (۱۴۵) (صحیح مسلم ص۱۵۱ ج۲[۲۰۲]، کنز العمال ص۱۱ ج۸[۲۰۳])	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گوہ پیش کی گئی تو آپ نے اس کے کھانے سے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں شاید یہ ان امتوں میں سے ہو جو مسخ کی گئی ہیں۔

نیز صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں ایک ایسے نشیبی جنگل میں رہتا ہوں جہاں گوہیں بکثرت ہیں اور ہمارے یہاں کے لوگ عموماً ان کو کھاتے ہیں (تو اس بارہ میں مجھے کیا حکم ہے ؟) .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :۔

یا اعرابی ان اللہ عزوجل لعن او غضب علی سبط من بنی اسرائیل فمسخھم دوابا یدبون فی الارض فلا ادری لعل ھذا منھا الحدیث (۱۴۶) (صحیح مسلم ص۱۵۲ ج۲[۲۰۴] و کنز العمال ص۱۱ ج۸[۲۰۵])	بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ پر خدا کا غضب اور اس کی پھٹکار ہوئی اور ان کو مسخ کر کے زمین پر رینگنے والے جانور بنا دیا گیا۔ جو زمین پر رینگتے ہیں۔ تو مجھے معلوم نہیں شاید یہ گو انہیں میں سے ہو

اور مسند احمد سنن ابی داؤد سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ثابت بن ودیعہ سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عزوہ میں بھنی ہوئی گوہ حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش کی تو آپ نے اس کو تناول نہیں کیا۔ اور اس سلسلہ میں فرمایا کہ :۔

ے شک من الراوی ۱۲ منہ

ان امۃ من بنی اسرائیل مسخت دواب فی الارض وانی لا ادری ای الدواب ھی (کنز العمال صـ ۹/۸ بـ ۲۰۸)[147]

بنی اسرائیل کی ایک امت زمین پر چلنے والے جانوروں کی صورت میں مسخ کر دی گئی تھی۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون جانور تھے۔

(پوری روایت سنن ابی داؤد کتاب الصید والذبائح باب الضب میں ملاحظہ ہو)
اور مسند احمد میں یہی مضمون حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے۔

امۃ مسخت ما ادری مافعلت ولا ادری لعل ھذا منھا یعنی (الضب) (کنز العمال صـ ۱۱/۸ بـ ۲۰۸)[148]

ایک امت مسخ کر دی گئی تھی نامعلوم کیا کیا گئی اور مجھے پتہ نہیں شاید یہ گوہ اسی میں سے ہو۔

اور معجم کبیر طبرانی میں حضرت سمرہ بن جندبؓ[149] اور جابر بن سمرہؓ[150] سے قریب قریب یہی مضمون انہی الفاظ میں مروی ہے۔ (کنز العمال صـ ۱۱/۸ بـ ۲۰۹)

حدیث نمبر ۱۱۶

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ میں بروایت ابن عباس حضرت خالد بن الولید سے مروی ہے، وہ بیان فرماتے ہیں (واللفظ لمسلم)

انہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی میمونۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (وھی خالتہ وخالۃ ابن عباس) وجد عندھا ضبا محنوذا قدمت بہ اختھا حفیدۃ بنت الحارث من نجد فقدمت الضب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اقل ما یقدم یدیہ لطعام حتی یحدث بہ و یسمی لہ فاھوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ الی الضب فقالت[151]

ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں داخل ہوا۔ (یہ ان کی حقیقی خالہ تھیں) تو اس وقت ان کے پاس بھنی ہوئی گوہ رکھی ہوئی تھی۔ جس کو ان کی بہن حفیدہ بنت الحارث نجد سے اپنے ساتھ لائی تھیں۔ تو حضرت میمونہ نے وہ گوہ حضور کی خدمت میں پیش کر دی (اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ بہت کم کسی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے جب تک کہ آپ کو بتلا نہ دیا جاتا کہ کیا ہے۔) جب آپ کھانے کے لئے ہاتھ بڑھانے لگے تو جو ازواج مطہرات

امرأة من النسوة الحضور اخبرن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بما قدمتن له قلن هو الضب یارسول الله فرفع رسول الله صلی الله علیه وسلم یده »

الحدیث (صحیح مسلم ج۲۱ ص ۱۵۱/۲ و صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید باب الضب)

وہاں حاضر تھیں۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ جو چیز آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ وہ حضور کو بتلا دینی چاہیئے۔ چنانچہ عرض کیا گیا کہ حضرت یہ گوہ ہے۔ تو آپ نے اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ لیا۔ الخ (دوسری روایت میں ہے کہ دسترخوان پر جو اور کھانا تھا آپ نے صرف وہی کھایا۔)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک "علم غیب کلی" اور "جمیع ماکان و ما یکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ حضور کو خود ہی اس کا علم ہوتا کہ میرے سامنے یہ گوہ پیش کی گئی ہے۔ اور آپ شروع ہی سے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں "وانه کان لایعلم من المغیبات الا ما علمه الله تعالیٰ" (فتح الباری شرح بخاری ج۲۱۲ ص ۲۱۹/۲۳۶)

(یعنی اس حدیث سے منجملہ اور چیزوں کے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی صرف وہی چیزیں معلوم ہوتی تھیں جن کی اللہ تعالےٰ کی طرف سے اطلاع دی جاتی تھی۔)

اور یہ حدیث ۷ھ کے بعد کی ہے۔ کیوں کہ حضرت میمونہ کو حضورؐ کی زوجیت کا شرف عمرۃ القضاء میں حاصل ہوا ہے۔ جو ذیقعدہ ۷ھ میں ہوا تھا۔ اور حضرت خالدؓ اس کے بھی بعد مشرف باسلام ہوئے۔ پس یہ واقعہ لامحالہ ۷ھ ہجری کے بعد ہی کا ہے واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۱۱۹ تا ۱۱۱

صحیح مسلم و سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بواسطہ ابن عباسؓ حضرت میمونہؓ سے مروی ہے۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم اصبح عندها

ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت

ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۹/۲۳۶ ۱۲ منہ عفرلہ

يومًا واجمًا فقالت له قد استنكرت هيئتك منذ اليوم فقال ان جبريل كان وعدني ان يلقاني فلم يلقني اما والله ما اخلفني فظل يومه على ذالك ثم وقع في نفسه جرو كلب تحت فسطاط فامر به فاخرج ثم اخذ ماءً فنضح مكانه فلما امسى لقيه جبريل فقال صلى الله عليه وسلم لقد كنت وعدتني ان تلقاني البارحة قال اجل ولكنا لاندخل بيتًا فيه كلبٌ ولا صورة

الحديث (جمع الفوائد ص ۲۱۳ ۲۱/۱)
(وصحیح مسلم ص ۲۱۴ ۱۹۹/۲)

میمونہؓ کے یہاں تھے اور کچھ غمگین تھے۔ انہوں نے عرض کیا آج برابر میں آپ کو اداس سا دیکھ رہی ہوں فرمایا کہ ہاں! جبریل نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور وہ نہیں ملے۔ اور خدا کی قسم انہوں نے وعدہ خلافی نہیں کی پھر اس دن بھر آپ کی یہی کیفیت رہی۔ پھر آپ کو خیال آیا کہ گھر میں کتے کا بچہ ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کے نکال دینے کا حکم دیا۔ اور وہ نکالدیا گیا۔ پھر آپ نے پانی لے کر اس جگہ چھڑکا۔ پھر جب شام ہوئی تو جبرئیل تشریف لائے آپ نے کہا تم نے تو کل رات ملنے کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے کہا بے شک لیکن جس گھر میں کتا یا تصویر ہو ہم اس گھر میں نہیں جاتے ہیں۔ الخ

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا صاف ظاہر ہے۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی جمیع ما کان و مایکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو آپ پہلے ہی اس کتے کو نکلوا دیتے۔ نیز اس صورت میں حضرت جبرئیل سے نہ آنے کا سبب معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ ہجری کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ حضرت میمونہؓ اواخر ۷ھ ہی میں حضورؐ کی زوجیت سے مشرف ہوئی ہیں:۔

اور یہی واقعہ یا اسی قسم کا دوسرا واقعہ صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے ایک چھپر کھٹ کے نیچے کتے کا پلہ دیکھا تو حضرت صدیقہؓ سے دریافت فرمایا۔

"متی دخل هذا الکلب ههنا؟ (۱۵۲) یہ کتا کب یہاں گھس گیا تھا؟ انہوں نے عرض

کیا "واللہ ما ادریت" خدا کی قسم مجھے کچھ پتہ نہیں۔ (صحیح مسلم ص۱۹۹ ج۲)

پس اس روایت میں حضرت عائشہؓ سے آپ کا یہ سوال ہمارے استدلال کے لئے ایک مستقل اور جداگانہ وجہ بن سکتا ہے۔

اور اسی قسم کا ایک اور واقعہ بحوالہ مسند احمد و سنن نسائی و ابن ماجہ و صحیح ابن خزیمہ و مستخرج سعید بن منصور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے آنحضرتؐ کے مزاج میں ایک بار کچھ تغیر سا محسوس کیا تو اس کا سبب دریافت کیا۔ اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے یہ واقعہ نقل فرمایا کہ

انی سمعت فی الحجرۃ حرکۃ	مجھے حجرہ میں کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی
فقلت من ھذا؟ قال انا جبرئیل	تو میں نے کہا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں جبریل ہوں
قلت ادخل قال لا، اخرج، فلما	میں نے کہا تشریف لائیے! انہوں نے کہا نہیں
خرجت قال ان فی بیتنا	آپ ہی باہر تشریف لے آیئے چنانچہ میں باہر
شیئا لا یدخله ملك ما دام	آگیا تو انہوں نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں کوئی
فیه قلت ما اعلمه یا جبریل	ایسی چیز ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے فرشتے
قال اذهب فانظر فذهبت	داخل نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا مجھے تو معلوم
ففتحت البیت فلم اجد غیر	نہیں انہوں نے کہا آپ جا کر دیکھئے۔ چنانچہ میں
جرو كان يلعب به الحسن	آیا اور دروازہ کھولا تو سوائے کتے کے ایک
فقلت ما وجدت الا جروا قال	بچے کے جس سے حسن کھیل رہے تھے کچھ اور
انها ثلث لم یلج ملك ما دام فیها	مجھے نہیں ملا تو میں نے آکر کہا کہ میں نے تو کتے
ابدا واحد منها كلب او جنابة	کے ایک بچہ کے سوا کچھ بھی نہیں پایا۔ انہوں نے
او صورة (کنز العمال ص۲۱۹ ج۲)	کہا کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جہاں ان میں سے

کوئی ایک ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے، کتا، جنابت، یا مورت!

اس حدیث سے بھی ہمارا استدلال ظاہر بلکہ اظہر ہے اور یہ واقعہ بھی کم از کم ۳ھ یا ۴ھ ہی کا ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ حضرت حسن رضی اللہ کی ولادت رمضان المبارک

سنہ ۳ھ میں ہوئی ہے۔ اور اس واقعہ کے وقت ان کی عمر چار یا پانچ برس سے کیا کم ہو گی۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۱۲۰

صحیحین اور سنن ابی داؤد میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

عتقت ولیدۃ ولم تستاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما کان یومھا قالت اشعرت یا رسول اللہ انی اعتقت ولیدتی؟ قال اوفعلت قالت نعم قال اما انک لو اعطیتھا اخوالک کان اعظم لاجرک

(للشیخین وابی داؤد جمع الفوائد ص ۱۰۱/۲)

کہ انہوں نے ایک باندی آزاد کی اور حضورؐ سے اس کے متعلق اجازت نہیں لی۔ پھر جب ان کی باری آئی تو انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ کیا حضورؐ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی اس باندی کو آزاد کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم کر چکیں؟ عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں تو کر چکی، فرمایا اگر تم اپنے ماموؤں کو عطا کر دیتیں تو اس میں تمہارے لئے زیادہ ثواب ہوتا۔

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کو پہلے سے اس کا علم ہوتا۔ اور پہلے ہی آپ ان کو یہ مشورہ دے دیتے۔ اور یہ واقعہ بھی لامحالہ سنہ ۵ھ کے بعد ہی کا ہے کما لا یخفی۔

حدیث نمبر ۱۲۱

صحیحین (بخاری ومسلم) اور جامع ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بیت الخلاء تشریف لے گئے تو میں نے آپ کے لئے وضو کا پانی تیار کر کے رکھ دیا۔ جب آپ نے باہر آ کر اس کو دیکھا تو دریافت فرمایا۔

من وضع ھذا؟ فقالوا ابن عباس فقال اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔

(صحیح مسلم ص ۲۹۸/۲ وصحیح بخاری ص ۲۱۹/۱ وجمع الفوائد ص ۲۲۲/۲)

کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابن عباس نے تو آپ نے میرے لئے تفقہ فی الدین اور علم تفسیر قرآن کی دعا فرمائی۔

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا صاف ثابت ہے۔ کیوں کہ اگر آپ کو جمیع ما کان و مایکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو یہ دریافت فرمانے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ واقعہ حضور کی زوجہ مطہرہ اور حضرت ابن عباس کی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں پیش آیا تھا۔ (کما فی الکنز ص ۴۲ ج ۵) لہذا یہ واقعہ بھی ۷ھ کے بعد ہی کا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۱۲۲

سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

میں بخار (۱۵۸) میں مبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پکار کر فرمایا۔

من احس الفتی الدوسی ثلث مرات فقال رجل یارسول اللہ ھو ذا الوعک فی جانب المسجد فاقبل یمشی حتی وصل الی فوضع یدہ علی۔ الخ (سنن ابی داؤد ص ۲۲۱ باب مایکرہ ذکر الرجل من اصابتہ امراتہ کتاب النکاح)	کسی نے دوسی جوان (ابوہریرہ) کو دیکھا ہے؟ آپ نے یہ تین دفعہ ارشاد فرمایا۔ تو ایک شخص نے عرض کیا حضرت! وہ یہ ہیں بخار میں مبتلا ہیں مسجد کے گوشہ میں ہیں۔ پس آپ میری طرف تشریف لائے اور قریب آکر دست مبارک میرے اوپر رکھدیا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی حضور کو علم جمیع ما کان و ما یکون حاصل نہ تھا۔ ورنہ حضرت ابوہریرہؓ کا پتہ چلانے کے لئے آپ کو دوسروں سے دریافت کرنے اور دوسروں کو بتلانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور یہ واقعہ بھی ۷ھ سے بعد ہی کا ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ ۷ھ ہی میں حضرت ابوہریرہؓ مشرف باسلام ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲۳

جمادی الاول ۸ھ میں غزوۂ موتہ پیش آیا اور اس کے واقعات میں سے یہ ہے کہ:۔

اہل یمن (۱۵۹) میں سے قبیلہ حمیر کا ایک شخص اسلامی لشکر کے ساتھ ہو لیا جس کے پاس

ایک تلوار کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اثنائے راہ میں ہی کسی مسلمان نے ایک اونٹ ذبح کیا تو اس نے اس سے کھال کا ایک ٹکڑا مانگ کر اس کی ڈھال سی بنائی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو لشکر کفر میں ایک رومی شخص دیکھا گیا۔ جو سرنگ گھوڑے پر سوار تھا۔ اور گھوڑے کی زین پر سونا جڑا ہوا تھا۔ اسی طرح اس کے جو ہتھیار تھے ان پر بھی سونا جڑا ہوا تھا۔ اس رومی شخص نے کتنے ایک مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ لیکن اتفاق سے وہ اس یمنی فوجی کی زد پڑ گیا۔ اور اس نے اس کو قتل کر کے اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ پھر جب مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہو گیا تو حضرت خالد بن ولید نے (جو اس وقت اسلامی فوج کے سپہ سالار تھے) اس یمنی شخص کو طلب کیا اور رومی مقتول کا کچھ سامان اس سے لے لیا ـــــ عوف بن مالک کو (جو اس جنگ میں شریک تھے اور وہ یمنی شخص انہی کے ساتھ آیا تھا) جب واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت خالد سے آکر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم تھا کہ میدانِ جنگ میں دشمن کے جس سپاہی کو جو قتل کرے وہی اس کے ساز و سامان کا مستحق ہے" تو پھر آپ نے اس یمنی سے کیوں کچھ سامان لے لیا؟ حضرت خالد نے فرمایا کہ میری نظر میں وہ سامان بہت زیادہ اور بہت قیمتی تھا ـــــ عوف بن مالک نے کہا آپ وہ سامان اسی یمنی کو واپس فرما دیجئے۔ ورنہ معاملہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے گا اور پھر آپ دیکھ لیں گے کہ کیا فیصلہ ہوتا ہے ـــــ حضرت خالد اس کے بعد بھی اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور اس یمنی کو رومی مقتول کا تمام ساز و سامان دینے سے انکار فرما دیا ـــــ یہاں تک کہ جب لشکر اسلام مدینہ واپس آیا تو عوف بن مالک نے یہ واقعہ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ اس یمنی سے جو کچھ لیا گیا ہے وہ واپس کر دیا جائے ـــــ عوف بن مالک جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ :۔

فقلت یا خالد الم اف لك؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم وما ذالك؟ فاخبرته	میں نے خالد سے کہا لو! دیکھو! میں نے اپنا کہا کیسا پورا کر دکھایا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جملہ سنا تو دریافت فرمایا

فغضب وقال یاخالد لا تزد علیہ (الحدیث)

کہ یہ کیا قصہ ہے تو میں نے پورا واقعہ بہ تفصیل عرض کیا تو آپ کو سخت غصہ آیا۔ اور آپ نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ کچھ مت واپس کرو اور پھر آپ نے عوف کو تنبیہ فرمائی (ملخصاً)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک "علم غیب کلی" یا "علم جمیع ماکان و مایکون" حاصل نہ تھا ورنہ آپ کو پوری روداد پہلے سے خود ہی معلوم ہوتی اور اس صورت میں اپنا فیصلہ بدلنے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی۔

(یہ حدیث صحیح مسلم[222] جلد دوم باب استحقاق القاتل سلب القتیل" میں اور سنن ابی داؤد[223] کتاب الجہاد باب الامام یمنع القاتل السلب ان رائی، میں اور مسند احمد میں بھی مروی ہے۔ کما فی جمع الفوائد[224] صفحہ ۶/۲) ہم نے واقعہ کی یہ تفصیل ابوداؤد کی روایت کے مطابق نقل کی ہے صحیح مسلم کی روایت میں یہ نسبت اس کے کچھ اختصار ہے۔ مگر روایت کے جس جز سے ہمارا استدلال ہے وہ ان سب روایات میں مشترک ہے۔]

حدیث نمبر ۱۲۴

ماہ رمضان ۸ھ[160] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ابھی آپ مقام "مرالظہران" ہی میں تھے کہ سردار قریش ابوسفیان بن حرب نے حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اشارہ فرمایا کہ ابوسفیان کو ساتھ لے کر ایسی جگہ کھڑے ہو جائیے جہاں سے پورا اسلامی لشکر گزرے چنانچہ وہ ابوسفیان کے ساتھ ایسی ہی جگہ کھڑے ہو گئے لشکر اسلام کے دستے باری باری نکلتے تھے اور ابوسفیان حضرت عباس سے ان کا تعارف حاصل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت سعد بن عبادہ انصار کی ایک بڑی فوج کے ساتھ گزرے اور انہوں نے ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"ابوسفیان! آج جنگ اور قتال کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت بھی توڑی جائے گی۔ (یعنی مکہ کے بسنے والے اور کعبہ کے سائے میں رہنے والے دشمنانِ اسلام کو بھی بے دریغ پامال کیا جائے گا۔"

اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخصوص رفقاء (مہاجرین) کے ساتھ گزرے تو بطور شکایت عرض کیا۔

"الم تعلم ما قال سعد بن عبادہ" — کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سعد نے کیا کہا ہے؟

"قال ما قال" — آپ نے فرمایا "انہوں نے کیا کہا ہے؟"

"قال کذا وکذا" — ابوسفیان نے کہا "انہوں نے ایسا ایسا کہا ہے"۔

"فقال کذب سعدٌ ولکن ھذا یوم یعظم اللہ فیہ الکعبۃ و یوم تکسٰی فیہ الکعبۃ۔ الخ" — حضور نے فرمایا سعد نے بالکل غلط کہا آج تو وہ دن ہے کہ کعبۃ اللہ کی عظمت کا پورا حق ادا کیا جائے گا۔ اور اس پر غلاف چڑھایا جائے گا۔

(صحیح بخاری[۲۲۵] باب این مرکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط" حاصل نہ تھا۔ ورنہ ابوسفیان کے اس کہنے پر کہ ... "الم تعلم ما قال سعد؟" (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سعد نے کیا کہا ہے؟) آپ کو یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ "ما قال سعد؟" (سعد نے کیا کہا ہے؟) بلکہ آپ ابوسفیان کی شکایت کے جواب میں پہلے ہی ان کو مطمئن کر دیتے۔

حدیث نمبر ۱۲۵

اور اسی سفر (غزوۃ الفتح) کی احادیث کے سلسلہ کی ایک روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں عبدالرحمٰن بن الازہر سے مروی ہے کہ :-

"قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح وانا غلام شاب یسئل عن منزل خالد بن الولید" (کنز العمال[۲۲۶] ص ۱۰۲/۷) — میں نے فتح مکہ کے سال (جب کہ میں جوان لڑکا تھا) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد بن الولید کے ٹھکانے کا پتہ پوچھتے تھے۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" یا "علم جمیع ماکان ومایکون" حاصل نہ تھا۔

حدیث نمبر ۱۲۶

فتح مکہ[۱۹۲] سے فارغ ہو کر شوال ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولیدؓ کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ بنی جزیمہ کی طرف بھیجا وہاں پہنچ کر حضرت خالد نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ صاف لفظوں میں "اسلمنا" کہتے صبانا صبانا کہنا شروع کیا جس کے معنی ہیں کہ "ہم نے دین تبدیل کر دیا" حضرت خالد نے سمجھا کہ یہ ازراہِ شرارت و استکبار لفظِ اسلام سے گریز کرتے ہیں۔ تو انہوں نے ان کی گرفتاری اور قتل کا حکم دے دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس دستہ میں بطور ایک فوجی سپاہی کے تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا اور بنی جزیمہ کے جو آدمی ان کے یا ان کے مخصوص رفقاء کے قبضہ میں تھے۔ ان کو قتل کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جب یہ دستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور واقعہ کی رپورٹ آنحضرتؐ سے کی گئی :-

فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فقال اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد مرتین ۔ (صحیح بخاری[۲۲۲] باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی بنی جزیمہ)	تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کے خدا کے حضور میں عرض کیا کہ اے اللہ خالد نے جو حرکت کی میں اس سے بری اور بیزار ہوں اور یہ آپ نے دو دفعہ فرمایا۔

اور ابن اسحٰق نے امام باقر کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت علی کو بھیج کر ان تمام مقتولین کی دیت ادا کی۔ (کما فی فتح الباری[۲۲۳] پ ۱۷ صد ۵۹)

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک علم غیب کلی، یا علم جمیع ماکان و مایکون حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ حضرت خالدؓ کو بوقت روانگی اس بارے میں ہدایت فرما دیتے۔ اور پھر بیزاری اور ادائیگی دیت کی ضرورت نہ ہوتی۔

حدیث منبر ۱۲۷

فتح مکہ کی تکمیل کے بعد وہیں سے آپ نے غزوہ حنین کا قصد فرمایا۔ چلتے چلتے آپ[۱۴۳] حنین کے قریب ہی ایک منزل پر اترے اور انس بن ابی مرشد غنوی کو آپ نے حکم دیا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس پہاڑی کی گھاٹی کی طرف چلے جاؤ اور اس کے بالائی حصہ پر قیام کرو اور ہوشیار رہ کر چوکی دو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے دشمن رات ہی میں ہم پر حملہ کر دے۔ اس موقع پر آنحضرت کے الفاظ یہ ہیں :- ولا نغرن من قبلك الليلة یعنی تمہاری غفلت سے دھوکہ میں ہم پر رات میں حملہ نہ ہو جائے۔ حضورؐ کی ہدایت کیمطابق انس چلے گئے اور رات بھر وہیں رہ کر چوکیداری کی۔ صبح کو جب نماز فجر کے لئے حضرت اٹھے تو فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد لوگوں سے آپ نے دریافت فرمایا "هل احسستم فارسكم؟" (کیا تم لوگوں نے اپنے سوار انس بن ابی مرثد کو دیکھا؟) صحابہ نے عرض کیا "ما احسناه" (حضرت ہم نے نہیں دیکھا) اس کے بعد اقامت کہی گئی اور حضرت نماز فجر پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ لیکن دورانِ نماز میں بھی آپ بار بار متجسانہ نظروں سے اس گھاٹی کی طرف دیکھتے تھے۔ اس موقعہ پر حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ فثوب بالصلوٰة فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي وهو يلتفت الى الشعب حتى اذا قضى صلوٰته وسلم قال ابشروا فقد جاء فارسكم" (پھر جب نماز ہو گئی اور آپ نے سلام پھیر دیا تو فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہارا سوار آگیا) صحابہ کا بیان ہے کہ ہم نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ درختوں کے درمیان سے آرہے ہیں۔

[سنن ابی داؤد[۱۴۹] کتاب الجہاد باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ" میں یہ روایت مفصلاً ہے ہم نے یہاں اس کا خلاصہ درج کیا ہے۔ اس کے تین جزوں سے ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ ایک حضور کا ارشاد "لا نغرن من قبلك الليلة" اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حضورؐ کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ دشمن کے شبخون کے خطرہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ بلکہ سرے سے کسی چوکیدار کی چوکی بانی کی ضرورت ہی نہ ہوتی

دوسرے صحابہؓ سے آپ کا صبح کو سوال کرنا ھل احسستم فارسکم" ہمارے اس مدعا کی واضح دلیل ہے۔ پھر نماز میں متجسانہ نظروں سے گھاٹی کی طرف دیکھنا بھی ہمارے اس مدعا کو ثابت کرتا ہے۔ کیوں کہ آپ کو جمیع ماکان و ما یکون کا علم محیط اگر حاصل ہوتا تو نہ تو آپ کو صحابہؓ سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی اور نہ آپ بحالت نماز فکرمندی کے ساتھ گھاٹی کی طرف نظر مبارک دوڑاتے۔

حدیث نمبر ۱۲۸

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی غزوہ حنین کا واقعہ نقل کرتے ہوتے بیان فرماتے ہیں کہ

لما استقبلنا وادی حنین انحدرنا من واد من اودیۃ تہامہ اجوف خطوط انما نحدر فیہ انحدارًا فی عمایۃ الصبح وکان القوم قد کمنوا لنا فی شعابہ واجنابہ ومضائقہ قد اجمعوا وتہیاؤا واعدوا فو اللہ ماراعنا ونحن منحطون الا الکتائب قد شدت علینا شدۃ رجل واحد وانہزام الناس راجعین لا یلوی احد علی احد وانحاز النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات الیمین ثم قال الی ایہا الناس (الحدیث)

(رواہ احمد والموصلی جمع الفوائد ص ۲۴۳ ج ۲ ۹۶)

جب ہم وادی حنین کی طرف آتے تو تہامہ کی وادیوں میں سے ایک کھوکھلی اور نیچے کی طرف آنے والی وادی میں ہم اترنے لگے۔ (اور چونکہ ڈھال بہت زیادہ تھی۔ اور صبح کی اندھیری چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے ہم گویا اس میں لڑھکتے چلے جاتے تھے۔ اور مخالف فوج اس کی گھاٹیوں اور اس کے پہلوؤں اور تنگ کناروں میں بالکل تیار ہو کر ہماری تاک میں چھپی بیٹھی تھی ہم بالکل بے خطر اترے چلے جا رہے تھے کہ اپنی کمینگاہوں سے اچانک دشمن نے ہم پر یک بارگی حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر کے پیر اکھڑ گئے۔ اور ایک دوسرے سے بے پرواہ ہو کر پیچھے لوٹنے لگے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داہنی جانب سمٹ گئے۔ پھر آپ نے آواز دی کہ لوگو! میری طرف آؤ ——— (آگے حدیث میں ہے کہ پھر مسلمانوں نے مڑ کر شکست کو فتح سے بدل دیا۔ اور دشمن کو شکست دے کر اس کے مال و اسباب وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان
وما یکون کا علم حاصل نہ تھا ورنہ آپ کو پہلے سے اس کی اطلاع ہوتی کہ دشمن کمینگاہوں
میں چھپا ہوا ہے۔ اور اس صورت میں آپ لشکر کو اس گھاٹی سے نہ اتارتے یا کم از کم
پہلے سے ہوشیار کر دیتے کہ دشمن کو اچانک اور بے خبری میں حملے کا موقع نہ ملتا۔

حدیث نمبر ۱۲۹

(۱۶۵) جب لشکر اسلام حنین میں ہوازن کو شکست دے کر مالِ غنیمت میں ان کے اموال
واسباب ان کے مویشی اور جنگی اسیروں کو قبضہ میں کر کے واپس ہوا تو ہوازن کی طرف سے
ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اسلام قبول
کیا اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ کا جو مال واسباب اسلامی لشکر نے حاصل
کیا ہے وہ واپس کر دیا جائے۔ اور ہمارے جو آدمی گرفتار ہو گئے ہیں وہ آزاد کر دیئے جائیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دیکھتے ہو کہ یہ میری ذات واحد کا معاملہ نہیں ہے۔
بلکہ میرے ساتھ یہ سب ہی ہیں۔ اور مالِ غنیمت حصہ بحصہ تقسیم ہو کر مجاہدین کے قبضہ
میں پہنچ چکا ہے۔ اور میں نے تو تمہارے خیال سے تقسیم بھی بہت دیر سے کی۔ (کہ شاید تم
قبل از تقسیم پہنچ جاؤ اور مالِ غنیمت تم کو واپس دے دیا جاتے۔ مگر افسوس تم بہت دیر سے
آئے۔) لہذا صاف بات یہ ہے کہ تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو یا تو اپنے اموال و
اسباب واپس لے لو اور یا اسیروں کو آزاد کرالو (جو قانون جنگ کے مطابق غلام بنائے جا
چکے ہیں۔) ان دونوں میں سے تم جس کو پسند کرو اسی کے بارہ میں، میں مسلمانوں سے
سفارش کر دوں گا ـــــ چنانچہ انہوں نے عرض کیا تو پھر ہمارے اسیروں کو آزادی دلوادی
جائے۔ آپ نے نماز کے بعد مسلمانوں کے سامنے ان لوگوں کا معاملہ پیش فرمایا اور
ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہی ہیں اب اپنے کئے پر نادم ہو کر آئے ہیں اور چاہتے
ہیں کہ ان کے اسیروں کو رہائی دے دی جائے۔ اور میں خود بھی اسی کے حق میں ہوں
اور سب سے پہلے اعلان کرتا ہوں کہ بنی ہاشم کے حصہ میں جو اسیر آئے ہیں میں ان کو ان کے
حوالہ کرتا ہوں۔ پس تم میں سے جو لوگ بطیب خاطر اس کے لئے آمادہ ہوں وہ اپنے

حصّہ کے غلاموں کو اسی طرح آزاد کر دیں اور جو اس طرح بلاعوض آزاد کرنا نہ چاہیں تو ان کے لئے ہمارا وعدہ ہے کہ آئندہ اولین موقع پر ان کو اس کا بدل دیا جائے گا۔ اس پر مجمع میں سے آوازیں آئیں ۔

قد طیبنا ذالك یا رسول اللہ !

حضرت ہم بطیب خاطر ہوازن کے اسیروں کو آزاد کرتے ہیں۔

لیکن چوں کہ یہ بات ایک عام مجمع کی تھی اور اس طرح متعین طور پر ہر شخص کی مرضی معلوم نہیں ہوسکتی تھی اس لئے آپ نے فرمایا :۔

انی لا ادری من اذن منکم ممن لم یاذن فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاؤکم امرکم

(صحیح بخاری[۲۳۱] کتاب الاحکام باب العرفاء للناس)

مجھے پتہ نہیں چلتا کہ آپ لوگوں میں سے کس کی مرضی ہے ۔ اور کس کی مرضی نہیں ہے ۔ لہذا اب یہاں سے آپ لوگ چلے جائیں ۔ پھر ہر قبیلے اور ٹولے کے چودھری اور مکھیا آپ کے معاملہ کی رپورٹ پیش کریں ۔

آگے حدیث میں ہے کہ اس پر مجلس منتشر ہو گئی اور پھر چودھریوں اور مکھیاوں نے اپنے اپنے قبیلہ اور ٹولے والوں سے بات چیت کر کے حضرت کے سامنے رپورٹ پیش کی کہ حضرت سب لوگ حضور کی تجویز پر رضامند ہیں اور اپنے اپنے غلاموں باندیوں کو آزاد کرنے کے لئے تیار ہیں "

(یہ حدیث صحیح بخاری میں متعدد جگہ ہے ۔ کہیں مختصر اور کہیں مفصل اور واقعہ کی تفصیل میں بعض اجزاء ہم نے فتح الباری[۲۳۲] پ۱۷ ص۴۶ سے بھی لئے ہیں ۔)

ہمارا استدلال صحیح بخاری کی روایت کے مذکورہ بالا الفاظ سے ہے جو صاف بتلا رہے ہیں کہ عام مجمع میں آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس کو یہ تجویز منظور ہے اور کس کو نہیں اور اسی واسطے آپ نے معاملہ کو "عرفا" کے حوالہ کیا ۔ اور انہوں نے اپنے اپنے حلقہ میں تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کی ۔

حدیث نمبر ۱۳۰

کنز العمال میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ
رسول اللہ[۹۶] صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابوبکرہ داہنی جانب بیٹھتے تھے۔

فابصر ابوبکر العباس بن عبد المطلب یومًا مقبلًا فتنحی لہ عن مکانہ۔

ایک دن ابوبکر نے عباس بن عبد المطلب کو آتا دیکھا تو ان کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

ولم یرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما نحایا ابابکر فقال ھذا عمک یا رسول اللہ فسر بذالک النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی یری ذالک فی وجھہ (رواہ ابن عساکر ولم ار فی سندہ من تکلم فیہ کنز العمال[۲۳۳] ص ۹۷)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں دیکھا تو آنحضرت نے ابوبکر سے دریافت کیا کہ تم کیوں اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ انہوں نے عرض کیا حضرت! یہ آپ کے چچا تشریف لا رہے ہیں تو آنحضرت کو ابوبکرؓ کے اس طرزِ عمل سے بڑی مسرت ہوئی۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ حضرت ابوبکر سے جگہ چھوڑنے کا سبب دریافت فرمانے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی۔

اور یہ واقعہ بھی بظاہر فتح مکہ کے بعد ہی کا ہے۔ کیوں کہ حضرت عباس کو اسلام لانے کے بعد بارگاہِ نبوت میں حاضری کا موقع غزوہ فتح مکہ سے پہلے نہیں ملا جیسا کہ اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۱

اور سنہ ۹ ہجری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کا واقعہ پیش آیا کہ آپ نے بعض ازواج مطہرات کی بعض چیزوں سے ناراض ہو کر کچھ دنوں کے لئے ان سے علیحدگی اختیار فرمائی بلکہ اس علیحدگی پر قسم کھالی۔ قریبًا ایک مہینے کے بعد آیت تخییر (یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا الآیہ) نازل ہوئی جس میں آپ کو حکم ہوا کہ اپنی ازواج کو آپ اختیار دیدیجئے کہ اگر وہ دنیا کا عیش و راحت چاہتی ہوں تو آپ سے آزادی (طلاق)

حاصل کرلیں، اور اگر انہیں اللہ اور رسول کی رضامندی اور آخرت کی بہبودی مطلوب ہو تو پھر دنیوی تکالیف اور تنگی پر صبر کریں۔ آپ اللہ تعالےٰ کا یہ پیغام لے کر سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس پہنچے اور آپ نے ان سے اس طرح بات چیت شروع کی۔

انی ذاکر لك امر فلا علیك ان لا تعجلی حتی تستامری ابویك قالت وقد علم ان ابوی لم یکونا لیا مرانی بفراقه قالت ثم قال ان الله قال جل ثناءہ "یا ایها النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا" الی قوله اجرًا عظیمًا قالت فقلت ففی ای هذا استامر ابوی فانی ارید الله ورسوله والدار الآخرۃ ــــ (الحدیث)

صحیح بخاری کتاب الطلاق باب من خیر نسارہ [۲۳۴] وصحیح مسلم طبع[۲۳۵] ج ۲

(میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، پس تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کہ تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ کرلو (حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ آپ کو یقین تھا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی مجھے آپ سے جدا ہونے کا مشورہ نہ دیں گے)، پھر اس تمہید کے بعد آنحضرت نے خدا کا وہ حکم ان کو سنایا کہ (اگر عیش دنیا چاہتی ہو تو مجھ سے جدائی حاصل کرلو ورنہ جس حالت میں خدا رکھتا ہے۔ صبر وشکر کے ساتھ رہو)

حضرت عائشہؓ نے سن کر عرض کیا حضرت اس میں ایسی کیا بات ہے کہ میں ابا اماں سے مشورہ کروں، میں پوری خوش دلی کے ساتھ اللہ ورسول اور فلاح اخروی کو اختیار کرتی ہوں۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ پیش بندی اور احتیاط کے طور پر حضرت عائشہ رضؓ کو یہ مشورہ دینے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی کہ "تم اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر کوئی عاجلانہ فیصلہ نہ کرلینا، بلکہ اس صورت میں آپ کو پہلے سے ہی معلوم ہوتا کہ عائشہؓ خود ہی فیصلہ کریں گی۔ کما لا یخفی۔

حدیث نمبر ۱۳۲

اور اسی ایلاء کے واقعہ کے متعلق کنز العمال میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق ومسند عبد بن

حمید، وابن سعد وابن جریر وابن المنذر وغیرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ :-

وکان اقسم ان لایدخل علیھن شھرًا من شدۃ موجدتہ علیھن حتی عاتبہ اللہ عزوجل فی ذالک - الحدیث (کنز العمال ص۲۳۶ ج۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک اپنی ازواج مطہرات سے مکمل علیحدگی کی قسم کھائی تھی۔ کیوں کہ ان پر آپ کو سخت غصہ تھا۔ یہاں تک کہ اس معاملہ میں آپ پر حق تعالےٰ نے عتاب فرمایا۔"

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام حق تعالےٰ کو پسند نہ ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ کو اگر پہلے معلوم ہوتا کہ یہ بات اللہ تعالےٰ کے نزدیک غیر مرضی ہے تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔

حدیث نمبر ۱۳۳

اور اسی ۹ھ ہجری میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ جس وقت کہ اس کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں حضرت ابوموسیٰ اشعری اپنے چند اشعری رفیقوں کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سواریوں (اونٹوں) کے لئے درخواست کی۔ اتفاق سے اس وقت آپ کسی وجہ سے غضبناک تھے۔ اسی حالت میں آپ نے قسم کھا کر فرمایا۔ واللہ لا احملکم "خدا کی قسم میں تم کو سواری نہیں دوں گا۔) کچھ دیر کے بعد کہیں سے اونٹ آ گئے۔ آپ نے ان اشعریوں کو خود ہی طلب فرمایا اور ان میں سے پانچ چھ اونٹ ان کو عطا فرمائے، اور ارشاد فرمایا:-

واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرًا منھا الا اتیت الذی ھو خیر وتحللتھا" (صحیح بخاری باب الیمین فی مالایملک و فی المعصیۃ وفی الغضب وصحیح مسلم ص۴۸ ج۲)

قسم خدا کی اگر میں کسی چیز پر قسم کھا لوں پھر مجھے اس کے خلاف کرنے میں بھلائی اور بہتری معلوم ہو تو ان شاء اللہ میں وہی کروں گا۔ اور قسم کا کفارہ ادا کر دوں گا۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک "جمیع ماکان ومایکون" کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ آپ پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے قسم کھا کر انکار نہ فرماتے ——— نیز جس کو علم کُلّی اور علم محیط حاصل ہو اس کے

متعلق یہ ممکن بلکہ متصوّر ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ پہلے کسی چیز کی قسم کھا لے اور پھر اس کے خلاف میں اس کو بہتری اور بھلائی معلوم ہو۔ یہ حال تو اسی کا ہو سکتا ہے۔ جس کا علم حوادث کو محیط نہ ہو۔

حدیث نمبر ۱۳۴

کنز العمال میں بحوالہ ابنِ عابد و ابنِ عساکر غزوۂ تبوک ہی کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

فلما ازف خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا ای المنافقون الاستیذان شکوا اشدۃ الحر وخافوا الفتنۃ ان غزوا یحلفون باللہ علی الکذب فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاذن لھم لا یدری ما فی انفسھم الحدیث (کنز العمال ص ۲۴۹/ج ۱۶)

جب تبوک کے لئے آنحضرت کی روانگی کا وقت قریب آیا تو ان منافقوں نے بڑی کثرت سے رخصتیں مانگنی شروع کیں۔ اور گرمی کی شدت کی شکایتیں کیں اور کہا کہ اگر ہم نے غزوہ میں شرکت کی تو اندیشہ ہے کہ ہم فتنہ میں پڑ جائیں۔ اور اس جھوٹ پر خدا کی قسمیں کھائیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دینے لگے۔ آپ ان کے دلوں کی باتوں کو نہ جانتے تھے۔

اس روایت کا آخری خط کشیدہ فقرہ اس کی صریح دلیل ہے کہ آپ کو اس وقت علم غیب، یا جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔

حدیث نمبر ۱۳۵

اسی غزوہ تبوک کی احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ جب آپ تبوک تشریف لے گئے تو قبیلہ جہینہ کے لوگ بھی ایک مقام پر پہنچکر آپ سے مل گئے۔

فقال لھم من اھل ذی المروۃ فقالوا بنو رفاعۃ من جھینۃ فقال قد اقطعتھا لبنی رفاعۃ الحدیث (سنن ابی داؤد باب فی اقطاع الارضین)

تو آپ نے ان سے اثنا گفتگو میں دریافت کیا کہ "ذی المروہ" والے کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا وہ جہینہ ہی کی ایک شاخ بنو رفاعہ ہیں۔ تو آپ نے "ذی المروہ" کا علاقہ بطور جاگیر کے اُن بنی رفاعہ ہی کو عطا فرما دیا۔

اس حدیث میں جہینہ کے لوگوں سے آپ کا یہ سوال کہ "ذی المروہ" والے کون ہیں؟ اس کی صریح دلیل ہے کہ حضور کو جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ ان سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۳۶

اور اسی غزوہ تبوک کے واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجاہدین کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو چلا اور لوگ بھوک سے پریشان ہونے لگے تو بعض حضرات نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر حضور اجازت دیں تو ہم اونٹوں کو ذبح کریں اور کھائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

افعلوا فجاء عمر فقال یا رسول اللہ ان فعلت قل الظہر ولکن ادعہم بفضل ازوادہم ثم ادع اللہ لہم علیہا بالبرکۃ فقال نعم (الحدیث)	ہاں ایسا ہی کرو۔ اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے اور عرض کیا کہ حضرت! اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم رہ جائیں گی (اور ہم گھروں سے بہت دور ہیں۔ لہذا یہ مناسب ہوگا کہ) حضرت سب لوگوں سے ان کا

بچا کچھا کھانے کا سامان منگوالیں۔ اور پھر خدا سے برکت کی دعا فرمائیں ـــــ آنحضرت نے اس رائے کو قبول فرمالیا۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔ حضور کی دعا سے حق تعالے نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ سب لوگوں نے خوب کھایا اور اپنے ساتھ کے تمام برتن بھر لئے۔

(صحیح مسلم ۲۴۱ جمع الفوائد ص ۱۹۵ ج ۲)

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ "جمیع ماکان و مایکون" کا علم محیط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی حاصل نہ تھا ورنہ آپ پہلے ہی اونٹوں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت نہ دیتے اور جو طریقہ آپ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کے بعد اختیار فرمایا شروع میں ہی آپ اس کو اختیار فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۳۷

اسی ۹ھ ہی میں جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے تیاری فرما رہے تھے۔ قبا میں مسجد ضرار بنانے والے منافقین کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور

عرض کیا کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے نیز بارش اور جاڑے کی راتوں کے لئے اپنے محلہ اور قبیلہ کی ایک مسجد بنائی ہے۔ اور ہماری خواہش ہے کہ ایک دن حضور تشریف لائیں اور اس میں نماز پڑھائیں اور برکت کی دعا فرمائیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"انی علی جناح سفر ولو قدمنا ان شاء اللہ اتیناکم فصلینا لکم فیہ۔"

"میں اس وقت سفر کے لئے پابرکاب ہوں اور اگر ہم واپس آئے تو انشاء اللہ تمہارے یہاں پہنچکر اس مسجد میں نماز پڑھدیں گے۔"

اس کے بعد جب آنحضرت کی تبوک سے واپسی ہوئی اور مدینہ کے قریب موضع ذی اوان میں آپ نے مقام فرمایا تو یہ لوگ پھر خدمت میں پہنچے اور مسجد کو متبرک فرمانے کی درخواست کی۔

فدعا بقمیصہ لیلبسہ ویاتیھم فنزل علیہ القرآن واخبرہ اللہ تعالیٰ خبر مسجد الضرار وما ھموا بہ۔

پس آپ نے اپنا کرتا طلب فرمایا کہ اس کو پہن کر ان کے یہاں جائیں۔ اسی اثناء میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں اس مسجد ضرار کی حقیقت اور اس کے سیاہ باطنیوں کی ناپاک غرض و غایت بیان فرمائی گئی۔

تو آپ نے چند صحابہؓ کو بلا کر حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو ابھی گرا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی

(حکاہ البغوی فی المعالم والخازن فی اللباب والعماد بن کثیر فی تفسیرہ)

حدیث نمبر ۱۲۸

اور علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی تخریج سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ مسجد قبا کے بننے کے بعد کچھ منافقین نے سازش کر کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرغنہ یخدج سے دریافت کیا کہ اس سے تمہارا کیا مقصد ہے تو اس نے کہا:۔

یا رسول اللہ واللہ ما اردت الا الحسنیٰ ــــــ

یا رسول اللہ میرا مقصد اس مسجد کی تعمیر سے سوائے نیکی اور ثواب کے اور کچھ نہیں ہے ــــــ

وهو كاذب فصدقه رسول الله صلى الله عليه وسلم واراد ان يعذره فانزل الله والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا (الآية) (درمنثور ص ۲۴۵ / ۲۶۶ ج۳)

اور فی الحقیقت وہ اس قسم میں جھوٹا تھا ــــ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو سچا سمجھا اور اس کو معذور قرار دینے کا ارادہ فرمایا تو ان بانیوں کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کے عزائم مشئومہ کو بے نقاب کیا گیا۔

حدیث نمبر ۱۳۹

اور حافظ سیوطیؒ نے درمنثور ہی میں اس مسجد ضرار کے متعلق حضرت سعید بن جبیرؓ کی ایک روایت ابن المنذر کی تخریج سے اور نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ جب ان بد باطن منافقین نے مسجد قبا کے مقابلہ میں اپنی مسجد تیار کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ حضور یہاں تشریف لا کر اس میں نماز پڑھا دیں۔

فلما جاءهم الرسول قام ليأتيهم اوهم ليأتيهم فانزل الله والذين اتخذوا مسجدا ضرارا الى قوله لايزال بنيانهم الذي بنوا ريبة في قلوبهم الى اخر الآية (درمنثور ص ۲۴۶ / ۲۸۶ ج۳)

پس جب ان کا قاصد یا نمائندہ یہ پیغام لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے یہاں آنے کے لئے آپ کھڑے ہو گئے۔ یا یہ کہ آپ نے ان کے یہاں آنے کا قصد فرمایا۔ تو فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔ والذین اتخذوا مسجداً ضرارا (الآیۃ)

ان تینوں روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ابتداءً رسول اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین کی سیاہ باطنی اور بدنیتی کا علم نہ تھا اور اسی بنا پر ارادہ ہوا تھا کہ ان کی اس مسجد میں بھی نماز پڑھی جائے۔ لیکن بعد میں وحی کے ذریعے آپ کو حقیقت حال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنا ارادہ فسخ فرما دیا، اور عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک سے واپسی پر پیش آیا تھا۔

حدیث نمبر ۱۴۰ تا ۱۴۳

غزوۂ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار اور مسجد قبا کے متعلق جو آیات نازل ہوئیں ان میں سے ایک آیت مسجد قبا کے بارہ میں یہ بھی تھی فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا

اس میں (مسجد قبا میں) ایسے لوگ (نماز پڑھنے) ہیں جو پاکیزگی کو محبوب رکھتے ہیں)

کنز العمال میں مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ کی تخریج سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اہل قبار سے دریافت فرمایا۔

یا اہل قبا ان اللہ قد اثنیٰ علیکم فی الطہور خیراً فاخبرونی؟ [۱۴۶]
الحدیث کنز العمال صہ ۲۴۹/۱۷ [۲۴۷]

اے قبا والو! اللہ تعالےٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف کی ہے۔ پس مجھے بتلاؤ کہ تمہاری یہ خاص پاکیزگی کیا ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوامامہ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ آنحضرت صلعم نے اہل قبا سے فرمایا:۔

ما ھذا الطہور الذی قد خصصتم بہ فی ھذہ الایۃ [۱۴۷] (کنز العمال طہ ۲۴۹/۱۷ [۲۴۸])

یہ کیا خاص پاکیزگی ہے۔ جس کو اس آیت میں تمہاری خصوصیت بتلایا گیا ہے؟

اور اسی مضمون کی ایک حدیث جمع الفوائد صہ ۳۴/۱۷ [۲۴۹] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بحوالہ رزین مروی ہے:۔

نیز [۱۴۹] مسند احمد اور معجم طبرانی کی تخریج سے حضرت عویمر کی روایت سے بھی اہل قبار سے آنحضرت کا یہ دریافت فرمانا جمع الفوائد ہی میں مروی ہے۔ (جمع الفوائد صہ ۳۴/۱۷ [۲۵۰])

حدیث نمبر ۱۴۴

اور غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد (ذی قعدہ ۹ھ میں عبداللہ بن ابی بن سلول (مشہور راس المنافقین) کا انتقال ہوا اس کے لڑکے عبداللہ جو مخلص مومن تھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ حضور میرے باپ کی نماز جنازہ پڑھا دیں، جب رسول اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوتے تو حضرت عمرؓ نے آپ کو بڑھ کر روکنا چاہا اور عرض کیا کہ حضرت یہ بدبخت تو ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کا دشمن رہا ہے۔ فلاں دن اس نے یہ کہا اور فلاں دن اس نے ہمارے خلاف یہ یہ سازش کی۔ اور وہ تو منافق ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے منافقین کے حق میں دعائے

مغفرت کرنے سے بھی آپ کو منع فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

انما خیرنی اللہ فقال استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم، فقال سازیدہ علی سبعین، قال فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلینا معہ ثم انزل علیہ ولا تصل علی احد منھم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون۔[150]

(صحیح بخاری[151] باب قولہ ولا تصل علی احد منھم مات ابداً الخ) تفسیر سورۃ توبہ و صحیح مسلم[152] ص)

اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اختیار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم اُن کے لئے ستر دفعہ مغفرت کی دعا کرو گے تو اللہ ان کی مغفرت نہ کرے گا (آنحضرتؐ نے اس کے بعد فرمایا کہ) تو میں ستر دفعہ سے زیادہ ان کیلئے بخشش مانگوں گا" اس کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (راوی ابن عمر کہتے ہیں) اور ہم سب نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی پھر آپ پر یہ صاف صریح آیت نازل ہوئی کہ ان منافقوں میں سے جو مر جائے۔ آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی نہ کھڑے ہوں الخ

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کے حق میں نہ تھی پس اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو آپ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اس راس المنافقین کے جنازہ کی نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کی منشار جو بعد میں آیت کے نزول کے بعد آپ کو معلوم ہوئی وہ پہلے سے معلوم ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۴۵

سیر[181] کے مشہور واقعات میں سے ہے کہ ۹ھ ہجری میں جب سورۂ براۃ میں مشرکین مکہ کے متعلق کچھ جدید اور اہم احکام نازل ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے باضابطہ اعلان کے لئے اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر، نیز امیر حج کا منصب عطا فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ لیکن بعد میں آپ کو یا تو از خود خیال ہوا یا جیسا کہ بعض

روایات میں ہے حضرت جبریئل نے آپ کو آگاہ کیا کہ اس قسم کے بین الاقوامی معاہدات کے متعلق کوئی خاص اعلان یا تو آپ بذاتِ خود فرمائیں یا آپ کا کوئی قریبی عزیز، چنانچہ آپ نے بعد میں حضرت علی کو روانہ کیا جو راستہ میں حضرت ابوبکر سے جا ملے۔ اور پھر حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ان خاص احکام کا اعلان حضرت علیؓ ہی نے کیا۔

(اس واقعہ کے متعلق تفصیلی روایات فتح الباری[۵۳] اوائل تفسیر سورۃ براۃ میں، ملاحظہ ہوں)

ہمارا مدعا اس واقعہ سے بالکل ظاہر ہے۔ کیوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو شروع ہی میں آپ یہ کام حضرت علی کے متعلق فرماتے ——— اور عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ واقعہ شروع ذی حجہ ۹ھ ہجری میں پیش آیا۔ والتفصیل فی الفتح

حدیث نمبر ۱۴۶

سنہ ھ کے اواخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ہزار اصحاب کرام کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ کا سفر فرمایا اور اپنی قربانی کے جانور مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لئے مکہ معظمہ پہنچکر آپ پر منکشف ہوا کہ اہل جاہلیت کے اس خیال باطل کی تردید کے لئے کہ "شہر حج میں عمرہ بہت بڑا گناہ ہے"! انہی دنوں میں پہلے مستقل عمرہ ادا کیا جائے۔ اور اس کے بعد از سر نو حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے۔ لیکن چونکہ احرام حج کے ساتھ آپ قربانی کے جانور بھی ہمراہ لے کر آئے تھے (اور ایسی صورت میں حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کو فسخ نہیں کیا جا سکتا۔) اس لئے آپ بذات خود تو اس تجویز پر عمل کرنے سے مجبور تھے۔ اس واسطے آپ نے اپنے ان اصحاب کو جو اپنی قربانیاں ساتھ نہ لائے تھے حکم دیا کہ وہ پہلے عمرہ ادا کر کے احرام سے باہر آجائیں۔ اور پھر حج کے لئے یہیں سے مستقل احرام باندھ لیں۔ بعض صحابہ نے خیال کیا کہ یہ حج تو کم درجہ کا ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں عمرہ کے اختتام اور حج کے احرام کے درمیان بیویوں سے لطف اندوزی اور دوسرے لذائذ و مرغوبات کے استعمال کا کافی موقع مل جائے گا۔ اور احرام کے استمرار کی صورت میں نفس اور نفسانی خواہشات پر جو پابندیاں رہتیں ان سے اس عرصہ کے لئے آزادی حاصل ہو جائے گی۔ نیز چونکہ آنحضرت خود ایسا نہیں کر رہے تھے۔ اس واسطے صحابہ کو کچھ تردد تھا کیوں کہ ان کی انتہائی آرزو یہی تھی کہ وہ بالکل اسی طرح حج ادا کریں۔ جس طرح آنحضرت ادا فرمائیں۔ اور ہر ہر ادا میں موافقت و یگانگت کا شرف ان کو حاصل ہو۔ بہر حال ان وجوہ سے آنحضرت کی اس نئی تجویز پر عمل کرنے میں بعض لوگوں کو کچھ پس و پیش سا لاحق ہوا۔ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو ان خیالات و وساوس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

لو استقبلت من امری ما[۱۸۲]	(ایام حج میں عمرہ کرنے کے جاہلی خیال کو پامال
استدبرت ما اھدیت ولولا	کرنے کے متعلق) جو بات اب مجھے بعد میں معلوم
ان معی الھدی لاحللت	ہوئی اگر وہ پہلے سے معلوم ہو جاتی تو میں بھی قربانی

نوٹ:۔ اگر ایک ہی سفر میں اشہر حج ہی میں عمرہ اور حج اسطرح کیا جائے کہ پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے اور عمرہ کر کے احرام سے باہر ہو جائیں۔ پھر از سر نو حج کا احرام باندھ کر حج ادا کیا جائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان صحابہ کو کرنے کا حکم دیا تھا جو ہدی (قربانی کا جانور) ساتھ نہ لائے تھے۔ تو اس کو تمتع کہتے ہیں۔ (والتفصیل فی کتاب الفقہ۔)

(۱۸۱) صحیح بخاری کتاب المناسک باب تقضی الحائض المناسک کلہا الا الطواف و (۱۸۲) صحیح مسلم صفحہ ۳۹۲ و صفحہ ۳۹۶ جلد اوّل)

ساتھ نہ لاتا اور اگر قربانی کے یہ جانور میرے ساتھ نہ ہوتے تو ضرور میں بھی عمرہ کر کے اپنے اس احرام کو ختم کر دیتا۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک بھی آپ کو "علم غیب" یا علم جمیع ماکان وما یکون حاصل نہ تھا ورنہ جو چیز بعد میں آپ پر منکشف ہوئی وہ پہلے سے ہی معلوم ہو جاتی اور آپ قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتے بلکہ مدینہ ہی سے تمتع کا ارادہ فرما کر چلتے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی حدیث کے ان الفاظ کے معنے بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :-

(۱۸۳) ای لو عرفت فی الحال ما عرفت آخراً من جواز العمرة فی اشهر الحج "لما اهدیت" ای لکنت متمتعا لمخالفة اهل الجاهلیة (عمدة القاری صفحہ ۲۹۳/۹)

یعنی اگر شروع میں مجھے وہ بات معلوم ہو جاتی۔ جو آخر میں میرے علم میں آئی۔ (یعنی اشہر حج میں عمرہ کا جواز) تو میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا یعنی میں بھی اہل جاہلیت کی عملی مخالفت کے لئے تمتع ہی کو اختیار کرتا۔

علامہ زرقانی اس حدیث کے انہی الفاظ کی شرح کرتے ہوئے "شرح مواہب" میں فرماتے ہیں۔

(۱۸۴) ای لو عن لی هذا الرأی الذی رأیته آخراً وامرتکم به فی اول السری لما سقت الهدی (۱۸۵) (زرقانی صفحہ ۱۸۸/۸)

یعنی یہ رائے جو اب بعد میں ہوئی اور جس کا میں تم کو حکم دے رہا ہوں اگر شروع میں مجھ پر ظاہر ہو جاتی تو میں بھی ہدی ساتھ نہ لاتا۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے اسی ٹکڑے کا مطلب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اگر پیش ازیں میدانستم برآمدن از احرام برشما شاق خواہد آمد من نیز سوق ہدی نمے کردم ومن نمے دانستم کہ حکم الٰہی چنیں خواہد بود (۱۸۵) (اشعۃ اللمعات صفحہ ۲۲۸/۲)

اگر اس سے پہلے مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم پر احرام سے نکلنا شاق گزریگا تو میں بھی قربانی ساتھ نہ لاتا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ حکم الٰہی ایسا ہو جائے گا۔

شارحین حدیث کی ان تشریحات سے ہمارا مدعا اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے یہ سب حضرات بھی اس پر متفق ہیں کہ اہل جاہلیت کی عملی مخالفت کے لئے بعد میں آپ پر جو منکشف ہوا (وحیاً یا رأیاً)، وہ پہلے سے آپ کو معلوم نہ تھا۔ اور یہ جب ہی متصور ہے کہ آپ کو "علم غیب" اور "ماکان و مایکون کا علم محیط" حاصل نہ ہو۔

حدیث نمبر ۱۴۷

یہ روایت جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہاں اوپر ہم نے ذکر کی جس میں آپ کے ارشاد "لو استقبلت الخ" کے مخاطب صحابہ کرام ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ لیکن یہی واقعہ صحیحین ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ اور اس کی مسلم والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات آپ نے حضرت صدیقہ سے علیحدہ بھی کہی تھی اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن[۸۹] عائشة انها قالت قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم لاربع مضين من ذى الحجة او خمس فدخل على وهو غضبان فقلت من اغضبك يا رسول الله ادخله الله النار قال اوما شعرت انى امرت الناس بامر فاذا هم يترددون ..... ولو انى استقبلت من امرى ما استدبرت ما سقت الهدى۔ (صحیح مسلم ص ۳۹۰ ج ۱)

(وفی البخاری فی کتاب التمنی عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الھدی)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو مکہ معظمہ وارد ہوئے تو آپ میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ غضبناک تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور کو کس کی حرکت نے غصہ دلایا؟ خدا اسے جہنم واصل کرے آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں۔ میں نے لوگوں کو ایک بات کا حکم دیا تھا (یعنی حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کر دینے کا)، تو وہ پس و پیش کر رہے ہیں۔ اور اگر پہلے سے مجھے وہ بات معلوم ہوتی جو اب معلوم ہوئی تو میں خود ہدی ساتھ نہ لاتا۔ (اور ایسا ہی کرتا)

حدیث نمبر ۱۴۸

اسی حجۃ الوداع کے واقعات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک یہ حدیث بھی مروی ہے۔

أنّ[۱۸۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من عندها مسرورًا ثم رجع كئيبًا فقال انی دخلت الكعبة ولو استقبلت من امری ما استدبرت ما دخلتها انی اخاف ان اکون قد شققت علی امتی۔

رواہ الترمذی وابوداؤد جمع الفوائد ص[۱۸۲] ج ۱ ورواہ ایضًا احمد وابن ماجہ والحاکم فی المستدرک کنز العمال ص[۲۴۱] ج ۲۷ ج ۶ بہ ۲۳

ایک دن (اس حج کے دوران ہی میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے خوش وخرّم باہر نکلے۔ پھر کچھ دیر بعد آپ رنجیدہ ہوکر واپس تشریف لائے اور بتلایا کہ میں کعبہ کے اندر داخل ہوا تھا اور اگر مجھے پہلے سے وہ خیال ہوتا جو اب بعد میں پیدا ہوا تو میں داخل نہ ہوا ہوتا، مجھے خوف ہے کہ میں نے اپنے اس فعل سے امت پر بار نہ ڈالدیا ہو،

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا بالکل ظاہر ہے۔ کیوں کہ اس میں آپ نے داخلہ کعبہ پر جن الفاظ کے ساتھ اور جس انداز میں اظہار تاسف کیا ہے اور اس کی جو وجہ بتلائی ہے۔ وہ صاف اس امر پر دال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک "علم غیب" اور جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔

حدیث نمبر ۱۴۹

اور اسی حجۃ الوداع کے واقعات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ مروی ہے۔

قالت اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینفر فرأی صفیہ علی باب خبائها كئيبة لانها حاضت فقال عقری حلقی (لغۃ قریش) انك لحابستنا

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (حج سے فارغ ہوکر مکہ معظمہ سے) کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا تو جناب صفیہؓ کو دیکھا کہ اپنے خیمہ کے دروازے پر غمزدہ اور اداس سی کھڑی ہیں، کیوں کہ ان کے ایام شروع ہوگئے تھے)

ثم قال اكنت افضت يوم النحر؟ يعني الطواف قالت نعم قال فانفری اذًا۔

(صحیح بخاری[۲۶۳] باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم تربت یمینک وعقری حلقی" وصحیح مسلم[۲۶۴] صدیث ۴۴ ج ۱)

آپ نے دیکھ کر فرمایا "عقری احلقی" پھر آپ نے فرمایا تم ہمیں روکنے والی ہو؟ پھر فرمایا کیا تم نے دسویں تاریخ کو طواف افاضہ کر لیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں حضور نے ارشاد فرمایا تو اب کوچ کرو۔ کیونکہ حج کے ضروری ارکان سب ادا ہو چکے۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک (یعنی حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر کوچ کرنے کے وقت تک) "جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط" حاصل نہ تھا ورنہ آپ نہ تو انك لحابستنا فرماتے اور نہ آپ کو یہ دریافت فرمانے کی ضرورت ہوتی کہ اکنت افضت یوم النحر؟ "کیا تم نے نحر کے دن طواف افاضہ کر لیا تھا؟

حدیث نمبر ۱۵۰

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے :۔

قال حکت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلۃ انمار صوف سوداء فجعل حاشیتہا بیضاء فخرج فیہا الی اصحابہ فضرب بیدہ علی فخذہ فقال الا ترون الی ھذہ ما احسنہا فقال اعرابی بابی انت وامی یا رسول اللہ ھبہا لی وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسأل شیئًا ابدًا فیقول لا فقال نعم فاعطاہ الجبۃ ودعا بمعوزین لہ فلبسہا وامر بمثلہا فحبکت

فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سیاہ اون کا ایک جوڑا تیار کیا تو آپ نے اس کی کناری سفید لگائی اور اس کو زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے اور ان پر ہاتھ مار کر فرمایا دیکھنا یہ جوڑا کیا اچھا معلوم ہوتا ہے؟ ایک اعرابی نے عرض کیا حضور! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ تو مجھے مرحمت فرما دیجئے (اور آنحضرت کی عادت کریمہ تھی کہ جب آپ سے کوئی چیز مانگی جاتی تو آپ "نا" نہیں فرماتے تھے) تو آپ نے اس اعرابی سے فرمایا ہاں لو، اور وہ جبہ اس کو عطا فرما دیا۔ اور اسی جیسا اور تیار کرنے کا حکم دیا۔ سہل کہتے ہیں کہ میں نے حسب الحکم اس کے لئے تانا ہی تانا ہی کیا۔

لہ فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی فی المحاکۃ" (رواہ ابن جریر کنز العمال ص۱۲۶۹ ج۴)

تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وہ تانا گاڑھ (کپڑا بننے کی جگہ) ہی میں تھا (یعنی اس کی تیاری سے پہلے حضور اس دنیا سے رحلت فرما کر آغوش رحمت میں چلے گئے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس وقت آپ نے سہل کو دوبارہ ویسا ہی جوڑا تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس وقت آپ کو معلوم نہ تھا کہ میری وفات کا وقت اس قدر قریب آگیا ہے ورنہ آپ اپنے لئے اس کی تیاری کا حکم نہ دیتے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حکم آپ نے وفات شریف سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے دیا ہوگا۔ کیوں کہ حضرت سہل کا بیان ہے کہ میں نے حسب الارشاد اس کی تیاری شروع کر دی تھی۔ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت واصل بحق ہو گئے۔ تو زیادہ سے زیادہ وفات شریف سے بس مہینے دو مہینے پہلے کا یہ واقعہ ہوگا گویا ۱۱ سہ ہجری محرم یا صفر کے مہینے کا۔ واللہ اعلم۔

نیز وفات شریف سے ایک مہینے پہلے والی حضرت جابر کی حدیث بروایت صحیح مسلم (جس میں حضرت نے وفات مقدسہ سے صرف ایک مہینہ پہلے وقت قیامت کے سوال کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی) اور خاص مرض الوفات کی بعض احادیث صحیحین اور دیگر کتب صحاح کے حوالے سے اس حصہ کے ابتداء میں ہم درج کر چکے ہیں۔

نمبر ۱۸ سے یہاں تک جو ستر حدیثیں درج ہوئی ہیں وہ ہجری سنین کے حساب سے تھیں ان میں ہجرت کے پہلے سال سے لے کر آنحضرت کی وفات مقدسہ کے سال ۱۱ سہ ہجری تک کے تمام سالوں کی حدیثیں ہیں۔ جن سے ہر سال کے متعلق یہ ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سال تک بھی "علم غیب" یا "علم جمیع ماکان و مایکون" حاصل نہ تھا۔

اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان احادیث کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد صرف ان لوگوں پر مستقل حجت قائم کرنا ہے جو دعوے کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا

ہیں تشریف لانے سے بھی پہلے شکم مادر ہی میں "علم غیب" یا علم ماکان و مایکون عطا فرما دیا گیا تھا ______ مگر جو چالاک لوگ دلائل کی گرفت سے بچنے کے لئے ختم نزول قرآن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان و مایکون کے عطا کئے جانے کے مدعی ہیں۔ ان پر صرف پہلی اسی حدیثوں سے حجت قائم ہوتی ہے۔ جس کی نمبر بر توضیح ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ بہر حال یہاں تک ڈیڑھ سو[۱۵۰] حدیثیں ہوئیں جنمیں سے اکثر بحمد اللہ صحاح کی ہیں اور جو خارج صحاح کی ہیں ان میں بھی کوئی ایسی نہیں ہے۔ جس میں نکارت شدیدہ ہو۔

حوالے جات کے بارے میں ہمارا اصول یہ رہا ہے کہ صحیحین کی احادیث کو اکثر خود صحیحین ہی سے لیا ہے۔ اور صحیحین ہی کے باب یا صفحہ کا حوالہ دیا ہے۔ ماسوا صحیحین کے جو سنن اربعہ یا موطا یا مسند احمد کے حوالے ہیں وہ اکثر "جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد" (تالیف محمد بن محمد بن سلیمان المغربی المالکی) سے لئے گئے ہیں۔ اور اسی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اور جہاں کہیں ان اصل کتابوں کا حوالہ ہے وہاں حدیث کو اصل کتاب ہی سے لیا گیا ہے۔ جن کتابوں کی احادیث کے لئے "کنز العمال" یا "در منثور" کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہاں سمجھ لینا چاہئیے کہ ان احادیث کو کنز العمال یا در منثور ہی سے لیا گیا ہے۔

بہر حال جس حدیث کے لئے جس کتاب کے باب یا صفحہ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ حدیث عموماً اسی کتاب سے لی گئی ہے۔ اور حوالہ کا نمبر بھی صرف اسی کتاب پر لگایا گیا ہے۔ ورنہ اگر ہم فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کے اس اصول پر چلتے کہ ایک مخرج جتنی بھی کتب حدیث کا حوالہ دے وہ ان سب کتابوں کو علیحدہ علیحدہ شمار کر کے اپنے حوالوں کی گنتی بڑھاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک ایک حوالہ کو دس دس، بیس بیس حوالے بنا لیتے ہیں پس اگر ہم بھی یہی طرز عمل اختیار کرتے تو یقین ہے کہ حوالہ جات کی تعداد سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں پر پہنچ چکی ہوتی جیسا کہ ناظرین کرام خود بھی حساب لگا سکتے ہیں۔

اب ہم اس حصہ "احادیث نبوی" کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی اس پر اضافہ کی کافی گنجائش ہے۔ اور قریباً ایک سو حدیثیں میری اس "یادداشت" میں بھی ابھی باقی ہیں۔ جو اس کتاب کی پہلی ترتیب کے وقت صرف "کنز العمال" اور "جمع الفوائد" کا مطالعہ کر کے تیار کی گئی

تھی لیکن ناظرین کے اکتا جانے کے خیال سے کتاب کو مزید طول نہ دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر ڈیڑھ سو کی تعداد بھی بجائے خود کچھ کم تعداد نہیں ہے۔

جو حدیثیں چھوڑ دی گئی ہیں ان میں ایک کافی تعداد ان روایات کی ہے۔ جن میں غزوات کے موقع پر مخبروں اور جاسوسوں کو بھیجنے اور پھر اطلاعات حاصل کرکے ان کو خدمت نبوی میں پہنچانے کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی "عالم غیب اور دانائے کل" کو ان تدبیروں کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف مضامین کی بہت سی حدیثیں ایسی ابھی باقی ہیں۔ جن سے ہمارا مدعا نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اب بقصد اختصار انہی ڈیڑھ سو حدیثوں پر اکتفا کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اور اصل تو یہ ہے کہ قرآن وحدیث پر نظر رکھنے والوں کے لئے یہ مسئلہ (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ کسی مخلوق کو بھی "علم غیب کلی" یا "علم جمیع ماکان ومایکون" حاصل نہیں) اس قدر بدیہی ہے کہ اس کے لئے استدلال کیا معنی کسی "تنبیہ" اور "تذکیر" کی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن دنیا کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو ان پر قائم رکھنا اور اس کا یقین دلانے کے لئے آج اس پر بھی مستقل تصنیفوں کی ضرورت ہو رہی ہے، اور ان کے دین کے تحفظ کی خاطر اس قسم کے مسائل کی طرف توجہ کرنا بھی ناگزیر ہوگیا ہے۔

صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبر وذراعاً بذراع (بخاری ومسلم)

پھر آخری تنبیہ

کتاب کے اس حصہ کو ختم کرتے ہوئے بھی ہم پھر اس "آخری تنبیہ" کا اعادہ کر دینا چاہتے ہیں کہ ہماری اس بحث کا تمام تر تعلق صرف اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدہ "علم غیب کلی" یا "علم جمیع ماکان ومایکون" ہی سے ہے۔ اور خدا شاہد ہے کہ اس سے ہمارا مقصد صرف اس غالیانہ

عقیدہ کی تردید اور مسلک حق کی توضیح ہے ——— اس کو اس پر محمول کرنا کہ معاذ اللہ ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کی تنقیص مقصود ہے۔ انتہائی بے ایمانی اور اعلیٰ درجہ کی شیطنت ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ کے بعد کمال علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا درجہ ہے۔

بعد از بزرگ تو ئی قصہ مختصر،

اللہ تعالےٰ نے جو علوم و معارف آپ کو عطا فرمائے وہ بحیثیت مجموعی کسی دوسرے رسول اور کسی دوسرے نبی اور کسی مقرب ترین فرشتے کو بھی عطا نہیں ہوئے۔ آپ ہی وہ ہیں جن کے متعلق خدا کی مقدس کتاب نے شہادت دی۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (نساء)	اللہ نے آپ کو وہ علوم سکھائے جو آپ کو پہلے سے حاصل نہ تھے۔ اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

آپ ہی وہ ہیں جن کے متعلق کتاب الٰہی کا بیان ہے:۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ	خدا نے اپنے بندے کے دل میں ڈالدیا جو ڈالدیا۔

آپ ہی معارف الٰہیہ کے آخری معلم ہیں اور علوم ربانیہ کے آخری مبلغ، لیکن بایں ہمہ آپ کے علوم کو علوم الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو ایک مخلوق کی کسی صفت کو خالق کی صفت سے ہوسکتی ہے۔ نیز آپ کے علم کی اس غیر معمولی بلکہ بے نظیر وسعت کی وجہ سے "جمیع ماکان و مایکون" کا "عالم" بھی آپ کو نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی اس کے خلاف ناطق ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا ——— پس ان سے روگردانی اور سرتابی کر کے آپ کو "عالم الغیب" یا "عالم جمیع ماکان و مایکون" ماننا، محبت نہیں، بلکہ معصیت، اور موجب قربت نہیں خطرناک بغاوت ہے۔ رسول اللہ روحی و قلبی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تطرونی کما اطرات النصاری عیسیٰ بن مریم انما	تم مجھ کو حد سے نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔

انا عبد اللہ و رسولہ فقولوا عبد اللہ ورسولہ۔ (صحیحین) اور اس کا رسول تو مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

کتاب "بوارق الغیب" کا حصہ دوم بعون اللہ تعالے ختم ہوا۔ اب انشاء اللہ حصہ سوم شروع ہوگا جس میں اسی مسئلہ "علم غیب" کے متعلق اہل سنت کے مسلک حق کی تائید میں حضرات صحابہ و تابعین اور امت کے دیگر واجب الاحترام طبقات، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین متکلمین اور علماء و عرفاء کے ارشادات پیش کئے جائیں گے۔

افقر عباد اللہ محمد منظور النعمانی عفا عنہ مولاہ

دفتر "الفرقان"

بریلی

مطبوعات

کتب خانہ مجیدیہ ملتان

الصواعق المحرقۃ عربی	۳۰ — ۰۰
منیۃ المصلی	۱۱ — ۲۵
نور الایضاح	۱۳ — ۵۰
میزان الصرف	۳ — ۰۰
صرف بہائی	۱ — ۸۰
تیسیر الابواب	۶ — ۰۰
مالابدمنہ فارسی	۱۰ — ۵۰
مرقات (منطق)	۳ — ۰۰

تعلیم الاسلام حصہ اول — ۷۵ — ۰

” حصہ دوم — ۰۰ — ۱

” حصہ سوم — ۲۵ — ۲

” حصہ چہارم — ۲۵ — ۲

بوارق الغیب — ۰۰ — ۳۰

حفظ الایمان — ۰۰ — ۱

عملیات عزیزی — ۷۵ — ۶

نماز مترجم کلاں — ۲۵ — ۲

یوسف زلیخا فارسی — ۰۰ — ۱۸

تحریر سنیٹ — ۰۰ — ۱۸

سبعہ معلقہ (فارسی) — ۰۰ — ۶

نوادر الوصول (فارسی)
شرح فصول اکبری } — ۰۰ — ۱۸

حسامی مع شرح نامی ——— ۰۰ — ۲۷

مناظرہ علم غیب ——— ۵۰ — ۷

اصلاحی نصاب ——— زیر طبع

حمد اللہ نظامی ——— 〃

کافیہ ——— 〃

ہدایۃ النحو ——— 〃

دیوان متنبی ——— 〃

حل العویص ترجمہ تلخیص ——— 〃

سنن ابن ماجہ عربی ——— 〃

طحاوی شریف 〃 ——— 〃

عبدالغفور مع تکملہ 〃 ——— 〃

ہدیہ سعیدیہ 〃 ——— 〃

شرح عقائد عربی ——— زیر طبع

تفسیرات احمدیہ عربی ——— "

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ۔ ملتان